

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَمِنَ الْإِسْلَامِ الْبُحْبُوحُ وَفِيهِ كُنُوزٌ لَا تُحِصَى وَلَا تُؤَدَّى

كتاب مستطاب

# اصلاح الرسول الطاهر

كلام

SIBTAH.COM

## العبادة الطاهرة

تصنيف وتأليف

صدر المحققين حضرت آية الله العلامة الشيخ محمد حسين النجفي مجتهد عصره زمانه في هذا الشأن

ناشر

مكتبة السبطين 296/9 في سيثلا بيت ثاؤون سرودها



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

قال الله تعالى

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

كتاب مستطاب

اصلاح الیسوم الظاهرة

بکلام  
العشرة الطاهرة

المعروف به

مسلمی اسلام اور رسمی اسلام





## انتساب

جب بفضلہ تعالیٰ کتاب مستطاب ”اصلاح الرسوم  
الظاہرہ بکلام العترۃ الطاہرہ“ مکمل ہو گئی تو عام مصنفین و مولفین کی  
طرح مجھے بھی یہ خیال دامنگیر ہوا کہ کسی بزرگ شخصیت کے نام کے  
ساتھ معنون کیا جائے۔ یہ خیال پیدا ہوتے ہی کئی زندہ و مرحوم  
شخصیتوں کے نام صفحہ ذہن میں ابھرے مگر چند لمحوں کے غور کے بعد  
دل و دماغ نے انہیں قبول کرنے سے باء و انکار کر دیا۔ اسی اتھل  
پتھل میں جب مخلص باصفا، دوست باوفا، عالم باعمل اور واعظ متعظ  
حضرت مولانا حافظ سیف اللہ جعفری مرحوم کے نام نامی و اسم گرامی نے  
دل و دماغ کے دروازہ پر دستک دی تو انہوں نے اس کے لیے اپنا دروازہ  
وا کر دیا۔ اور خندہ پیشانی ہے اس کا استقبال کیا۔ یہی وہ بزرگ تھے  
جنہوں نے خداداد جذبہ تحقیق سے اپنے آبائی مذہب کو خیر باد کہہ کر  
اہلبیت نبوت کی کشتی نجات پر سواری اختیار کی اور اس سلسلہ میں کئی  
قسم کے کٹھن مراحل سے گزرنا پڑا مگر ان کے پائے استقلال میں زرہ  
بھر لغزش واقع نہ ہوئی۔ اپنی چھپن سالہ زندگی کی اٹھائیس بہاریں ادھر  
گزاریں اور اٹھائیس بہاریں ادھر۔ کشتی آل عبا پر سوار ہونے کے بعد



## ب

کے بعد انہوں نے پہلے علماء اعلام سے اپنے عقائد و اعمال کی اصلاح کی اور پھر قوم کے عقائد و اعمال کی اصلاح کرنے اور اس میں رائج غلط رسم و رواج کا قلع قمع کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ اور قوم کو قرآن، صحیفہ کاملہ اور نہج البلاغہ سے متعارف کرایا اور بالآخر چھپن (۵۶) برس کی مختصر عمر بھرپور زندگی گزار کر اور خود فائز المرامی اور بقاء جادوانی کی سند لیکر لیکن قوم و احباب کو سوگوار و اشکبار چھوڑ کر ۱۴ اگست ۱۹۸۰ء کو راہی ملک بقا ہو گئے۔ **إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ**۔ اگر مرحوم زندہ ہوتے تو جس طرح انہوں نے اصول الشریعہ، وغیرہ جیسی اصلاحی کتب پر ہدیہ تبریک پیش کیا تھا۔ تو آج ”اصلاح الرسوم“ کی اشاعت پر اس سے زیادہ خوش و خرم ہوتے۔ جب آج میں اس کتاب کو ان کے نام نامی سے معنون و منسوب کر رہا ہوں۔ تو اس سے جنت الفردوس میں انکی روح ضرور خوش و خرم ہوگی۔

مگر قبول امداد ہے عز و شرف

خلوص کار

الاحقر محمد حسین النجفی عفی عنہ۔ بقلم سرگودھا



## فہرست

## گفتار اولین

- |    |                                  |    |  |
|----|----------------------------------|----|--|
| 19 | خلاصہ کلام                       | 19 | مختلف قوموں میں رسوم و عادات کے        |
|    | بدعت اور ذاتی رائے و قیاس پر عمل |    | راج ہونے کے چہارگانہ علل و             |
| 20 | کرنے کی خرابیاں اور تباہ کاریاں  | 2  | اسباب                                  |
| 20 | یہ خدا کے دین سے بغاوت ہے        | 2  | ان رسوم کا باہمی اختلاف مراتب          |
|    | اس سے لازم آتا ہے کہ دین مکمل    | 4  | رسم یا عادت غلط یا صحیح ہونے کا معیار؟ |
| 20 | نہیں ہے                          | 7  | حقیقی معیار حق و باطل                  |
|    | اس سے لازم آتا ہے کہ رسولؐ نے    |    | خدا نے ہر چیز کے حدود مقرر کئے ہیں     |
| 21 | خیانت کی (معاذ اللہ)             |    | اور ان حدود کو توڑنے پر وعید فرمائی    |
|    | اس سے تحریف دین کا راستہ کھلتا   | 8  | ہے                                     |
| 21 | ہے                               |    | خدا و مصطفیٰؐ اور ائمہ ہدیٰ کی اطاعت   |
| 22 | عوام کی حالت راز                 | 9  | مطلقہ کا وجوب                          |
| 23 | خواص کی کیفیت زار                |    | بدعت ذاتی رائے و قیاس کی حرمت کا       |
|    | علمائے حق کی ذمہ داری اور اس سے  | 11 | بیان                                   |
| 24 | عہدہ براری                       | 13 | بدعت کسے کہتے ہیں؟                     |
| 27 | کتاب ہذا کی وجہ تالیف و تصنیف    | 14 | بدعت کے مختلف اقسام کا بطلان           |
| 28 | مشکلات راہ کا احساس              | 15 | افادہ جدیدہ                            |
| 31 | اس کتاب کا طریقہ اصلاح           |    |  |



## کتاب مستطاب

اصلاح الرسوم الظاہرہ بکلام المحتررة	34
الظاہرہ	34
بدعات اور رسوم و رواج کے اقسام کا بیان	35

## پہلا باب

حقیقت اسلام کا مختصر مکر جامع بیان	36
اصول اسلام و ایمان	41
توحید	41
عدل	44
نبوت	45
امامت	46
قیامت	48
فروع دین	48
تذنیب	50

## دوسرا باب

عقائد اسلامیہ میں تحریقات و بدعات کا بیان	55
شرک کی مذمت اور اس کی حقیقت	57

شرک جلی و خفی	58
شرک جلی کے چہارگانہ اقسام کا بیان	59
شرک خفی کے وہ گانہ اقسام	61
شرک توکلی	61
شرک امری	62
شرک نفسی و ضرری	62
شرک اطاعتی	62
شرک تشبیہی	63
شرک صوئی پرستی	63
شرک بی دسکی	63
شرک نسبی	64
شرک شگونی	64
شرک بدعی	66
علم غیب والا عقیدہ	
نوع بنی و امام والا عقیدہ	74
بنی و امام کے حاضر و ناظر ہونے والا عقیدہ	77
تعویض والا عقیدہ	78
غلو والا عقیدہ	80
ولادت یا نزول بنی و امام والا عقیدہ	83
وسیلہ والا عقیدہ	85



## تیسرا باب

نماز کے بعد مخصوص تعداد میں درود

پڑھنا 116

مخصوص اوقات میں مصافحہ کا التزام 117

نماز کے بعد صرف تین مخصوص

زیارتیں پڑھنا 118

بالجبر ذکر خدا کرنا 119

بعض مخصوص نقوش کا بعض مخصوص

اوقات میں دیکھنا 120

زبان سے نیت کرنا 121

مسجد میں آواز بلند کرنا 122

جمعہ کے دن دوسری اذان دینا 122

مسجد کے دروازے بند رکھنا 123

مساجد کا مینار بنانا 123

داخلی محراب بنانا 124

روزہ میں بدعت روزہ توکلی 124

یوم عاشوراء کو مسرت و شادمانی کا دن

قرار دینا 126

زکوٰۃ و خمس ادا کرنے میں بدعت یعنی

انگواد اتو کرنا مگر حساب نہ کرنا 126

حج میں بدعت 128

جہاد میں بدعت 128

ان بدعات اور غلط رسوم کا بیان جو

بعض عبادات سے متعلق ہیں 87

ایک ایراد اور اس کے جوابات 90

وضو میں پاؤں دھونے کی بدعت 92

اذان میں تحریف 95

حی علیٰ خیر العمل کا اخراج 95

الصلوة خیر من النوم کا اذان میں

اضافہ 96

اذان میں اشہدان علیا ولی اللہ کا

اضافہ 96

نماز میں ہاتھ باندھنے کی بدعت 99

سب سے پہلے عمر نے ہاتھ باندھنے کا

حکم دیا 103

تشہد میں شہادت ثالثہ کا اضافہ 103

علیٰ لطیفہ 107

نماز چاشت پڑھنا بدعت ہے 112

نماز تراویح بدعت ہے 112

نماز قضائے عمری 114

نماز جنازہ میں چار تکبیر بدعت

ہے 115



## چوتھا باب

144 کا تذکرہ

147 غیر خدا کا سجدہ کرنا حرام ہے۔

149 ایک مشہور شبہ کا ازالہ

151 تعزیہ مبارک

153 تعزیہ سے متعلق غلط رسوم کی نشاندہی

156 جلوس مہندی اور بیج

158 جعلی مزارات

عزا خانوں اور گھروں میں جناب

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور

ائمہ ہدی کی جعلی تصویریں رکھنا 162

162 قدم گاہ نبی و علی و دیگر تبرکات نبوت و

امامت 163

163 اس سلسلہ میں بعض غلط رسوم کا تذکرہ

164

167 ماتم

169 اس سلسلہ میں بعض غلط رسوم کا

تذکرہ 169

171 ایسے نازک مقامات پر ہمارا عندیہ

## پانچواں باب

ان بدعات اور غلط رسوم کا بیان جو

شادی بیاہ سے متعلق ہیں 173

ان غلط رسوم کا بیان جو عزاداری سید

الشہداء علیہ التحیۃ والثناء میں رائج

ہیں 130

133 ہر عمل کی روح اخلاص ہے۔

133 پہلا شاہد فیس طے کر کے مجالس پڑھنا

133

دوسرا شاہد۔ خدا اور رسول کی رضا پر

پبلک کی رضا جوئی کو مقدم جاننا۔ 133

تیسرا شاہد۔ اہل ایمان و اہل علم کی

توہین 134

چوتھا شاہد۔ جھوٹی روایات بیان کرنا 135

پانچواں شاہد۔ غنا و سرود کا ارتکاب۔ 136

صاحب رسالہ البرہان الرعیانہ کا تبصرہ

137

توجیح 138

مجلس خوان طبقہ کے آداب دہ گانہ 138

مجلس پڑھانے اور سننے والوں کے

متعلق دہ گانہ و ظائف کا بیان۔ 142

ایک اور اہم اصلاح۔ 143

مراسم بیداری کے متعلق بعض غلط رسوم



173	عقد و ازدواج کی اہمیت	203	کرنا
174	نکاح کے فوائد	205	(۴) آتش بازی چھوڑنا
176	شادی بیاہ میں خرم و ہوشمندی کی ضرورت	207	(۵) وٹہ سہہ کی شادی اور اس کی خرابیاں
178	عقد و ازدواج کے معاملہ میں غلط رسوم و قیود کا تذکرہ	208	(۶) قیمت لیکر بیٹی یا بہن کی شادی کرنا
178	بہت دیر سے شادی کرنا	209	(۷) قرآن سے شادی کرنا
180	اس کا خیر کے علل و اسباب	210	(۸) غیر مشروط تعداد ازدواج
184	اسراف اور فضول خرچی کی مذمت	211	(۹) حرم رکھنا
185	جہیز و حق مہر وغیرہ اخراجات کی کثرت و گرانہاری	212	(۱۰) بچپن کی مگنی
186	اسراف و تبذیر کا باہمی فرق	213	(۱۱) اس مگنی سے متعلق بعض غلط رکیں
190	حق مہر مقرر کرنے میں میانہ روی	214	(۱۲) متحرک فلمیں بنانا
193	دعوت و لیمہ میں سادگی کا تذکرہ	215	(۳) آرائش جمال میں اسراف
194	زیادہ تعلیم کا کھڑاک	217	شادی بیاہ کے موقع پر بعض مستحسن امور کا تذکرہ
195	ذاتی تفوق کے غلط جذبہ کی کارفرمانی	217	(۱) لوشادہ کا لباس فاخرہ پہننا
199	شادی بیاہ دوسری غلط رسوم کا بیان	217	(۲) دلہن کا بنانا ستوارنا
201	(۱) ایضاح	218	(۳) اپنی قوم و قبیلہ کی اور دیگر عورتوں کا دلہن کے پاس جمع ہونا
201	(۲) اونچے طبقہ کی روش و رفتار پر تنقید	218	(۳) حجاب عروسی کو آراستہ کرنا
201	(۳) آلات لہو و لعب کا استعمال		



تعلیم و تربیت میں اسلامی نظام کا	218 (۵) دولہا و دلہن کو مہندی لگانا
اہتمام	218 (۶) دلہن پر شاکر کرنا
ولادت اولاد کے متعلق غلط رسموں کا	219 (۷) ولیمہ کرنا
تذکرہ	219 (۸) مبارک باد دینا
رقص و سرود کی محفلیں جمانا	219 (۹) وضاحت
بزرگوں اور پیریوں کے نام پر لٹیں	
رکھوانا	
اسلام میں پیری مریدی کا تصور نہیں	ان غلط رسموں کا بیان جو ولادت اولاد
ہے	سے متعلق ہیں
ایک خیال کا ابطال	ولادت اولاد کے بعد امور مسنونہ کا
عقیدہ کا خون سر پر ملنا	بیان
نساء کا چالیس دن تک الگ تھلگ	ایضاح
رہنا	ساتویں دن کے مستحبات
لوہے کی کڑی یا کڑا پہنانا	عقیدہ کیا جائے
بیٹوں کی ولادت پر خوشی منانا اور	ختہ
بیٹیوں کی ولادت پر ناک بھوں	ختہ کے موقع پر ضیافت
چڑھانا	مان کو چاہئے کہ بچہ کو اپنا دودھ پلائے
بچے کے سر ہانے تلوار یا چھری رکھنا	بچوں کی نگہداشت
جوڑے اور زیور	بے جالا ڈھوپیار اور خطرناک کھیل سے
چھلہ اور دست بند	اجتناب
پانی چھڑکنے اور چھٹی کی رسم	نفس رسالوں اور تحریروں سے احتراز
ساگرہ منانا	بری صحبت سے اجتناب



254	ایضاح	244	پھیرنا
255	ان غلط رسموں کا بیان جو غم کے اس موقع پر کی جاتی ہے	245	تعلیم کے لیے چار سال چار ماہ اور چار دن مقرر کرنا
255	غلط وصیت کرنا	245	خوشی کے موقع پر دھیانیاں کو حق دینا
257	قبر کو کوہان دار بنانا اور اس پر قبہ تعمیر کرنا	ساتواں باب	
258	میت کو کس قبر کا طواف کرنا	247	ان غلط رسموں کا بیان جو غم یعنی موت سے متعلق ہیں
259	خاندانی قبرستان یا دیگر مقامات مقدسہ کی طرف میت کا نقل کرنا	250	آثار موت کے ظہور سے لیکر دفن و کفن تک بلکہ اس کے بعد بھی کیا کرنا چاہئے
260	ایک عاتقہ البلوے غلطی کا ازالہ	251	وقت اختصار اور اس کے بعد کے احکام
262	فاتحہ خوانی کا مروجہ طریقہ	252	مرنے والے کو چند امور کی تعلیم و تلقین کی جائے
265	قل خوانی، تیجہ، دسواں، چالیسواں، چھ ماہی، برسی	252	مرنے کے بعد غسل میت دیا جائے
267	جزع فزع کرنا	252	کفن دیا جائے
268	ایضاح	253	حنوط کیا جائے
268	میت کے واجبات ادا نہ کرنا	253	نماز جنازہ ادا کی جائے
269	میراث غلط تقسیم کرنا	253	اہل ایمان کی قبروں کی زیارت کی جائے
270	مراسم بیداری کے متعلق بعض رسوم کا تذکرہ	253	
272	بیوہ کا عقدہ ثانی نہ کرنا اور اس سے بدسلوکی کرنا		
	لوحہ فکریہ		



ان غلط رسوم کا بیان جو مختلف موضوعات سے متعلق ہیں 283	کسی عزیز کی موت کو خدا کے قہر و غضب کی علامت سمجھنا 272
22 رجب کے کوٹھے 283	نماش مایم اور مین کرنا 274
نیاز بی بی پاک 285	سوگوار خاندان میں پر تکلف دعوت کا اہتمام کرنا 275
عرس اور میلے 287	چار جمعرات کا اہتمام کرنا 276
قبروں پر بھاری بھرکم نذرانے اور چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں 288	جنازہ خواں غسال اور گورکن کو اجرت دینا 276
ان مواقع پر قوالیاں بھی ہوتی ہیں 289	شب برات اور روز عاشورا کا فاتحہ 277
ان عرسوں پر کنجریاں اور کنجرجع ہوتے ہیں ناچتے اور گاتے ہیں 290	مرنے والے کے سرہانے قرآن رکھنا 277
زنا و بدکاری عام ہوتی ہے 291	کھانے یا پھل فروٹ سامنے رکھ کر اس پر ختم دینا 278
منشیات کا استعمال عام ہوتا ہے 291	غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا 279
تو نگری و صحت مندی کو محبوب خدا اور غربت و بیماری کو دشمن خدا ہونے کی علامت سمجھتے ہوئے امراء کی چالپوسی کرنا اور غرباء کی توہین کرنا 294	دفن میت کے وقت اذان دینا 280
غیر اسلامی طریقہ پر سلام کرنا اور جواب دینا 297	اذان میں یا اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ کا نام سن کر انگوٹھے چومنا 281
گھروں میں جسم دار اور سایہ دار تصویروں کا رکھنا 300	قبرستان میں رقم، گندم یا شریعی تقسیم کرنا 281
رہبانیت اختیار کرنا 301	



- 303 تصوف و عرفان کی بدعت —
- 304 تصوف کا اسلام میں داخلہ —
- 304 صوفیہ کی مذمت کلام معصومین کی روشنی میں —
- 304 صوفیہ کے بعض عقائد باطلہ کا تذکرہ —
- 310 ایک تاویل علیل —
- 310 صوفیہ کے بعض اعمال و افعال حنفیہ کا تذکرہ —
- 312 چند نام نہاد عرفاء اسلام —
- 314 قرضہ لینا —
- 314 قرض کے نقصانات —
- 316 قرضہ سے بچنے کا طریقہ —
- عورتوں کا ناخن بڑھانا اور ناخن پالش لگانا —
- 320 داڑھی منڈوانا اور مونچھیں بڑھانا —
- 321 پیشوایان دین کی خوشی میں خوش اور غم میں غمناک ہونا فطری حق ہے مگر منکرات سے اجتناب لازم ہے —
- 323 طلاق دینے میں بے اعتدالی —
- 325 محض شبہ کی بناء پر قتل کرنا —
- 327 شب برأت کا حلوہ اور چراغاں —
- 328 اجرت پر قرآن پڑھنا —
- 328 مساجد و امام بارگاہوں کے نقش و نگار کرنا —
- 328 بی بی پاک دامنوں لاہور کی زیارت —
- 330 غیر خدا کے نام کی منت ماننا —
- 331 عید نوروز اور اس کے بعض رسوم و قیود —
- 331 خاتمہ کتاب —



باسمہ سبحانہ

# گفتارِ اولین

اگر اقوامِ عالم کی رسوم  
و عادات کا یہ نظریہ  
غائر جائزہ لیا جائے

مختلف قوموں میں رسوم و عادات کے  
راج ہو نیسے چہارگانہ علل و اسباب

اور ان کے وجود میں آنے اور پھر ترقی کرنے کے علل و اسباب کا استقرار  
اور ان کی جستجو کی جائے تو یہ بات واضح و آشکار ہوتی ہے کہ وہ چار...  
اسباب کی پیداوار ہیں۔

(۱) اس ملک کی آب و ہوا کی خاصیت سے پیدا ہوئیں (۲) تہذیب  
و تمدن کے تغیر و تبدل کے ساتھ اتفاقاً کچھ رسمیں رائج ہو گئیں (۳) کسی اور  
قوم کے ساتھ اختلاط اور میل جول کی وجہ سے وجود میں آئیں خصوصاً جبکہ  
وہ دوسری قوم سرمایہ دار یا حاکم و سترار ہو (۴) کسی قوم کی ترقی یا اس کے  
زوال نے ان رسموں کو جنم دیا۔

پھر ان رسموں میں سے بعض  
اخلاقاً بہت ہی معیوب

ان رسموں کا یا بھی اختلاف مراتب

ہیں۔ کچھ اقتصادی طور پر تباہ کن ہیں اور کچھ اسلامی تعلیمات کے خلاف  
ہونے کی وجہ سے غلط ہیں۔

ہمارے ملک میں جو اکثر غلط رسوم اور بُری عادات جاری و ساری ہیں  
وہ زیادہ تر ہندوؤں سے ماخوذ ہیں یا انگریزوں سے متقبس ہیں کیونکہ دراصل







## کسی رسم یا عادت کے غلط یا صحیح ہونے کا معیار کیا ہے؟ | بموجب ۷

ہر قوم یا راست راہے دینے و قبلہ کا ہے  
ہر قوم کے کچھ رسوم و رواج ہوتے ہیں جن میں وہ قومیں مگن رہتی ہیں کیونکہ  
بچپن سے جن باتوں کی آدمی کو عادت پڑ جائے وہ باتیں اسے اچھی معلوم ہوتی  
ہیں اور ان کا چھوڑنا اسے بہت شاق و گراں معلوم ہوتا ہے۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ رسمیں اور عادتیں نہ تو سب کی سب درست ہوتی  
ہیں اور نہ ہی سب غلط بلکہ بالعموم کچھ درست ہوتی ہیں اور کچھ غلط۔ تو قابل  
غور بات یہ ہے کہ کسی رسم کے غلط یا صحیح ہونے کا معیار کیا ہے؟ بظاہر یہ خاصا  
مشکل سوال ہے؟ کچھ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جو رسوم و عادات بتفاضل  
آج ہو یا بالضرورت تہذیب و تمدن یا مذکورہ بالا اسباب کے تحت رائج ہو  
جائیں اور عام لوگوں کو ان کی عادت پڑ جائے وہ اچھی ہیں اور جو اس کے برعکس ہیں  
وہ بُری ہیں!

تو اس نظریہ کا مطلب یہ ہوا کہ ع

بر کفر کہ کہنہ شود مسلمان شود۔؟

اس نظریہ کی رکاکت و کمزوری کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کیونکہ  
اس بنا پر تو لازم آتا ہے کہ کوئی بھی چیز فی نفسہ نہ اچھی ہے نہ بُری، بلکہ اس  
کی اچھائی یا بُرائی کا دار و مدار اس کے رواج و عدم رواج پر ہے! حالانکہ یہ  
بات بلاہتہ باطل ہے۔ اور اشیاء کا ذاتی حُسن و قبح ایک مُستلزم حقیقت ہے۔  
لہذا اگر ایک غلط بات عامۃ الناس میں رائج ہو جائے تو اس سے وہ اچھی  
نہیں بن جاتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا۔



اسی طرح اگر ایک صحیح بات متروک ہو جائے تو اس سے وہ چیز بُری نہیں ہو جاتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ اس پر کوئی عمل نہیں کرتا۔ — کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جو رسم قدیم اور آبائی ہو یعنی بزرگوں سے برابر چلی آتی ہو وہ اچھی ہوتی ہے اور جو نو ایجاد ہو وہ بُری ہوتی ہے! ارباب عقل و خرد جانتے ہیں کہ یہ نظر یہ صرف کور کورانہ تقلید کی پیداوار ہے۔ جس کے لیے کوئی عقلی بنیاد و دیوار نہیں قرآن مجید نے جا بجا بزرگوں کی اس کورانہ تقلید کی شدید مذمت کی ہے کہیں فرماتا ہے: **وَإِن تَأْخُذُوا بِحُبِّ النَّبِيِّ وَرِثَاقِهِمْ أَبَائُكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ** کہ ان لوگوں نے اپنے علماء و رہبان کو خدا کے علاوہ خدا بنا لیا ہے۔

کہیں فرماتا ہے کہ **وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ** جب ان سے کہا جائے کہ اس کی پیروی کرو جو خدا نے (تمہاری ہدایت کے لیے) نازل کیا ہے تو کہتے ہیں: **بَلْ نَتَّبِعُ مَا الْفَرِيقَانِ عَلَيْهِمْ** کہ ہم تو اس کی پیروی کریں گے۔ جس پر اپنے باپ و دادا کو پایا ہے! خالق عقل نے ان بے عقلوں کو کیا عقلا نہ و حکیمانہ جواب دیا ہے۔

**فَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ لَاطِقًا لَّيَسْتَدْفِنُوهُمْ**

ان سے کہو۔ کہ اگر ان کے آباؤ اجداد بے عقل ہوں اور بے ہدایت بھی۔ تو کیا یہ تب بھی ان کی پیروی کریں گے؟

کچھ کوتاہ اندیش لوگوں کا عندیہ یہ ہے کہ جو قوم ترقی یافتہ ہو اس کی ہر رسم عمدہ اور ہر رواج اچھا ہوتا ہے لہذا شاہراہ ترقی پر گامزن ہونے کے لئے اس کی رسوم و عادات کو اپنانا چاہیے۔ مگر ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ کسی قوم کی اچھی رسم کا اپنانا جہاں بے تعصبی، وسعت قلبی اور انائی کی دلیل ہے وہاں بغیر سوچے سمجھے اس کی ہر رسم کو اختیار کرنا حماقت اور بے



عقل کی علامت بھی ہے۔ اور اس غلط روش سے فائدہ کی بجائے الٹا نقصان ہوتا ہے۔ کسی قوم کے ترقی یافتہ ہونے کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ اسکی ہر بات اور ہر چیز صحیح ہے لہذا دانش مندی یہ ہے کہ کسی بات کو اختیار کرنے سے پہلے اس کے انجام و عاقبت پر خوب غور و فکر کر لیا جائے !

چنانچہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا کہ ایک شخص حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ ! مجھے کچھ وصیت فرمائیے ! آنحضرتؐ نے اس سے تین بار اقرار لیا کہ اگر میں تجھے وصیت کروں تو تو اس پر عمل کرے گا۔ ؟

جب اس نے ہر بار اثبات میں جواب دیا۔ تب آپؐ نے فرمایا میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ جب کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرو تو پہلے اس کے انجام پر غور کرو۔ اگر اس کام کا انجام بخیر ہو تو وہ کام کرو۔ ورنہ اس سے باز رہو۔

(وسائل الشیعہ - باب الجہاد)

بنابرین بلا سوچے سمجھے کسی قوم کی رسوم و عادات کی تقلید نہ کرنا محض حماقت ہے اور قطعاً کوئی دانش مندی نہیں۔ بلکہ دانش مندی یہ ہے کہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر دو خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدَّرْ، پر عمل کیا جائے اور اخذ و اقتباس کا یہ عمل اگر معقول صورت سے ہو تو یہ قابل تعریف ہے ورنہ لائق مذمت۔

اور کچھ چڑھتے سوچ کی پرستش کرنے والے ابن الوقت قسم کے لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ جو قوم حاکم اور طاقتور ہو اسکی ہر رسم و رواج کی اتباع درست ہے اور مستحسن۔ مگر ارباب علم و معرفت جانتے ہیں کہ یہ نظریہ اُن لوگوں کا تو ہو سکتا ہے جو حکومت و طاقت کو حق جانتے ہیں مگر جو حق پرست حق



کو طاقت سمجھتے ہیں وہ کبھی ایسا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

(۴) حقیقی معیارِ حق و باطل | مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ حق و باطل اور غلط

و صحیح کے معلوم کرنے کے متذکرہ بالا معیار و میزان درست نہیں ہیں بلکہ اس بات کا صحیح معیار و میزان عقلِ سلیم، فطرتِ سلیمہ اور انسانی ضمیر و وجدان ہے۔ کہ اگر انسان ہر قسم کے تعصب و تعصبِ تحزب سے بلند، اور ہر قسم کے کور کو رائے تقلید سے بالا ہو کر اور ہر قسم کے ذاتی خیالات و میلانات اور معاشرتی و ماحولیاتی خول سے باہر نکل کر کسی رسم و رواج کے حسن و قبح یا اسکی اچھائی و بُرائی پر غور و فکر کرے تو بڑی آسانی کے ساتھ بفضلِ تعالیٰ اسکی اچھائی و بُرائی کا فیصلہ کر سکتا ہے۔

قرآنی اصطلاح میں اسی کو "نفسِ ملہمہ" کہا جاتا ہے چنانچہ ارشادِ قدرت ہے: "وَنَفْسٍ رَّامَا سَوَّاهَا ۖ فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۗ" افسر اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ یہ [نفسِ ملہمہ کی] منزلِ قدسے دشوار ہے اور ہر شخص کو حاصل نہیں ہے کیونکہ عہ آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا۔

تو ہم لکے جواب میں کہیں گے کہ یہ بات بالکل درست ہے کہ یہ فرشتوں سے بہتر ہے انسان ہونا؛ مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ لہذا اس کو ہر گز انما یہ کے

حصول کا سہل و آسان طریقہ یہ ہے کہ ہر رسم اور ہر رواج بلکہ ہر بات کو اللہ کے قرآن اور سرکارِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے فرمان پر پیش کیا جائے جو اس کے مطابق ہو اسے حق سمجھ کر قبول کر لیا جائے۔ اور جو اس کے



مخالف ہو اسے باطل سمجھ کر ترک کر دیا جائے، کیونکہ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی ایسا انفرادی و اجتماعی تہذیبی و تمدنی سیاسی معاشی اور دینی و دنیوی شعبہ نہیں جس کے متعلق خدائے رحمن نے اپنے آخری پیغام قرآن میں جامع و مکمل ہدایات نہ دی ہوں اور سرکار محمد آل محمد علیہم السلام نے اس کی قوی و فعلی تفسیر و توضیح میں اپنے قول و کردار کی عملی مشعلیں فروزان کی ہوں جو کہ عقل سلیم اور فطرتِ صحیحہ کے صحیح عکاس اور ترجمان ہیں۔

(۵) خدائے ہر چیز کے حدود مقرر کیے ہیں اور ان حدود کے توڑنے پر وعید فرمائی ہے

خدائے حکیم نے انسانی زندگی کو با مقصد بنانے کے لیے کچھ حدود و حدود مقرر فرمائے ہیں چنانچہ فرماتا ہے: "تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ" یہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود و حدود ہیں۔ پھر ان حدود و حدود کو توڑنے والوں کو جاہل جہنم کی وعید و تہدید فرمائی ہے: "وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ" (سورۃ بقرہ) جو لوگ خدائی حدود کو پھلانگتے ہیں وہ ظالم ہیں۔

ایک اور جگہ فرماتا ہے۔

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ لَا يَدْخُلْهُ نَارًا

[سورۃ النساء]

جو شخص خدا و رسول کی نافرمانی کریگا۔ اور خدائی حدود سے تجاوز کریگا خدا کے دوزخ میں داخل کرے گا۔

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ حضرت رسول خدا صلی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خداوند عالم نے ہر چیز کے لیے ایک حد مقرر کی ہے



اور جو شخص اس حد سے تجاوز کرے گا اسکی لیے بھی حد مقرر کر دی ہے۔

(الفصول المسہمہ - شیخ حر عاملیؒ)

ان حدود و قیود کے اندر رہ کر کامیاب زندگی گزارنے اور دنیا و آخرت

خدا و مصطفیٰؐ اور ائمہ ہدیٰ کی اطاعت  
مطلقة کا وجوب

میں صلاح پانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ خدا کی اطاعت کی جائے اور خدا کی اطاعت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کی جائے۔ چنانچہ ارشادِ قدرت ہے۔

إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ  
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ

اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو مجھ کو پیروی کرو۔ خدا تمہیں اپنا۔۔۔ محبوب بنالے گا۔ اور تمہارے گناہ بھی معاف کر دیگا۔

مصطفیٰؐ برسوں خویش را کہ دیں ہمراہ است؛ اگر باور سیدی تمام بولہبی است۔ اور اگر مصطفیٰؐ کا اتباع کرنا ہے تو اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ ائمہ ہدیٰ کے نقشِ پار کو خضر راہ بنایا جائے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں کہیں صرف خدا کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے  
أَطِيعُوا اللَّهَ (اللہ کی اطاعت کرو) اور کہیں خدا کے ساتھ رسول کی اطاعت  
کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (پارہ ۱ سورۃ النعام)  
[اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی]

اور کسی جگہ تین اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے۔



أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِيَ الْأَمْرِ مِنْكُمْ

(پارہ ۵ سورہ نسا ع ۵)

(اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور صاحبان امر کی)  
ظاہر ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت مطلقہ واجب ہے یعنی ہر شخص پر، ہر زمان میں، ہر مکان میں، ہر امر میں، ہر  
نہی میں اور ہر حال میں واجب ہے بالکل اسی طرح اُولی الامر  
کی اطاعت بھی ہر شخص پر، ہر زمان میں، ہر مکان میں، ہر امر میں، ہر نہی میں،  
اور ہر حال میں واجب ہے۔

یہی وجہ ہے کہ علاوہ دوسرے دلائل و براہین کے اُولی الامر کی اسی  
اطاعت مطلقہ کا واجب ہونا اس کے معصوم عن الخطأ ہونے کی ناقابل رد  
دلیل ہے۔

اسی طرح متعدد احادیث میں وارد ہے۔  
”كُلُّ شَيْءٍ مَرْدُودٌ إِلَى السُّنَّةِ“

یعنی ہر چیز کو سنت نبویہ کی طرف لوٹایا جائے گا۔

”وَمَنْ خَالَفَ سُنَّةَ رَسُولِ اللَّهِ فَقَدْ كَفَرَ“  
اور جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی مخالفت کرے گا  
وہ کافر ہو جائے گا۔ (ارشاد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اہل کوفہ)  
اور حدیث سفینہ [مثل اہل بیتی کمثل سفینۃ نوح من رکبھا نجا  
و من تخلف عنھا ضل و غرق و ہوی]

اور حدیث ثقلین [افی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ و عترتی  
اہل بیتی الحدیث] وغیرہ



بلیسیوں احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نجات داریں کا دار و مدار اور فلاح کوہن کا انحصار قرآن اور اہل بیت رسولؑ کے فرمان کی تعمیل میں مضمون نہاں ہے۔

بدعت ذاتی رائے و قیاس کی حرمت کا بیان یہی وجہ ہے کہ مذہب شیعہ خیر البریہ میں

ہر قسم کی بدعت، ہر قسم کی ذاتی رائے اور ہر قسم کے قیاس و خیال پر عمل کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن و حدیث بدعت وغیرہ کی مذمت سے بھر پور ہیں۔ ارشادِ قدرت ہے۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۚ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ

وَكَانُوا شِيعًا ۚ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۚ (اور تم میں مشرکوں سے

نہ ہو جاؤ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور فرقہ فرقہ ہو گئے۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس پر خوش ہے) (سورۃ ۲۹: ۲۵)

کتاب فریقین میں اس آیت مبارکہ کی ایک تفسیر بدعت کے ساتھ بھی کی گئی

ہے کہ ان لوگوں سے مراد بدعتی لوگ ہیں (تفاسیر فریقین)

اسی طرح ارشادِ خداوندی ہے۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۚ الَّذِينَ

ضَلَّ سَبِيلُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ

يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۚ [پ سورۃ کہف دکیع ۳]

اس آیت مبارکہ کی بھی ایک تفسیر بدعت کے ساتھ کی گئی ہے کہ جن کے

اعمال و عبادات رائیگاں جا رہے ہیں ان سے مراد بدعتی لوگ ہیں (ایضاً)

اس سلسلہ میں احادیث تو بہت ہیں ذیل میں بطور نمونہ مشتے از خردارے

دو چار احادیث شریفہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔



(۱) حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں  
 كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ  
 ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے  
 [اصول کافی]

(۲) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ایک بار جناب رسول  
 خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برسر منبر فرمایا۔

يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ اِنَّ اَفْضَلَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ وَخَيْرُ  
 الْحَدِيثِ كِتَابُ اللَّهِ وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحَدَّثَاتُهَا الْأَوَّلُ  
 بدعت ضلالتہ وکل ضلالتہ ففی النار۔

یعنی افضل ترین ہدایت حضرت محمد کی ہدایت ہے اور بہترین حدیث کتاب  
 خدا ہے۔ بدترین امور وہ ہیں جو نوا ایجاد ہوں۔ خبردار! ہر بدعت گمراہی ہے خبردار  
 ہر گمراہی جہنم میں ہے۔ (بخاری الاور جلد ۱)

(۳) کتاب الاستغاثہ میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے فرمایا

كُلُّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٍ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ  
 ہر نوا ایجاد چیز بدعت ہے، ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے  
 (۴) کتاب لب اللباب راوندی میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے مروی ہے فرمایا

عَنْ تَبَسُّمٍ فِي وَجْهِ مُهْتَدِعٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلَى هَدْمِ الْاِسْلَامِ  
 ”جو شخص کسی بدعتی آدمی کے رو برو مسکرائے تو اس نے اسلام کی خرابی میں  
 ہمدستی کی ہے“

(۵) نیز اسی کتاب میں آنحضرت سے مروی ہے فرمایا۔



من احدث في الاسلام اواذى محدثاً فعليه لعنة الله  
والسلسلة والناس اجمعين -

جو شخص دین میں کوئی بدعت ایجاد کرے یا کسی بدعتی کو پناہ دے اس پر خدا،  
اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

(۶) بعض روایات میں وارد ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ  
وآلہ وسلم نے فرمایا

رَدِّ مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ  
جو شخص ہمارے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے جو دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے  
(بحار الانوار)

بدعت کسے کہتے ہیں؟ | حضرت امیر المومنین علیہ السلام...  
فرماتے ہیں۔

البدعة ما احدث من بعد

تبدعت ہر وہ چیز ہے [عقیدہ، نو یا عبادت] جو آنحضرت صلی اللہ  
علیہ وسلم کے بعد ایجاد کی گئی۔ (بحار الانوار جلد ۱)  
حضرت ملا صالح مازندرانی شرح اصول کافی کے باب البدع کی ایک  
حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔

”بدعت ہر وہ چیز ہے جو قرآن و سنت اور طریقہ رسول کے..

خلاف ہو“

اور حضرت علامہ مجلسی اسی سلسلہ میں رقمطراز ہیں

”ہر وہ رائے، ہر وہ دین، ہر وہ حکم، ہر وہ عبادت جو خصوصی

یا عمومی طور پر شارع علیہ السلام سے وارد نہ ہو وہ بدعت ہے“

(بحار الانوار ج ۱)



حضرت رسول خداؐ اور حضرت علی المرتضیٰؑ کے ان ارشادات اور ان علماء  
اعلام کے کلام سے جہاں بدعت کی مذمت واضح ہوتی ہے وہاں بدعت کی مہیت  
وحقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے، کہ ہر عقیدہ، ہر نظریہ، ہر طریقہ، ہر عبادت،  
ہر عبادت، ہر معاملہ اور ہر رسم اور ہر رواج جو اللہ کے قرآن اور چاروں معصومینؑ کے فرمان  
خلاف مجرورہ غلط ہے اور باطل ہے لہذا عبادت اور دینی معاملات میں سے جتنک کسی عبادت اور دینی  
معاملہ کی صحت اور جواز پر کوئی مسلموی یا خصوصی نص موجود نہیں ہوگی تب تک اسکی ایجاد کو بدعت  
ہی کہا جائے گا۔ جو کہ حرام ہے۔

## بدعت کے مختلف اقسام کا بطلان

ان حقائق کی روشنی میں حقیقت  
روز روشن کی طرح واضح

اور عیاں ہو جاتی ہے کہ بعض لوگ جو بدعت کے مختلف اقسام بیان کرتے ہیں  
۱۔ بدعت حسنہ (۲) بدعت سیئہ — یا بالفاظ دیگر دوسرے فقہی احکام  
خمیرہ کی طرح بدعت کی پانچ قسمیں بیان کی جاتی ہیں۔

(۱) واجب (۲) حرام (۳) مستحب (۴) مکروہ (۵) اور مبہاج۔

سابقہ حقائق سے معلوم ہو گیا کہ ہر وہ چیز جس پر بدعت کا اطلاق ہوتا ہے  
اس کی صرف اور صرف ایک ہی قسم ہے اور وہ ہے حرام — کیونکہ حدیث  
شریف میں بدعت کی قسمیں بیان نہیں کی گئیں ہیں کہ یہ بدعت حسنہ ہے  
اور یہ بدعت سیئہ ہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر بدعت  
کو ضلالت فرما کر اُسے پائے استحقار سے ٹھکرا دیا ہے اور اسے جہنم کا ایندھن  
قرار دیا ہے — انہی حقائق کی بنا پر بعض محقق علماء نے بدعت

کی تعریف بایں الفاظ کی ہے

ادخال ما لیس من الدین فی الدین



یعنی ”ہر وہ چیز جو دین میں داخل نہ ہو۔ اُسے دین میں داخل کرنا“  
 اور جن بعض علماء نے اس مذکورہ بالا تعریف کے ساتھ یہ پیوند لگایا ہے  
 کہ بقصد انہ من الدین یعنی جو چیز دین میں داخل نہ ہو اسے بقصد دین  
 (جزء دین سمجھ کر) دین میں داخل کرنا۔

ہمارا خیال ہے یہ اضافی قید دراصل بدعت کو مشرف باسلام کرنے کی  
 ناکام کوشش ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص نماز صبح دو رکعت کی  
 بجائے تین رکعت پڑھے یا ہر ایک رکعت میں دو دو رکوع بجالائے تو یہ  
 بہر حال بدعت ہوگی اور عبادت کے بطلان کا باعث ہوگی۔ جزء عبادت سمجھ  
 کر بجالائے یا اس کے بغیر بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ”ادخال مالیس من الدین فی  
 الدین بائی قصد کان“ کا نام بدعت ہے اور وہ بہر حال حرام ہے خواہ وہ  
 کوئی ورد ہو یا وظیفہ، کوئی عمل ہو یا کوئی عبادت۔

فکل مال یخرج من هذا البیت فهو زخرف

ہر وہ چیز جو اہل بیت رسالت کے گھر سے نہیں نکلی وہ باطل ہے“  
 انسان ضعیف البنیان اپنی عقل خام سے کوئی شرعی کام، کوئی طریقہ اور  
 کوئی حلال و حرام اختراع نہیں کر سکتا اور نہ ہی وہ اس کا مجاز ہے اور اگر  
 وہ ایسا کرے گا تو خود بھی گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا و ذالک  
 ہوا الخسران المبین۔

مندرجہ بالا تحقیقی انیق سے معلوم ہو گیا کہ جس چیز  
 کے اصل جواز پر کوئی شرعی دلیل موجود ہے مگر اس

کا وہ طریقہ کار اپنانا جس کی عہد رسالت میں ضرورت نہ تھی لیکن اب ہے  
 وہ بدعت میں داخل نہیں ہے جیسے مدارس دینیہ کا اجراء تبلیغی انجمنوں کا



قیام، دینی رفاہی اداروں کا اہتمام یا قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے علومِ آلیمہ از قسم صرف نسخ و غیرہ کی تدریس یا اخبار کے ایراء و امت کی رد کے لئے منطق و فلسفہ کی تعلیم، یا جہاد کے لیے جدید اسلحہ بنانا اور اس کے استعمال کرنے کا طریقہ سیکھنا سکھانا، لادو سپیکر کا استعمال یا دینی مجالس و محافل کا انعقاد وغیرہ وغیرہ۔

یہ سب چیزیں جائز اور مباح ہیں مگر نہ اس لیے کہ وہ بدعتِ حسنہ ہیں بلکہ اس لیے کہ یہ بدعت ہیں ہی نہیں کیونکہ ان کا بھل کی اصل یعنی پڑھنے پڑھانے، دین حق کی نشر و اشاعت کرنے، اعلیٰ کلمہ حق کی خاطر جہاد کرنے اور مفادِ عامہ کی خاطر رفاہی کام کرنے کے جواز بلکہ استحباب بلکہ وجوب پر شرعی عمومی دلائل موجود ہیں ہاں ان کی موجودہ صورت عہدِ رسالت میں موجود نہ تھی کیونکہ اس وقت اس کی اس طرح ضرورت نہ تھی مگر اب جبکہ عصرِ جدید کے جدید تقاضوں کے پیش نظر ان تدبیروں اور ان صورتوں کا اختیار کرنا ناگزیر ہے تو اگرچہ یہ چیزیں فی حدِّ ذاتہ عبادت نہیں البتہ عبادت کا ذریعہ اور مقدمہ ضرور ہیں اس لیے ان کو عبادت کہا جاسکتا ہے۔ بقول بعض اعلام یہ چیزیں ”احداث فی الدین“ کے زمرہ میں نہیں آتیں بلکہ یہ ”احداث للدين“ میں داخل ہیں ظاہر ہے کہ شرع انور میں ”احداث فی الدین“ کی ممانعت ہے نہ کہ ”احداث للدين“ کی۔ بنا بریں کسی منصوص جائز کام کی تکمیل کے لیے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق کوئی نئی صورت اختیار کرنا ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے۔

بنا بریں گو ہر نئی چیز کو لغوی معنی کے اعتبار سے بدعت کہا جاسکتا ہے مگر شرعی اصطلاح میں بدعت کا مفہوم یہ ہوگا کہ دین میں ایسی چیز پیدا کرنا جس کی اصل دین میں نہ پائی جئے اور جس کا داعیہ موجود ہونے کے باوجود...



آنحضرتؐ اور آپ کے جانشینانِ برحق نے وہ کام نہیں کیا جیسے عرس وغیرہ۔  
تدبر و تشکر۔

اسی طرح دینی امور اور دینی معاملات میں ذاتی رائے و قیاس پر عمل کرنے کی مذمت سے قرآن اور دوسری حدیث پھلک رہے ہیں۔ اور اس کی حرمت کا قائل ہوتا ہمیشہ سے مذہبِ شیعہ خیر البریہ کا طرہ امتیاز رہا ہے۔

(۱) چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

”ان اول من قاس ابلیس لعنہ“

سب سے پہلے جس نے قیاس کیا اور اس پر عمل کیا وہ ابلیس لعنتی ہے  
لہذا جو شخص بھی دین میں قیاس کر لے گا وہ بردِ قیامت ابلیس لعنہ  
کے ساتھ محشور ہوگا۔ [اصول کافی]

نیز انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا

”من عمل بالقیاس لہ یزل دھرہ فی ارتہاس“

جو شخص قیاس پر عمل کرے گا وہ ہمیشہ شک و شبہ کی داوی میں چکر لگاتا رہے گا  
(ایضاً)

نیز انہی جناب سے مروی ہے کہ آپ نے عبدالرحمن بن حجاج سے فرمایا کہ میں تمہیں  
دو خصلتوں سے روکتا ہوں کہ ان کی وجہ سے بہت سے لوگ ہلاک ہو چکے ہیں۔  
(۱) ”آیاک ان تفتی الناس بآیک“، ایک تو اپنی رائے و قیاس سے لوگوں  
کو فتویٰ نہ دینا۔

(۲) ”اودین بمالم تعلم“ دوسرے جس چیز کا علم و یقین نہ ہو اسے دین سمجھ

کر اس پر عمل نہ کرنا (ایضاً)

(۳) نیز آنجناب علیہ السلام سے ہی مروی ہے فرمایا سب



کمتر چیز جس کی وجہ سے آدمی مشرک بن جاتا ہے یہ ہے کہ  
 «ابتدع رأیا فاحب علیہ و ابغض»

آدمی کوئی نظریہ خود گھڑے اور پھر اسی کو اپنی محبت و نفرت کا معیار قرار دے  
 یعنی جو اس پر عمل کرے وہ اس کی محبت پیار کرے اور جو اس سے قبول نہ کرے  
 تو یہ اس کی نفرت کرنے۔ (ایضاً)

محدث جزائری مرحوم نے اپنی کتاب النوار النعمانیہ میں مشرک کی تین قسمیں بیان  
 کی ہیں۔ ۱، مشرک حبلی [جیسے بتوں کی پرستش وغیرہ (۲)، مشرک خفی [جیسے  
 ریاکاری وغیرہ] (۳) مشرک اخفی [یعنی کسی شرعی امر میں اپنی ذاتی رائے  
 و قیاس سے کسی قسم کا کوئی تغیر و تبدل کرنا۔ (النوار)

ان حقائق سے واضح و آشکارا ہو گیا کہ خود ساختہ دمن گھڑت طریقہ  
 سے عبادت کرنا بھی خدا کو پسند نہیں ہے۔ چنانچہ امام بحق ناطق جناب  
 امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب شیطان نے انکارِ سجدہ سے  
 رائدہ بارگاہِ خدا ہوا تو اس نے خدا کے دربار میں ایک درخواست دی کہ بارالہا!  
 مجھے آدم کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی معافی دیدے اس کے عوض میں تیری  
 اتنی عبادت کروں گا جتنی کسی نے نہ کی ہوگی۔ ارشادِ قدرت ہوا

«ارید ان اعبدکم اذ شاءوا لا کما تشاءون»

میں چاہتا ہوں کہ میری عبادت اس طرح کی جائے جس طرح میں چاہوں  
 نہ اس طرح جس طرح تو چاہے۔ (تفسیر صافی و بحار جلد ۱ وغیرہ)

ارباب عقل و خرد ذرا غور فرمائیں کہ جب معبود برحق کو اختراعی عبادت  
 قبول نہیں ہے تو وہ کفار و مشرکین اور چند جاہلوں، گمراہوں، فاسقوں اور  
 فاجروں کی اختراع کردہ رسموں و رواجوں کو کس طرح پسند کرے گا؟



حاشا وکلاً۔ ایسا تصور کرنا بھی گناہ کے زمرہ میں آتا ہے۔ ارشادِ قدرت ہے۔ وَلَا تَقُولُوا بِمَا تَصِفُ السَّبِّتُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَلٌ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ (پارہ ۱۴ سورہ نحل رکوع ۲۱) ہر بار کسی چیز کو اپنی ذاتی پسند و ناپسند کی بناء پر حلال و حرام نہ ٹھہرانا ورنہ خدا پر افتراء پردازی کرنے والے قرار پاؤ گے۔

بھلا! جب دین اسلام ایک جامع اور کامل بلکہ اکمل دین ہے جس کے کامل ہونے کی گواہی خود خدا نے ان الفاظ کے ساتھ دی ہے الْيَوْمَ ... أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ الْآیۃ تو اس میں کسی قسم کی کمی یا زیادتی کرنے کی کس طرح گنجائش ہو سکتی ہے اور ایسے کامل دین کی موجودگی میں از خود کسی رسم و رواج کو اختراع کرنے کا کس طرح جواز نکل سکتا ہے؟

یہاں تو صرف حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ سند ہے [لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ خَالِدٌ خَالِدًا فِي رِسَالَتِهِ] ائمہ طہرین کا عمل و کردار محبت ہے (مثل اہل بیت کی مثل سفینۃ نوح من را کبھا نجاتی الخ)

یہ ہے کہ جس طرح دین اسلام کی صلاح و فلاح کی ... بنیادیں دو ہیں۔

## خلاصہ کلام

(۱) اخلاص (جس کے عقیدہ و عمل خالص ہوتے ہیں) (۲) اتباع رسول

(۱) رسول (جس سے عقیدہ و عمل کی اصلاح ہوتی ہیں)

اسی طرح فسادِ دین اور بربادی مذہب کا سبب بھی دو چیزیں ہیں (۱) شرک

(۲) اور بدعت۔ جن سے دین اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہوتی ہیں اور دین و ایمان تباہ

و برباد ہوتے ہیں۔



## بدعت اور ذاتی رائے و قیاس پر عمل کرنے کی خرابیاں اور تباہ کاریاں اگرچہ

معاملات میں ذاتی رائے و قیاس اور بدعت پر عمل کرنے میں اس قدر دینی و دنیوی خرابیاں ہیں کہ جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔ مگر بطور نمونہ نمشتے از خروارے ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ اسکی چند تباہ کاریوں کی نشاندہی کی جاتی ہے لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَ يُحْيِيَ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ ۚ

(۱) یہ خدا کے دین بگاڑنے کے

ہر حکومت کے کچھ قوانین و آئین ہوتے

ہیں جن کی پابندی رعایا پر لازم ہوتی

ہے اور کوئی حکومت ان کی خلاف ورزی برداشت نہیں کرتی۔ مثلاً اگر کوئی پاکستانی پاکستان کے اندر رہ کر کسی اور ملک کی کرنسی چلانا چاہے تو یہ قانونی جرم ہوگا یا کوئی پاکستانی سپاہی کسی اور ملک کی وردی پہن کر ڈیوٹی پر حاضر ہو تو یہ قابل تعزیر جرم تصور ہوگا۔ تو بلاشبہ خدا کے ملک اور اس کے دین اسلام میں رہ کر اس کے متعین کردہ اور رسول کے بیان کردہ طریقہ عبادت و اطاعت میں ذاتی رائے و قیاس اور ذاتی پسند و ناپسند سے کسی قسم کا تغیر و تبدل کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے ۱۹ اور جو کام سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے اُسوۂ حسنہ اور ان کی سیرت طیبہ سے ہٹ کر کیا جائے وہ کیونکر اور کس طرح قابل قبول ہو سکتا ہے؟ یہ خدا کے دین سے کھلم کھلا بغاوت کے مترادف ہے

(۲) اس لازم آتا ہے کہ دین مکمل نہیں ہے

بدعتی حضرات کے لیے

دو ہی راستے ہیں یا تو دین

اسلام کو کامل و مکمل دین کہنا چھوڑ دیں (اور اس طرح قرآن کو جھٹلا کر اسلام سے نکل جائیں) اور اگر دین اسلام کو واقعی کامل و مکمل دین جانتے و مانگتے ہیں۔



(جس کی شہادت قرآن کریم ان الفاظ میں دیتا ہے کہ اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ  
وَاَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا) تو پھر بدعت اور  
ذاتی رائے و قیاس پر عمل کرنا چھوڑ دیں کیونکہ عبادات و اعمال کے نئے طریقے  
ایجاد کرنے سے تو لازم آتا ہے کہ دین اسلام مکمل نہیں ہے بلکہ اسکی تکمیل آج  
ہو رہی ہے۔

(۲) اسکی لازم آتا ہے کہ رسولؐ نے خیانت کی ہے (معاذ اللہ) اور رائے

و قیاس پر عمل کرنے سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ اگر دین اسلام مکمل ہے تو پھر حضرت  
رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پہنچانے میں خیانت کی ہے (معاذ اللہ) کہ  
انہوں نے خدا کا بنایا ہوا دین بے کم و کاست لوگوں تک پہنچایا نہیں ہے بلکہ تبلیغ  
رسالت میں کوتاہی کی ہے اسلئے لوگوں کو دین میں بدعات ایجاد کرنے کی ضرورت  
پیش آئی ہے۔

اسی بنا پر بعض بزرگوں کا یہ کہنا ہے کہ جو شخص بدعت ایجاد کرتا ہے تو وہ  
گویا جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر خیانت کا الزام عائد کرتا ہے کہ انہوں نے  
پوری شریعت نہیں پہنچائی — — — لیکن اگر رسول تبلیغ رسالت ہی خیانت  
نہیں کر سکتے (اور یقیناً نہیں کر سکتے) تو پھر بدعت اور ذاتی رائے و قیاس کا کیا  
جواز ہے؟

(۳) اسکی تحریف دین کا راستہ کھلتا ہے اگر اپنی طرف سے عبادات یا اسکی  
حدود و قیود اور شرائط و ضوابط

اختراع کرنے کو جائز قرار دیدیا جائے تو اس سے دین اسلام میں تحریف کا راستہ  
کھل جائے گا اور اس طرح شریعت مقدسہ کا مقدس حلیہ بگڑ جائیگا۔ گزشتہ



امتوں میں تحریف دین کا سب سے بڑا سبب یہی تھا کہ انہوں نے خدائی کتابوں اور نہیوں کے بتائے ہوئے طریقوں میں تغیر و تبدل کر کے عبادات کے نئے نئے طریقے ایجاد کر لئے۔ اور رفتہ رفتہ نوبت بایں جا رسید کہ اصل اور نقل (نوا ایجاد) میں امتیاز ختم ہو گیا۔

حالانکہ دین میں کسی قسم کی ترمیم و تنسیخ کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے لا تبدیل لحسنہ اللہ — ولا تجدد لسنة اللہ تبدیلا

چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں  
لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هَوَاكَ تَبَعًا لِمَا جُئْتُ بِهِ  
کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں بن سکتا جب تک اس کی خواہش اس شریعت کے تابع نہ ہو جو میں لے کر آیا ہوں۔ (مشکوٰۃ کتاب الایمان)  
اور جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

لَا قَوْلَ الْإِبْهَلِ وَلَا عَمَلِ الْإِبْتِيسَةِ وَلَا نِيَّةَ الْإِبَاصَةِ السَّنَةِ  
کوئی قول نہیں مگر عمل کے ساتھ! اور کوئی عمل نہیں مگر نیت کے ساتھ اور کوئی عمل اور کوئی نیت نہیں مگر تب کہ جب سنت نبویہ کے مطابق ہو (بخاری جلد ۱، وسائل جلد ۱)

مگر بایں ہمہ روزمرہ کا مشاہدہ یہ ہے کہ اکثر  
عوام کی حالت زار نام نہاد مسلمان و اہل ایمان اپنی اختراعی اور غیر

شرعی رسوم و عادات کی قیود میں اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ وہ اس طرح واجبات و فرائض کو بھی باقاعدگی سے ادا نہیں کرتے جس دھوم دھام سے ان رسوم کو ادا کرتے ہیں۔ اور اگر کبھی کوئی رسم ترک ہو جائے تو اس طرح کسی واجب کے قضا ہو جانے کا افسوس نہیں کرتے جس طرح اس رسم کے رہ جانے



کا غم مناتے ہیں خدا و رسول کی ناراضی مول لے لیتے ہیں مگر رسم و رواج کے ترک کرنے سے معاشرہ میں انکی جو ہیٹی ہوتی ہے اسے گوارا نہیں کرتے محض اس غلط جذبہ کے تحت کہ برادری میں ساکھ نہ جائے اور ناک نہ کٹ جائے۔ ان گنت مصیبتیں جھیلنے ہیں پھر بھی غنیمت ہے کہ بعض اسے گناہ سمجھ کر بجالاتے ہیں گو کہ وہ اپنے آپ کو مجبور و معذور ظاہر کرنے کے لئے تار عنکبوت سے بھگا زیادہ بودی اور کمزور تاویل پس پیش کیا کرتے ہیں۔ لیکن اکثر لوگ تو اس سیلاب میں کچھ اس طرح بہہ گئے ہیں کہ وہ گناہ کو گناہ بھی نہیں جانتے بلکہ اسے نہ صرف مباح بلکہ بعض اوقات اسے اطاعت و عبادت کا درجہ دیدیتے ہیں (العیاذ باللہ) سچ ہے ۵

لہذا جو ناخوب بتدیج وہی خوب ہوا : کہ بدل ہی جاتے ہیں غلامی میں تو مول صنیع اور بعض عوام کا لانا تو اس سلسلہ میں اس قدر آگے نکل گئے ہیں کہ جو شخص ان بدعات و رسومات کی ادائیگی و بجا آوری میں ان کا ساتھ نہ دے یا ان کو روکے ٹوکے اٹا اس پر فتوے لگاتے ہیں اور اسے خارج از ایمان بلکہ خارج از اسلام ٹھہراتے ہیں گو یا خداوند عالم ایسے ہی لوگوں کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتا :  
وَإِذَا فَعَلُوا أَفْأَحْشَةً قَالُوا إِنَّا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ  
أَمَرْنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ اتَّقُوا اللَّهَ عَلَى

اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ (۱۰ سورہ الاعراف ۱۰)

(اور جب کوئی بے حیائی کا کام کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اس

طریقہ پر پایا تھا۔ اور خدا نے ہمیں یہی حکم دیا ہے۔ کہہ دو، خدا بے حیائی کا ہر

گز حکم نہیں دیتا۔ آیات خدا کے خلاف وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہے۔)

اور جہاں تک نام نہاد خواص (پیر صاحبان،

خواص کی کیفیت زار مولوی صاحبان اور مزار صاحبان) کی اکثریت



کا تعلق ہے تو اگر بہ نظر غائر حالات و واقعات کا جائزہ لیا جائے تو ان کی ...  
 کیفیت زار عوام کی حالت زار سے بھی بدتر نظر آتی ہے یہ لوگ اپنے اپنے  
 ذاتی مفادات کی آہنی زنجیروں میں کچھ اس طرح جکڑے ہوئے ہیں کہ وہ کبھی بھی  
 رائے عامہ کی مخالفت کر کے اور عوام کو ناراض کر کے اپنے مفادات کو قربان کرنے  
 کے لیے تیار نہیں ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس وہ اپنے مفادات کے تحفظ، جھوٹ و قبا  
 کی بقاء اور عامۃ الناس میں سستی شہرت و مقبولیت حاصل کرنے کی خاطر عوام  
 کی ہاں میں ہاں ملانے اور قرآن و حدیث کو توڑ موڑ کر عوامی جذبات و خیالات  
 اور ان کی مروجہ رسوم و عادات کی تائید مزید کرنے میں اپنی ہر دلی عزیزی اور  
 کامیابی کا راز مضمحل جانتے ہیں بقول اقبالؒ

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں : ہوئے کسی رجب فقہانِ حرم توفیق ؟  
 ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ خواص [ بالخصوص دارِ ثمان منبر و محراب ] اپنی شرعی  
 ذمہ داریوں کو سمجھتے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آواز حق بلند  
 کرتے اور قرآنی حقائق اور شرعی دقائق کو بغیر خوفِ لومۃ لائم بر ملا بیان کرتے  
 تو یہ حالات رونما نہ ہوتے بلکہ ہمارا اسلامی معاشرہ جنت الفردوس کا نمونہ  
 پیش کرتا۔ اور اعتقادی و عملی کج روی کا نام و نشان مٹ جاتا مگر افسوس !

ولے ناکامی متابع کارواں جاتا رہا : کارواں کے دل سے حسد بیاں جاتا رہا  
**علم کا حق کی ذمہ داری اور اس عہدہ برآری** حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں

کو جس قدر نقصان دہ زیاں علماء و سودا اور علماء و دنیا یعنی درباری و سرکاری بالفاظ  
 دیگر پیٹ کے چکاری ملاؤں نے پہنچایا ہے اتنا کسی دشمن نے بھی نہیں پہنچایا



انہی لوگوں کی تنگ نگہی، کم ظرفی، فتنہ سامانی اور دین و ستوی فروشی کو دیکھ کر اقبالؒ نے کہا تھا ہے

مجھ کو تو ہے سکھادی افرنگ نے زندیقی پر اس دور کے ملا ہیں کیوں تنگ سلمانی  
بہر نوع ہوائے زمانہ جس قدر تند و تیز ہوا اور فضا جس قدر مکرر اور دبیر  
علمائے حق کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہ سکتے اور نہ ہی وہ اپنے شرعی وظیف  
و فرائض اور مذہبی و منصبی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں غفلت و لاپرواہی برت  
سکتے ہیں! وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کا کام یہ نہیں ہے کہ  
در اگر زمانہ باتو نسا زد تو بہ زمانہ بساز

بلکہ ان کا کام یہ ہے کہ در اگر زمانہ باتو نسا زد تو بہ زمانہ ستیز تاکہ  
یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک  
وہ جانتے ہیں کہ کتمان حق وہ گناہ کبیرہ ہے کہ جس کی ترغیب پر خدائے  
تبار نے قرآن میں لعنت کی ہے چنانچہ فرماتا ہے

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَ  
الْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاكَ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ  
يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ - (پارہ سورہ بقرہ رکوع ۱۱)  
[جو لوگ اس کو چھپاتے ہیں جو کھلی دلیلیں اور ہدایت ہم نازل کر چکے بعد اس  
کہ ہم نے کل آدمیوں کے لیے کتاب میں اس کو کھول کر بیان کر دیا ہے یقیناً  
ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں] (ترجمہ مقبول)

ایک اور جگہ ان الفاظ کے ساتھ وعید و تہدید فرمائی ہے

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَدُونَ بِهِ



ثُمَّ أَقْلِيلًا ۖ وَلِكُلِّ مَا يَأْكُلُونَ فِي بَطُونِهِمْ

إِلَّا النَّارَ ۖ وَلَا يَكْلَهُمَ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ وَلَا

يُذَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (پارہ سورہ بقرہ رکوع ۵)

[ وہ لوگ جو اس کو چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے کتاب میں نازل کیا ہے اور اس کو

تھوڑی قیمت پر بیچتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں اور خدا

ان سے قیامت کے دن نہ بات کرے گا نہ ان کو پاکیزہ فرمائے گا اور ان کے

لیے دردناک عذاب ہے۔ ]

اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حق چھپانے اور

اس پر پردہ ڈالنے اور باطل پرست لوگوں کی ہاں میں ہاں ملانے والے نام

نہاد علماء پر لعنت کی ہے چنانچہ آپ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

اِذَا ظَهَرَتِ الْبِدْعُ فَخُ امْتَنِي فَعَلَى الْعَالَمِ اَنْ يَظْهَرَ عَلَيْهِ

وَمَنْ لَّمْ يَفْعَلْ فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ (اصول کافی)

جب میری امت میں بدعات و منکرات ظاہر ہو جائیں تو عالم کا فرض ہے

کہ وہ اپنے علم کا اظہار کرے (لوگوں کو اصل حقائق سے آگاہ کرے) اور جو ایسا

نہیں کرے گا اس پر خدا کی لعنت ہوگی۔

لہٰذا چونکہ علماءِ حق ہیں و حق گو کے پہلو میں دل ہے اور دل میں

خوفِ خالقِ دو جہاں اور احساسِ سود و زیاں ہے اسلئے وہ ہر چیز اور ہر مالی

و جانی نقصان برداشت کر سکتے ہیں مگر اپنے فرائض و وظائف کی ادائیگی

سے پہلو تہی کرنا گوارا نہیں کر سکتے لہٰذا عذابِ الآخرۃ اشد و

ابقی۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے ماحول کے خوفی منظر سے۔ اس حال میں جینا لازم جس حال میں جینا مشکل ہو



## کتاب ہذا کی وجہ تالیف و تصنیف: اس فرضی منصبی کے احساس اور اس کی ادائیگی

کے بھر پور جذبہ سے سرشار ہو کر ہم نے ایک بار پھر اس نئی خاردار وادی میں قدم رکھنے کا فیصلہ کیا ہے! ہم دیکھ رہے ہیں کہ سینکڑوں غلط اور بُری سمجھیں جو نہ صرف یہ کہ ہمارے اسلام و ایمان کے خلاف ہیں بلکہ تہذیب و ثقافت کی اور انسانی مجد و شرافت کے بھی خلاف ہیں۔ نہ صرف یہ کہ ہمارے معاشرہ کی رگ و ریشہ میں سرایت کر گئی ہیں بلکہ ان میں سے اکثر و بیشتر رسوم کو اس طرح اسلام میں داخل کر لیا گیا ہے کہ جس سے اس کا اصلی مقدس چہرہ مسخ ہو کر رہ گیا ہے۔ اور آج اسلام و مسلمان اغیار کی نظروں میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ سچ ہے کہ ع

ہم ہوئے رسول تارکِ قرآن ہو کر

اس لئے ضرورت اور سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن و سنت کی کدال لے کر موجودہ گلستانِ اسلام کی ”گوڈی“ کی جائے اور اس طرح جہاں اللہ کے قرآن اور چہلارہ منصوبہ علیہم السلام کے کلام کی روشنی میں حقیقی و اصلی اسلام و ایمان کے خد خال کو نمایاں کیا جائے وہاں اسلام کے مقدس گلستان میں جو خود نو پوسے اُگ آئے ہیں اور اس کے گل و سنبل و ریحان کی نشوونما میں ہارج و مانع ہو رہے ہیں اور جن کو بعض نادان اصل گلستان کا جزو و حصہ سمجھ رہے ہیں ان کو نیچے ذہن سے اکھڑ کر دور پھینک دیا جائے۔ تاکہ اس طرح جہاں اسلام اپنی اصلی شکل و صورت میں جلوہ گر ہو کر اس ظلمت کدہ دنیا کو اپنے جلوہ نور سے رشکِ طور بنا دے وہاں مسلمان بھی اغیار کے طعن و تشنیع کی یلغار سے بچ جائیں اور اسلام کے پیش کردہ



صراطِ استقیم پر گامزن ہو کر جہاں دنیا میں اپنا کھویا ہوا وقار و اقتدار دوبارہ حاصل کر سکیں وہاں آخرت میں بھی کامیاب و کامران ہو سکیں و ما ذالک علی اللہ بعزیز۔

در اصل اس تمام تگ و تاز کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ اس کتاب کے قارئین کرام کے تصویر کے دونوں رخ آجائیں کہ اصلی اسلام کیا ہے اور رسمی اسلام کیا ہے؟ اسی مقصد کے ماتحت ہم نے کتاب کے ہر باب میں اللہ کے قرآن معصومینؑ کے فرمان اور علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں پہلے اصلی اسلام کا نقشہ کھینچا ہے اور اس کے بعد رسمی اسلام کا تذکرہ کیا ہے اور پھر اس کی تحقیقی و تفصیلی رد کی ہے واللہ من وراء القصد

و عا ہے کہ خدا حکومت کو بھی توفیق دے کہ وہ اپنے مخالفین و ناقدین کو بزورِ شکر جانے کی بجائے بزورِ قانون و قدرت بگڑے تگڑے معاشرہ کی اصلاح کرے تاکہ وہ گوہر مقصود حاصل ہو کہ جس کی خاطر یہ ملک آزاد کرایا گیا تھا اور پاکستان بنایا گیا تھا۔

**مشکلات راہ کا احساس** اگرچہ اس پُر خار وادی کی مشکلات کا ہمیں صرف علم ہی نہیں بلکہ حق الیقین ہے

کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ صدیوں پرانے مگر غلط نظریات اور رسوم و عادات جو عامۃ الناس کے دل و دماغ میں جا گزیں ہوں اور رفتہ رفتہ بموجب ”ہر کفر کہ کہتہ شود مسلمانی شود“

ان کی نظروں میں جزو اسلام بن چکے ہوں ان کے خلاف زبان و قلم کو حرکت دینے کا نتیجہ اور انجام کیا ہوتا ہے؟ بالخصوص وہ زمینیں جو کسی مذہب کے نام پر جاری ہوں ہم اصول الشرعیہ فی عقائد الشیعہ، سعادۃ الدارین فی مقل



الحسینؑ۔ بالخصوص رسالہ ”اصلاح المجالس والمخافل“ بلکہ کراس کا عملی تجربہ کر چکے ہیں کم و بیش رُبع صدی بیت چکی ہے اس عرصہ میں فریب خوردہ عوام کی جانب سے بالعموم اور نام نہاد اہل صحافت اور تاجرانِ خون حسینؑ اہل منبر کے قبیلہ کی طرف سے بالخصوص جس طرح ہمیں ہدف تنقید بنایا گیا اور جس طرح طوفانِ بدتمیزی مچایا گیا۔

ایہنا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

اس طویل مدت میں دنیا کی وہ کون سی گالی ہے جو ہمیں نہیں دی گئی، وہ کون سی تہمت ہے جو ہم پر نہیں لگائی گئی؟ اور وہ کون سی اذیت ہے جو ہمیں نہیں پہنچائی گئی مگر الحمد للہ! ع

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوانے کا کام کیا

یہ تمام غوغا آرائی کرنے والے اور سازشوں کے جال بچھانے والے کچھ حرف غلط کی طرح مٹ گئے یعنی عدم آباد کی طرف سدھار گئے اور کچھ تھک مار کر خاموش ہو گئے مگر بفضلہ تعالیٰ اپنے پائے ثبات میں آج تک ذرہ بھر لغزش واقع نہیں ہوئی اور نہ ہی عزم میں جنبش ہوئی ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

یعنی ۷

ایں سعادت بزورِ بازو نیست : تانہ بخشد خدائے بخشندہ

والحمد للہ

بہر حال وہ بڑا نازک دور تھا جو بیت گیا ع

یہاں اب میکر راز داں اور بھی ہیں

آج بفضلہ تعالیٰ پورے ملک میں ایک ذہنی اور عملی انقلاب آچکا ہے



من گھڑت نظریات کے بُت کچھ ٹوٹ چکے ہیں کچھ ٹوٹ رہے ہیں اور اصل حقائق اپنی تمام تر رعنائیوں اور جلوہ آرائیوں کے ساتھ بے حجابانہ انداز میں منظر عام پر آرہے ہیں۔

اب باآسانی عام لوگ حق و باطل اور صحیح و سقیم میں امتیاز کرنے لگے ہیں۔ سچ ہے کہ الحق یعلو ولا یُحلی علیہ حق بڑی طاقت ہے۔  
 ۱۔ کہتا ہے کون نالہ ببل کو بے اثر ۛ پردہ میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے  
 ہمیں یقین ہے کہ اس کتاب ہدایت انتساب کی اشاعت کے بعد ان بچے کھٹے  
 لوگوں کی باسی ہانڈی میں ایک بار پھر ضرور اُبال آئے گا اور اگر انکے سُرُپ شتم اور  
 الزام و اتہام کے ترکش میں ہنوز کوئی تیر باقی ہے تو وہ اُسے بھی چلائیں گے اور  
 نہ معلوم کیا کیا مذبوحی حرکات کریں گے مگر ہمیں اس کوئی سروکار نہیں ہے۔

۲۔ وہ اپنی خو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں

سبک سربن کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو؟

وہ اپنا کام کر رہے ہیں اور گریں گے اور ہم اپنا کام کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے  
 اگر بندہ کا اپنے خدا سے معاملہ ٹھیک ہو تو وہ کبھی لوگوں کی ٹاؤ و ٹہو کی پرواہ نہیں  
 کرتا اور ویسے بھی ۳

رنج سے خوگر ہوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج ۛ مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آسان ہوئیں

خالق کون و مکان کا خاص لطف و کرم اور امام زمان کی نگاہ عنایت اپنے

ساتھ ہے اسلئے ۴

میر وزیر ہیں مری نظر میں مُشتِ خاک ۛ پہنچا سکی نہ گردشِ دُوراں مجھے گزند

لہٰذا اُنہیں آج مترکلاً علی اللہ و متوسلاً بالنسبی و آلہ اپنے تمام مخالفوں

اور معاندوں کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بہ بانگِ دُہل کہتا ہوں کہ



”اجمعوا کیدکم ثم لا تنظروا ان ولّٰی اللہ الذی نزل  
الکتاب وهو یتولّٰی الصّٰلِحِیْنَ“

یہ تم اپنے سب مکر و فریب اکٹھے کر لو۔ اور مجھے مہلت نہ دو [مگر تم میرا کچھ  
بگاڑ نہیں سکتے] کیونکہ میرا سر پرست وہ خدا ہے جس نے کتاب نازل کی۔ اور وہی  
صالحین کی سرپرستی کرتا ہے۔“

۵

احب الصّٰلِحِیْنَ و لست منہم : لعلّ اللہ یرزقنی الصّٰلِحَہ  
الحمد للہ میری فرستنی نے کیا مجھ کو ارحمہند

یہیں نے اس کتاب میں اعتقادات  
سے لیکر عبادات تک اور معاملات

## اس کتاب کا طریقہ اصلاح

سے لیکر ہر ہر شعبہ حیات تک تجارتی رسوم و عادات تک جہاں جہاں غلط  
عقائد و اعمال اور غلط رسم و رواج کی نشاندہی کی ہے اور انکی بیخ کنی کرنے  
کی کامیاب کوشش کی ہے وہاں قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام  
کے فرمان اور علماء اعلام کے کلام و بیان کی روشنی میں پہلے صحیح اسلامی ایمانی  
حقائق و معارف اور صحیح اور جامع ہدایات بھی مختصر مگر جامع انداز میں پیش  
کر دیے ہیں تاکہ ابطال باطل کے ساتھ ساتھ احقاق حق کا فریضہ بھی ادا ہو  
جائے۔ اور جہاں تنقید کے کدالوں فرسوں اور کج معمارت کو مسمار کیا جائے وہاں  
قرآن و سنت کے اوزاروں سے صحیح عمارت کا سنگ بنیاد رکھ کر اسے  
بلند بھی کیا جائے۔ اور جب رسمی اسلام کی قلعی کھولی جائے تو اصلی  
اسلام کا نمونہ بھی قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ حق و  
باطل کے دونوں رخ سامنے آجائے سے حق و باطل میں تمیز کرنا آسان ہو جائے۔



وَبِضْدِهَا تَتَّبَعْنَ الْأَشْيَاءَ

مجھے یقین کامل ہے کہ میری یہ مخلصانہ کاوش و کوشش جہاں خدا و مصطفیٰ  
اور ائمہ ہدیٰ کی بارگاہ میں ضرور بار پائے گی۔ اور جہاں میری اخروی نجات  
بلکہ بندگی درجات کا باعث بنے گی وہاں قوم و ملت کے ارباب عقل و انصاف  
کو پسند بھی آئے گی اور ان سے خراج تحسین بھی وصول کرے گی اگرچہ یہ  
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندہ آزاد

اسی طرح یہ بھی امید اٹھتا ہے کہ میری عزیز قوم کا وہ اکثریتی طبقہ جس کی  
خاطر یہ سب سعی و کوشش کی گئی ہے۔ وہ ناراض ہونے کی بجائے مجھے اپنا سچا  
اور منجاس خیر خواہ سمجھ کر اس کتاب کی سرسبز و شاداب روشنیوں سے فائدہ اٹھائے  
گئے اور اس نور ہدایت کی روشنی میں اپنے حالات و واقعات پر نظر  
ثانی کی زحمت گوارا کر کے اصلاح احوال کر کے جہاں عند اللہ ماجور ہوگا وہاں  
عند الناس مشکور بھی ہوگا۔ اور اس دعا گو کو اس کی حیات و ممات  
میں اپنی دعاؤں سے فراموش نہیں کرے گا۔

ہر کہ خواند دعا طمع دارم : زانکہ من بندہ گنہگارم  
ایسے! سب یہ نعرہ لگا کر

کہہ! سہ

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم و ملتیں جب گئیں اجزاء ایمان گئیں  
میدان عمل میں قدم رکھیں اور دنیا کو کچھ کر کے دکھائیں۔ میں اپنی قوم و ملت  
سے برگز مایوس نہیں ہوں۔ بلکہ مجھے یقین ہے اور اس یقین کی بنیاد طویل تجربہ و  
مشاہدہ پر ہے کہ



ذرا غم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

شمع محفل خفتہ بود و شوق صحبت رفتہ بود پد آتش افکندم مجلس بال بر بحر زوم

اللہمما جعلہ خالصاً لوجہک الکریم واجعلہ  
وسیلۃ لہدایۃ عبادک المخلصین وانفعنی بہ  
وجمع المؤمنین یوم لا ینفع مال ولا بنون الا  
من اتى اللہ بقلب سلیم بجاہ النبی وآلہ الطاہرین

— وانا الاحقر —

محمد حسین النجفی عفی عنہ بقلمہ

بمقام سٹائٹ ٹاؤن سرگودھا — ۱۴ ماہ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ

بمطابق ۱۵ جون ۱۹۸۴ء

روز جمعہ ایک بجے دن

نظر ثانی

۱۴ ماہ صیام ۱۴۰۴ھ / ۳۰ اپریل ۱۹۹۱ء

روز بدھ اڑدائی بجے دن وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ

دیباچہ طبع چوتھا خدا کے فضل و کرم سے وہ وقت آگیا کہ اس کتاب

مستطاب کا چوتھا ایڈیشن تقابلی نقشب ثانی بہتر شد از اول کے مصداق ظاہری و باطنی  
غویہ کے آراستہ و پیرستہ ہو کر اجلا قوم دلت کا خدمت میں پیش کی جا رہی ہے واللہ

وانا الاحقر محمد حسین النجفی عفی عنہ

سرگودھا  
۳۱ مارچ ۱۹۹۹ء





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله الذي هدانا لهذا وما كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله  
وَالصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ عَلَى خَاتَمِ أَنْبِيَاءِ اللَّهِ وَعَلَى الْأُئِمَّةِ الْهَدَاةِ خَلَفَاءِ  
رَسُولِ اللَّهِ وَاللَّعْنَةُ الدَّائِمَةُ عَلَى أَعْدَائِهِمْ أَعْدَاءِ اللَّهِ مِنْ يَوْمِ  
عَدَاوَتِهِمْ إِلَى يَوْمِ لِقَاءِ اللَّهِ أَمَّا بَعْدُ

## بدعات اور رسوم و رواج کے اقسام کا بیان

مخفی نہ رہے کہ وہ بدعات و تحریفات اور وہ غلط رسوم و رواج جن کے خلاف ہم قلم بدست ہو کر مصروف جہاد میں ان کی چند قسمیں ہیں (۱) بعض کا تعلق انسان کے عقیدہ کے ساتھ ہے اور (۲) بعض کا اس کی عبادت کے ساتھ (۳) بعض کا تعلق اس کے معاملات سے ہے (۴) اور بعض کا تعلق اس کی شادی و غم کے ساتھ ہے (۵) بعض کا تعلق اس کی نجی یا مجلسی، سیاسی و معاشرتی، تہذیبی اور ثقافتی زندگی کے مختلف شعبوں کے ساتھ بنا بریں طبعی ترتیب کے ہم سب سے پہلے ان بدعات و تحریفات کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا تعلق انسانی عقیدہ کے ساتھ ہے — کیونکہ عقیدہ ہی انسان کے دین و مذہب کا سنگ بنیاد ہے مگر ہم حرب و عدہ پہلے حقیقی و اصلی اسلام کا اجمالی خاکہ پیش کریں گے اور اس کے بعد عقائدی بدعات و تحریفات کا اجمالی تذکرہ کریں گے۔

تَذَكُّرًا فَمِنْ شَاءَ ذَكَرْنَا ط



## پہلا باب :

# حقیقت اسلام کا مختصر مگر جامع بیان

جس سے طرح پانی کا چشمہ جب سرچشمہ سے نکلتا ہے تو بالکل صاف و شفاف ہوتا ہے اور ہر قسم کے خس و خاشاک سے پاک و صاف ہوتا ہے۔ البتہ پھر بہتے ہوئے جوں جوں اپنے مرکز سے دور ہوتا جائے توں توں راستہ میں مختلف قسم کے خس و خاشاک کی آمیزش سے برابر گدلا ہوتا چلا جاتا ہے حتیٰ کہ ایک وقت وہ بھی آتا ہے کہ وہ اپنی اصلیت کھو بیٹھتا ہے اور بالکل ناقابل استعمال ہو جاتا ہے۔

بلاشبہ اسلام کی حالت بھی کچھ اسی طرح ہے کہ جب وہ پہلی مرتبہ اپنے مرکز سے نکلا تھا تو چشمہ صافی کی مانند بالکل صاف ستھرا تھا اور ہر قسم کے عقیدتی و نظریاتی انحراف، عملی اعتساف، برہمن کے بدعتی گرد و غبار اور ہر قسم کی ایچ پی جی سے اس طرح پاک و صاف اور اس طرح فطری طور پر سادہ و صریح تھا کہ جسے ایک جاہل سے لیکر عالم تک، دیہاتی شہریان سے لیکر شہری فلسفہ دان تک، عورت سے لیکر مرد تک اور بچوں سے لیکر بوڑھوں تک سب لوگ بغیر کسی ہچکچاہٹ اور بغیر کسی رکاوٹ کے سمجھ سکتے تھے۔

خود بانی اسلام علیہ السلام نے اس کی سہل و سادہ اور آسان ہونے پر فخر



کرتے ہوئے اپنے اعلان رسالت کے ساتھ پہلے ہی دن یہ اعلان فرمایا تھا کہ۔

”جئتکم بشریعة سہلۃ سمحاء“

”میں تمہارے پاس ایک ایسی شریعت لایا ہوں جو بالکل سہل اور آسان ہے“

خالق مہربان نے بھی قرآن میں یہی اعلان فرمایا ہے کہ

”يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ“

”اللہ تمہاری آسانی و آسائش چاہتا ہے تمہاری تنگی و تکلیف نہیں چاہتا“

مگر مروجہ آیام کے ساتھ ساتھ جوں جوں اسلام اپنے مرکز سے دور

ہوتا گیا تو اس میں کہیں فلسفہ، سائنس کی غلاظت کہیں کلامی ٹوٹکائیوں کی

کدورت اور کہیں ذاتی خیالات و قیاسات کی گرد و غبار شامل ہوتی گئی اور

رفتہ رفتہ نوبت بائیں جا رسید کہ آج اسلام ایک ایسا معمر و چہستان بن

کر رہ گیا ہے کہ جس کی حقیقت کو سمجھنے اور اس کی اصل حقیقت تک رسائی حاصل

کرنے کے لیے نہ صرف عوام بلکہ بڑے بڑے عربی دان، علماء کرام اور فضلاء عظام

سر بہ گریبان اور یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

تھک تھک کے ہر مقام پر ناکام رہ گئے تیرا پتہ نہ پائیں تو ناچار کیا کریں؟

**آج** کیفیت یہ ہے کہ اسلامی اصول میں اختلاف، فروع میں اختلاف

عمادات میں اختلاف، معاملات میں اختلاف، عقود میں اختلاف اور ایقاعات

میں اختلاف، تفسیروں میں اختلاف، حدیثوں میں اختلاف اور تاریخوں میں اختلاف

الغرض! ہر طرف ہر جگہ اور ہر چیز میں اختلاف ہی اختلاف نظر آتا ہے بقول

شاعر۔

تخالف الناس حتی لا اتفاق لهم فی الا علی شجب الخلف فی الشجب



اس اختلاف و انحراف کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج ایک اسلام کی تہتر تعبیریں اور ایک قرآن کی تہتر تفسیریں منظر عام پر آ گئی ہیں۔

انہی حالات میں حقیقت اسلام کا سراغ لگانا جوئے شیر لانے سے کسی طرح کم نہیں ہے کیونکہ یہاں تو اب عہد

شد پریشاں خواب من از کثرت آبیرا

والا معاملہ ہے ہاں البتہ جس چیز سے مایوسی کے بادل چھٹتے ہیں اور وصلہ

بلند ہوتا ہے وہ ہے خدائے رحمن کا یہ وعدہ اور مژدہ جانفزا کہ

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

(جو لوگ حق و حقیقت کو تلاش کرنے کی پوری پوری مخلصانہ کوشش کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے دکھاتے ہیں) [صدق اللہ العلیٰ العظیم]

چنانچہ ہم نے خداوند عالم کے اسی سچے وعدہ پر بھروسہ کرتے ہوئے

حب آباد اجداد کی تقلید کا پٹہ توڑ کر ہر قسم کے مذہبی و گروہی تعصب کا

دامن چھوڑ کر اور عدل و انصاف کا دامن مضبوطی سے تھام کر اور کمر ہمت

باندھ کر تحقیق کے ناپید اکنا سمندر میں غوطہ زنی شروع کی تو بفضلہ تعالیٰ و حسن

توفیق اس کے قرآن اور سرکار محمد آل محمد علیہم السلام کے کلام حق ترجمان کی۔۔

روشنی و راہنمائی میں ہماری اصل حقیقت تک رسائی ہو گئی (والحمد للہ)

۵

بس جو کشیدیم دیں اہ کہ بریدیم : المنت ترشد کہ بہ مقصود رسیدیم

پھر ہم نے بخل سے کام نہیں لیا۔ بلکہ اس تحقیق کے اس بحر عمیق میں غواصی کرنے

کے نتیجہ میں ہمیں جو جواب ہر آبدار اور نالائی تابدار یاد دہانے شاہوار ملے ہیں وہ ہمیشہ

ہم نے بے کم و کاست اپنی تقریروں اور تحریروں بالخصوص احسن الفتاویٰ اور



اصول الشریعہ، قوانین الشریعہ، تجلیات صداقت اور سعادت الدارین وغیرہ  
میں اپنا ملک و ملت کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔

ز چشم آستیں بزار و گوہر آتماشاکن

تو چونکہ وہ گیسری بڑی خاصی بڑی طویل و غریض تھی جس میں وہ جواہر  
سجے ہوئے تھے جس سے انتخاب کرنا بھی ایک مسئلہ تھا تو یہ کام بھی بعونہ تعالیٰ  
ہم نے خود انجام دیکر معاملہ بھی آسان کر دیا، وہ اس طرح کہ جب ہماری یہ  
موجودہ کتاب لکھی جا رہی تھی جس کا اصل موضوع ہی اصلی اور رسمی اسلام کا  
باہمی فرق و امتیاز ظاہر کرنا ہے تو مناسب سمجھا گیا کہ دوسرے موضوعات کی  
طرح عقائد کے متعلق بھی مختصر مگر جامع و مانع طریقہ پر حقیقت اسلام پیش  
کر دی جائے اس کے بعد تصویر کا دوسرا رخ پیش کرتے ہوئے مختصراً یہ بھی بتا  
دیا جائے کہ ان میں انحراف، اسوہ حاج پیدا کرنے اور بدعات و تحریفات کے گرد  
وغبار سے اس کے مقدس منور چہرہ کو داغدار و عیب دار بنانے کی کس طرح...  
شعوری یا غیر شعوری کوششیں کی گئیں اور ان کی وجہ سے اسلام کیا سے کیا  
بن گیا۔ ہمارا اصل مقصد جہاں طالبان حق و جوئیان حقیقت کے  
لئے ہدایت و راہنمائی کا فریضہ ادا کرنا ہے۔ وہاں اہل عناد و لاد پر اتمام  
حجت کرنا بھی ہے۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ آيَاتِنَا وَيُحْيِيَ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَاتِنَا  
وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ وَاللَّهُ  
مِنْ ذَلِكُمُ الْقَصْدُ وَهُوَ عَلَيْكُمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ

سو واضح ہو کہ اسلام مجموعہ عقائد و اعمال کا — عقائد وہ جو عمل کا  
احساس پیدا کرنے والے ہیں۔ اعمال وہ جو عقیدہ پر چلا کرنے والے ہیں۔



عقائد وہ جو تمام خلایق کے مقابلہ میں خود داری اور خود اعتمادی — پیدا کرنے والے ہیں اعمال وہ جو دنیا کی شیرازہ بندی کرنے والے اور اجتماعی نظام کو قوت پہنچانے والے ہیں عقائد وہ جو اصلاح کی دعوت دینے والے ہیں۔ اعمال وہ جو اصلاح کے مقصد کی تکمیل کرنے والے ہیں۔

اسلام کی حقیقت کے لیے اگر ہم ایک جامع لفظ تلاش کرنا چاہیں تو وہ صرف فرض شناسی ہے اسی کو وسعت دیجئے تو عقائد اور اعمال کی پوری دنیا آجائے گی۔ تمام عقائد اس فرض شناسی کے جذبہ کو بیدار کرنے والے اور تمام اعمال اسی فرض شناسی کے خارجی مظاہرے ہیں اسی فرض شناسی میں حقوق اللہ داخل ہیں۔ اسی میں حقوق الناس اسی میں اچھائیوں کی پابندی مضمر ہے اور اسی میں برائیوں سے علیحدگی۔ اسی میں حاکم (نبی و امام) کی اطاعت درج ہے اور اسی میں نظام اجتماعی کا استحکام اور مرکز کا متحد ہونا بھی مشترک فرائض کی تکمیل کی ایک لازمی شرط ہے۔

الغرضے! حقیقت اسلام ایک بلند اور کامل نصب العین ہے جس میں عقائد کے علاوہ کلمہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ بھی داخل ہیں۔ — بلند مقاصد کی حفاظت کے لیے۔ جانبازی بھی اس کا ایک جزو ہے اور نظام عسکری بھی ان مقاصد کے تحفظ کے لیے ضروری ہے

[از افادات سیدالعلماء اعلیٰ اللہ مقامہ]



## اصول اسلام و ایمان

اگر اسلام و ایمان کے اصول کو یکجا کیا جائے تو وہ حسب ذیل پانچ بنتے ہیں۔

(۱) توحید (۲) عدل (۳) نبوت (۴) امامت (۵) قیامت

جن میں سے پہلی، تیسری اور پانچویں اصل اصول اسلام ہیں کہ جن کے اقرار سے بندہ مسلمان اور انکار سے کافر بن جاتا ہے اور باقی دوسری اور چوتھی اصل اصول ایمان ہیں جن کے ماننے سے انسان با ایمان اور انکار سے بے ایمان بن جاتا ہے۔

اب ذیل میں بڑے اختصار کے ساتھ ان اصول خمسہ کی تھوڑی سی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

**توحید:** یہ عقیدہ اسلام کا اصل الاصول ہے اور بنیاد اساسی ہے اس میں تمام عالم انسانیت کو ایک مشترکہ نقطہ کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے جو سب کا مرکز ہے۔ ہزار در ہزار نسل — رنگ، وطن اور قوم کے تفرقوں کے باوجود دنیا ایک نظام میں منسلک ہو جاتی ہے کہ سب کا خالق، سب کا مالک، سب کا پالک، اور سب کا معبود و مسجود ایک ہے۔ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہے ہر چیز کو جاتا ہے



وہ اکیلا ہے کوئی اس کا شریک اس کا مثال اور مثیل نہیں ہے وہ ہر چیز پر  
قادر ہے وہ زمان و مکان سے مادرا ہے۔

ساری کائنات اس کی محتاج ہے مگر وہ سب کے بے نیاز ہے وہ حاجت  
نوا اور حقیقی مشکل کشا ہے۔ وہی بیمار دل کو شفا عطا دیتا ہے اور وہی ہمارے عاقل  
کا سننے اور تبول کرنے والا ہے۔ تمام کائنات اس کے قبضہ قدرت میں ہے  
وہی بلا شرکت غیرے اس میں متصرف ہے تمام جہان کا چلانے والا ہے اس  
کی ذات وہ ہے جس کے لیے فنا نہیں ہے وہی پیدا کرتا ہے وہی رزق دیتا ہے  
وہی کھیتیاں اگاتا ہے وہی مارتا اور وہی چلاتا ہے

عزت ہو یا ذلت، منع ہو یا عطا، بندی ہو یا پستی اُسی کے قبضہ قدرت  
میں ہے ہوائیں وہی چلاتے ہیں بارش وہی برساتا ہے، سورج ہو یا چاند،  
غرض تمام کائنات میں صرف اُسی کی حکومت ہے وہی عالم الغیب والشہادۃ  
ہے وہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی، علیم بھی ہے اورخبیر بھی — وہ نہ دنیا میں  
نظر آتا ہے نہ آخرت میں نظر آئے گا وہ ذات میں صفات میں افعال میں،  
اور عبادات میں واحد و یکتا ہے کسی چیز میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے  
یہ ہے عقیدہ توحید کے اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل جو خود خداوند عالم نے  
قرآن مجید میں جا بجا اور بار بار پیش فرمائی ہے سب انبیاء کی بعثت کی  
سب سے بڑی غرض و غایت بھی یہی تھی کہ بنی نوع انسان کے سامنے  
خالق کائنات کی حقیقی توحید اور اس کی معبودیت اور اس کے  
”إِلَٰه“ ہونے کی حقیقت پیش کریں۔ چنانچہ فرماتا ہے

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ

أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ

”اے رسول! تجھ سے پہلے ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اُس کی



طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی الہ نہیں ہے۔ بس میری  
ہی عبادت کرو۔

اس عقیدہ سے ایک وسیع انسانی برادری کی تشکیل ہوتی ہے جس سے  
ہر فرد میں دوسرے کے ساتھ اتحاد کا احساس پیدا ہوتا ہے اور سب لوگ  
میں ایک ہی نصب العین کے تحت ایک مسلک پر گامزن ہونے کا جذبہ  
پیدا ہوتا ہے اور سب لوگ اپنی خواہشوں کو مشترک مقصد میں منہ کر کے  
اپنی خلوت و جلوت میں اپنے واحد و بیکتہاکم علیٰ کی رضا جوئی کے لیے متحد  
ہو جاتے ہیں۔

جس طرح آگ کا گرم ہونا، برف کا ٹھنڈا ہونا اور ایک اور ایک کا  
مل کر دو ہونا بدیہی ہے کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے بالکل اسی طرح  
اس عالم رنگ و بو کے لیے قدیر و جمیر اور علیم و حکیم خالق و صانع کا ہونا اور  
اس کائنات ارضی و سماوی کے لیے ایک بنانے والے کا ہونا بھی ایسا بدیہی  
ہے کہ کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خداوند عالم نے ہمیشہ خواب غفلت میں سونے والوں  
کو جگانے اور منکروں کو قائل بنانے کے لیے صرف یہ تنبیہ کی ہے  
اَفِی اللّٰهِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (القرآن)  
بھلا اس خدا کے وجود میں کوئی شک و شبہ ہو سکتا ہے جو زمین و آسمان کا  
خالق ہے؟

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا : آتش پر مٹھوں نے گیت گایا تیرا  
دہری نے کیا دہرے تعبیر تجھے : غرض انکار کسی بھی بن آیا تیرا (دعائی)



یہی وجہ ہے کہ مشرکین عرب بھی خدا کے وجود کے منکر نہ تھے وہ خدا کو موجود بھی مانتے تھے، اور زمین و آسمان کا خالق و مالک بھی جانتے تھے۔ ہاں اُن کی توحید خالص نہ تھی۔ بلکہ وہ بتوں کو خدا کا شریک مانتے تھے۔ جیسی خالص توحید اسلام نے پیش کی ہے۔ ادیانِ عالم میں اس کی نظیر نظر نہیں آتی اور اس کی جیسی وضاحت سرکارِ محمد آلِ محمد علیہم السلام لے کی ہے اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔

— اس سلسلہ میں نہج البلاغہ اور صحیفہ سجادہ بطور نمونہ پیش کئے جاسکتے ہیں۔

## ۲۔ عدل

خدا کو عادل جانتا دراصل عقیدہ توحید کا ہی ایک شعبہ ہے جس طرح خدا کی ذات بلند و برتر ہے اور کامل ہے اسی طرح اُس کے افعال بھی کامل ہیں ان میں کسی قسم کے نقص، فساد اور بُرائی کا گزر نہیں ہو سکتا۔ اس کا وہ قانون جو سب بندوں بلکہ سب مخلوق میں جاری و ساری ہے وہ عدالت ہے یعنی اس کا ہر کام حکمت و مصلحت کے موافق ہے۔ وہ نہ کسی کی حق تلفی کرتا ہے نہ کسی پر ظلم کرتا ہے اور نہ کوئی عیبِ ثانی اور بے مقصد کام کرتا ہے وہ بندوں پر بھی عدل و انصاف کا تقاضا کرتا ہے اُس نے انسان کو فاعلِ مَحْتِا بنایا ہے وہ چاہتا ہے کہ بندے اس اختیار کو قانونِ عدالت کے مطابق صرف کریں عدل کی ضد ظلم ہے۔ خدا ظالموں پر لعنت کرتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ انسان بالکل مجبور و مقہور ہے سب کچھ خدا کرتا کرتا ہے۔ یہ بھی خلافِ عدل اور خلافِ اسلام ہے۔

اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انسان بالکل مطلق العنان ہے بلکہ حقیقت الامر



وہ ہے جو بانی اسلام کے چھٹے جانشین حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے

”لا جبر و لا تفویض بل امر بین الامرین“  
 لہذا جو شخص ذرہ برابر نیکی کریگا وہ اُس کی جزا پائے گا اور جو ذرہ بھر بُرائی کرے گا وہ اُس کی سزا پائے گا۔

### ۳۔ نبوت

جب یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ اس کائنات کا خالق و مالک ہے اور وہ ہے بھی عادل و حکیم کہ کوئی کام عبثاً بے مقصد نہیں کرتا۔ تو پھر قدرتی طور پر انسانی ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ — اُس نے یہ کائنات کیوں بنائی؟ اور بالخصوص اُس شخص حضرت انسان کو خلعت وجود کیوں عطا فرمایا ہے؟ وہ کیا چاہتا ہے اُس کی رضا و نافرمانگی کن باتوں میں مضمر ہے؟ ہماری نااہلی کی وجہ سے نہ تو وہ ہم سے کلام کرتا ہے اور نہ ہی ہم اُس سے کلام کر سکتے ہیں اُس نے عقل و شرع کہتی ہے کہ خالق اور عام مخلوق کے درمیان کچھ وسیلے ہونے چاہئیں۔ جو خدا سے پیغام لیں اور مخلوق تک پہنچائیں۔

حاکم مطلق یعنی خدا کے واحد یکتا کے احکام و قوانین اس کی رعایا اور مخلوق تک پہنچانے اور ان کا عملی اجراء کرنے والوں کو ہی رسول و نبی کہا جاتا ہے۔ چونکہ نبی عام مخلوق میں خدا کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اور سب پر اُس کی اطاعت لازم ہوتی ہے اُس کے احکام خدا کے احکام ہوتے ہیں۔ اُس کے ہاں مقابل کسی کو اُس کے زنی، قیاس آرائی کرنے اور اُس کے فیصلے کے سامنے کسی کو چون و چرا کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ اسیلئے عقل سلیم اور شرع قویم کہتی ہے کہ اُسے انسان اور انسان



کامل ہونا چاہیئے۔ انسان اسلئے کہ بنحق قرآن اشرف المخلوقات ہے اور سیرت  
و کردار میں کامل اسلئے کہ اسلئے ناقصوں کی تربیت کر کے انکو کامل بنانا ہے لہذا  
خود اسے معصوم عن الخطا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ ————— اسلئے گنہگاروں کو  
نیکو کار بنانا ہے نیز اسے لوگوں کی دینی ضروریات کا عالم ————— اور عالم بھی  
علم لدنی ہونا چاہیئے کیونکہ اسلئے جاہلوں کو عالم بنانا ہے اور ان کو علم دین سکھانا اسلئے  
بہادر ہونا چاہیئے کیونکہ امن ہو یا خوف۔ صلح و یا جنگ ہر حال میں غورین پہنچانا اور  
پھیلانا ہے۔

الغرض! اسے تمام انسانی کمالات سے متصف اور تمام انسانی نقائص  
سے پاک و صاف ہونا چاہیئے۔ تاکہ اسکی سیرت و کردار لوگوں کے لیے ایک  
مثال و معیار قرار پاسکے۔ یہ نبوت جو حضرت آدم سے شروع ہوئی تھی  
عبداللہ و آمنہ کے لعل، حسنین شریفینؑ کے جد نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ  
و آلہ وسلم کی ذات گرامی صفات پر ختم ہو گئی۔ اب قیامت تک اُن کے بعد  
کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔ اب قیامت تک اُن کے بعد انہی کی ذات با  
برکات کا اسوۂ حسنہ ساری کائنات کے لیے خضر راہ اور مشعل ہدایت ہے۔  
پیغمبر مصطفیٰؐ، عہدہ آئینہ کرب الیاد و سرا آئینہ پناہ ہماری بزم خیال میں نہ وکان آئینہ ساز میں  
۴۔ امامت

موت برحق ہے جس سے خدا کے سوا کوئی ہستی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔

جب احمد مرسلؑ نہ رہے کون رہے گا؟

بنابرین نبی و رسول کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد ————— اگر رعایا کے لیے کسی  
مرکز کا کوئی انتظام نہ کیا جائے اور خدائی قانون کے جاری کرنے والے اور پیغمبر  
کی لائی ہوئی شریعت کی حفاظت کرنے والے کا کوئی بند و بست نہ کیا جائے



بلکہ عام لوگوں کو مطلق العنان اور انکو اپنی رائے اور مرضی کے مطابق عمل کرنے کی آزادی دیدی جائے۔ تو نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ لوگ افتراق و انتشار کا شکار ہو جائیں گے اور نبی و رسول نے امت میں جو نظم و ضبط پیدا کیا تھا اور جس طرح مختلف لوگوں کی شیرازہ بندی کی تھی۔ اس کا شیرازہ بکھر جائیگا۔ اور اس طرح نبی و رسول کی آمد اور تقرری کا جو مقصد تھا وہ فوت ہو جائے گا۔ لہذا خدائے حکیم کے لیے محال ہے کہ وہ ایسا کرے اور اپنے کیے پر خود پانی پھرے۔

نابریں امت کو انتشار سے بچانے، اس کے لیے مرکز قائم کرنے اور نبی کے بعد خدا کے قانون کو چلانے اور نافذ کرنے کا نام عقیدہ امامت ہے، جو ذات نبی و رسول مقرر کرتی ہے وہی ذات اُن کے جانشین کا انتظام کرتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ امامت نص ہے اجماعی یا شورائی نہیں ہے جس طرح ہر شخص نبی و رسول نہیں بن سکتا۔ بلکہ اس کے کچھ خصوصیات ہیں جو اس میں پائے جانے ضروری ہیں جیسا کہ ابھی اوپر انکو ضروری وضاحت بیان کیا جا چکا ہے۔ اسی طرح ہر شخص نبی کا قائم مقام بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس طرح نبی خدا کا نمائندہ ہوتا ہے جس طرح نبی کی اطاعت خدا کی اطاعت ہوتی ہے اسی طرح امام کی اطاعت خدا و رسول کی اطاعت ہوتی ہے۔

الغرض اس مرکز میں اصلی حکومت خدا کی ہوتی ہے اور اس کی نمائندگی میں رسول اور اس کے جانشین مرکز اتباع ہوتے ہیں اور نظام اسلام چلتے ہیں۔ اسی لیے نبی کی طرح امام کے لیے بھی عصمت، علم لدنی اور شجاعت ضروری ہے، خلاصہ یہ کہ کسی نبی کی مسند کا وارث وہ ہوگا جو نبی کے اوصاف و کمالات کا آئینہ دار نظر آئے۔

پیغمبر اسلام کے بعد اس معیار امامت پر صرف بارہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام



ہی پورے اُترتے ہیں لہذا خلافتِ الہیہ اور امامتِ ربانیہ کے علمبردار اور حق و ار صرف وہی ذواتِ قادسہ ہیں۔

علی ہے نفسِ مصطفیٰ وہی سب اسمیں عادتیں : پھر پھر پھر اگیا دکھائیں وہ شجاعتیں  
 زمین جگمگا اٹھی وہ دل سے کہیں عبادتیں : تن ابوتراب سے چک ہی تھیں آتیں  
 رکوع میں، سجود میں، قیام میں، قعود میں — اور مخفی نہ رہے کہ اگر کسی وقت  
 امام برحق تک دسترس نہ ہو سکے (جیسا کہ موجودہ دور میں یہی صورت حال ہے)  
 تو جو حضرات عمومی طور پر نائبِ امام ہونگے یعنی علمائے اعلام وہی مرکزِ امت  
 بن کر نظامِ اسلام چلائیں گے اور تبلیغِ اسلام اور اس کی حفاظت کا  
 فریضہ ادا فرمائیں گے۔

## ۵۔ قیامت

خداوندِ عالم کے مقرر کردہ نظامِ اسلام کی پابندی اور اس کے مقرر کردہ  
 نبیوں، رسولوں اور اُن کے صحیح جانشینوں کی اطاعت کرنے والوں کے  
 لیے جزا اور مخالفت کرنے والوں کے لیے سزا کا انتظام و اہتمام اشد ضروری  
 ہے تاکہ مطیع و فرمانبردار اور عاصی و نافرمان کے درمیان امتیاز کیا جاسکے  
 اسی جزا اور سزا والے دن کو قیامت کا دن کہتے ہیں۔  
 قرآن مجید کا بہت سا حصہ قیامت کی (حقانیت) اور اس کی تفصیلات  
 بیان کرنے سے برزِ نظر آتا ہے۔

## فروعِ دین

انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی ترقی اور اسے بنانے سنوارنے کی



خاطر خالق حکیم نے کچھ احکام جاری کئے ہیں اور کچھ فرائض مقرر کئے ہیں کچھ حقوق اللہ اور کچھ حقوق الناس معین فرمائے ہیں۔

الغرض! خدائے حکیم نے انسان کی دنیوی زندگی کی اصلاح اور اخروی فوز و فلاح کے لیے کچھ عبادات، کچھ معاملات اور کچھ عقود اور کچھ ایقاعات مقرر کئے ہیں۔ جن کو بالکل اسی طرح بجالانا ضروری ہے جس طرح خدائے بنائے اور ربانی اسلام نے پہنچائے ہیں اپنی ذاتی سائے و قیاس اُن میں کسی قسم کی کمی بیشی یا ترمیم و تفسیح کرنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

انہیں چیزوں کے مجموعے کا نام ہے ”فرض دین“ جن کی پیروی کرنا ایک مسلمان کے لیے اس قدر ضروری ہے کہ اس کے بغیر اسلام کا مقصد ہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہاں اُن چیزوں کی تفصیلات میں جانا مقصود نہیں (کیونکہ اُن کا اصلی مقام فقہ ہے جہاں سب اوامر و نواہی اور سب حقوق و فرائض تفصیلاً مذکور ہیں۔ ہم نے بھی بفضلہ تعالیٰ قوانین الشرعیہ فی فقہ الجعفریہ میں بڑی ... تفصیل جیل کے ساتھ ان کو بیان کر دیا ہے۔

تفصیلات دیکھنے کے خواہش مند حضرات وہاں رجوع فرمائیں) یہاں تو صرف یہ بتانا مطلوب ہے کہ اسلام کا مقصد ایک ایسی قوم پیدا کرنا ہے جو اپنے خالق و مالک کی بادشاہت کو دل و جان سے تسلیم کرے اور اپنی سائے و قیاس اور ذاتی خواہشات و اختراعات کو چھوڑ کر اس کے مقرر کردہ حاکم (رسول) اور اس کے حقیقی نائبین — یعنی آئمہ طاہرین کے احکام پر بڑی منسوبی و استواری کے ساتھ عمل کرے۔ تاکہ وہ برستم کے تشنت، و افتراق اور باہمی اختلافات سے بچتے ہوئے شاہراہ ترقی پر گامزن ہو سکے اور اس طرح دنیا میں عزت و عظمت کے ساتھ زندگی گزار کر آخرت میں دائمی فوز و فلاح حاصل کر سکے۔



[وَذَاكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ] هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ  
لِّلْمُتَّقِينَ - (القرآن)

**تذنیب** النسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ جامع حدیث شریف پیش کر  
دی جائے جو اکثر عقائد اسلامیت ایمانیہ پر مشتمل ہے جسے رئیس  
المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "التوحید" میں درج  
فرمایا ہے۔ اور اس سے دوسرے علماء اعلام نے اپنی اپنی کتابوں میں کج  
کیا ہے۔ چنانچہ جناب شہزادہ عبدالعظیم بن عبداللہ حسنی بیان کرتے ہیں کہ (بحرف  
الاسناد)

دخلت على سیدی علی بن محمد بن علی بن موسیٰ  
بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی  
بن ابی طالب صلوات اللہ علیہم فلما بصرنی  
قال مرحباً بك یا ابا القاسم انت ولینا  
حقاً قال قلت یا بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
والہ وسلم انی ارید ان اعرض علیک دینی  
فان كان مرضیاً ثبتت علیہ حتی التقی اللہ  
عزوجل فقال ها ترها یا ابا القاسم فقلت  
انی اقول ان اللہ تبارک وتعالیٰ واحد لیس کمثلہ  
شیء خارج من الحدین حد الابطال  
وحد التشبیہ وهو انه لیس بخسرو ولا  
صورة ولا عرض ولا جوهر بل هو مجسم الاجسام  
ومصور الصور وخالق الاعراض والجواهر ورب



كل شيء وما لكه وجاعله ومحدثه وان  
محمدًا عبده ورسوله خاتم النبيين فلا نبى  
بعده الى يوم القيمة واقول ان الخليفة و  
ولى الامور من بعده امير المؤمنين على بن ابى  
طالب ثم الحسن ثم الحسين ثم على بن الحسين  
ثم محمد بن على ثم جعفر بن محمد ثم موسى  
بن جعفر ثم على بن موسى ثم محمد بن  
على ثم انت موثق فقال عليه السلام ومن  
بعدي الحسن ابني - فكيف للناس بالخلف  
من بعده قال فقلت وكيف ذاك يا مولائي قال  
لانه لا يرى شخصه ولا يحل ذكره باسمه  
حتى يخرج فيملأ الارض قسطاً وعدلاً كما  
ملئت جوراً وظلماً فقلت اقررت واقول  
ان وليهم ولى الله وعدوهم عدو الله وطاعتهم  
طاعة الله ومعصيتهم معصية الله واقول ان  
المعراج حق والمسئلة في التبرحق وان  
الجنة حق والنار حق والصراط حق والميزان  
حق وان الساعة آتية لا ريب فيها وان الله  
يبعث من في القبور واقول وان الفرائض الواجبة  
بعد الولاية الصلوة والزكاة والصوم والحج  
والجهاد والامر بالمعروف والنهي عن المنكر



فقال علي بن محمد عليهما السلام يا ابا القاسم  
هذا والله دين الله الذي ارتضاه لعباده فاثبت  
عليه ثبتك الله بالقول الثابت في الحياة الدنيا  
والآخرة۔

ترجمہ حدیث اس جلیل القدر حدیث کی شرح دلبسط کے لیے تو ایک  
دفت درکار ہے لیکن ہم بہ تقاضائے وقت دگجائش  
صرف اس کے مطلب خیر ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

”حضرت شہزادہ عبدالعظیم بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار اپنے

مولا و آقا حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر  
ہوا۔ جب آنجناب نے مجھے دیکھا تو فرمایا مرحبا لے ابو القاسم!

تم ہمارے حقیقی موالی ہو۔ میں نے عرض کیا فرزند رسول! میں

چاہتا ہوں کہ اپنا دین و اعتقاد آپ کی خدمت میں پیش کروں

تاکہ اگر پسندیدہ ہو تو تازیت اس پر ثابت قدم رہوں (بصورت

دیگر اس کے عدول کروں) امام عالی مقام نے فرمایا ہاں لے ابو القاسم

پیش کرو! میں نے عرض کیا (توحید کے بارے میں) میرا یہ عقیدہ ہے

کہ خداوند عالم (ذات و صفات میں) واحد دیگمانہ ہے کوئی بھی اس کا

ہمسفر نظیر نہیں ہے وہ ابطال و تشبیہ کی دونوں حدود سے

خارج ہے [نہ تو وہ معطل محض یعنی معدوم ہے اور نہ ہی ذات و

صفات میں مخلوق کی مانند ہے] اور نہ وہ جسم و صورت رکھتا ہے

اور نہ ہی وہ عرض و جوہر کی قسم سے ہے بلکہ وہ جسم بنانے والا،

صورتوں کو صورت عطا کرنے والا اور اعراض و خواہر کا خالق ہے (پھر



خالق اپنی مخلوق اور صانع اپنی مصنوع کے ساتھ کیونکر متصف ہو سکتا ہے؟ وہ کائنات کی ہر چیز کا رب اور خالق و مالک ہے۔ اور نبوت کے متعلق میرا عقیدہ یہ ہے کہ جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ سبحانہ کے بندہ خاص، اس کے رسول اور تمام انبیاء کے سلسلہ مبارکہ کے ختم کمر نیوالے ہیں۔ اب قیامت تک ان کے بعد کوئی (نیا یا پرانا نبی بحیثیت نبی) نہیں آ سکتا (اور امامت کے بارے میں) میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسالت مآب کے بعد ان کے جانشین امام برحق اور ولی امر حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب ہیں۔ اُن کے بعد حضرت امام حسنؑ، اُن کے بعد امام حسینؑ پھر حضرت علیؑ بن حسینؑ پھر حضرت محمد بن علیؑ پھر حضرت جعفر بن محمدؑ پھر حضرت موسیٰ بن جعفرؑ پھر حضرت علی بن موسیٰؑ پھر حضرت محمد بن علیؑ اور اُن کے بعد آپ امام برحق ہیں۔ جب شہزادہ عبدالعظیم کا سلسلہ کلام یہاں تک پہنچا تو امام عالی مقام نے فرمایا۔ اور میرے بعد میرا بیٹا حسنؑ (عسکری) امام ہوگا۔ اور اُس وقت لوگوں کی کیا حالت ہوگی۔

جب حسن عسکریؑ کے خلیفہ (صالح) کا دور ہوگا۔ شہزادہ بیٹا کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا۔ میرا آقا اُس وقت کیا حالت ہوگی؟ امام نے فرمایا (بوجہ غیبت کبرے) نہ تو وہ دکھائی دیں گے اور اُن کے ظہور تک اُنکو اُن کے حقیقی نام (محمّد) سے یاد کرنا بھی ممنوع ہوگا۔

ہاں جب ظہور فرمائیں گے تو زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر



دیں گے۔ جس طرح اس سے قبل ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔

شہزادہ کا بیان ہے کہ میں نے (دیسکر) عرض کیا میں ان کی امامت و خلافت کا بھی استمرار کرتا ہوں (پھر اپنے عقائد کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے کہا) اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جو شخص ان ائمہ اہل بیتؑ کا دوست ہے وہ خدا کا دوست ہے اور جو ان کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ (جسمانی) معراج (رسولؐ) برحق ہے اور قبر میں سوال و جواب کا پھونا بھی برحق ہے اسی طرح جنت و جہنم کا وجود بھی برحق ہے۔

اسی طرح پل صراط اور اعمال کا میزانِ عدل پر تونا جانا بھی برحق ہے اور یہ کہ قیامت ضرور آئے گی اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ ایک دن ضرور خدا تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ولایت اہل بیتؑ کے بعد مندرجہ ذیل امور (اہم) واجب ہیں۔

نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔  
حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے (یہ اعتقادات حقہ سماعت فرما کر) فرمایا اے ابوالقاسم! خدا کی قسم! یہی وہ خدا کا (پسندیدہ) دین ہے جسے اُس نے اپنے بندوں کے لیے منتخب فرمایا ہے۔

[ان الدین عند الله الاسلام و من یبلغ غیر الاسلام

دینا فلن یقبل منه و هو فی الآخرة من الخاسرین]

اس پر ثابت قدم رہو۔ خدا تمہیں دنیا و آخرت میں اس پر ثابت قدم رکھے۔  
(عماد الاسلام ج ۱)



## [دوسرا باب: عقائد اسلام میں تحریف و بدعت کا بیان]

جیسا کہ پہلے باب کی ابتداء میں عرض کیا گیا ہے کہ اسلام جوں جوں اپنے چشمہ صافی سے دور ہوتا گیا توں توں اس میں کہیں فلسفہ کی غلاطت، کہیں علم کلام کی کدورت اور کہیں ذاتی خیالات و قیاسات کی گرد و غبار شامل ہوتی گئی۔ اور اس کا مقدس مہلیہ بگاڑتی گئی۔

مناسب سمجھا گیا کہ اس باب میں بڑے اختصار کے ساتھ ان کدورتوں اور کثافتوں کا اجمالی تذکرہ کر دیں تاکہ اصل و نقل میں امتیاز کرنا آسان ہو جائے اور پھر ان عقائد میں تحریفات و بدعات سے دامن بچانا سہل ہو جائے اور اصلی اسلام کا مقدس چہرہ اپنی پوری تابناکی کے ساتھ جو یان حق و حقیقت کے سامنے جلوہ گر ہو جائے۔

چنانچہ فاضل شبلی نعمانی اپنی کتاب علم الکلام کے ص ۱۵۸ طبع لاہور پر ان مسائل میں سے بعض کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”سب سے بڑی غلطی متاخرین سے یہ ہوئی کہ سینکڑوں وہ باتیں جن کو نفیاً یا اثباتاً مذہب اسلام سے چنداں تعلق نہ تھا۔ عقائد اسلام میں شامل کر لی گئیں اور علم کلام کا بڑا حصہ ان کے اثبات و استدلال میں صرف ہو گیا۔ شرح مواقف اور شرح مقاصد وغیرہ سے مسائل اعتقاد کا انتخاب کرو تو سینکڑوں تک تعداد پہنچے گی۔ حالانکہ ان میں سے جن کو عقائد سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ دہائی سے بھی کم ہوں گے۔ — نمونہ کے لیے ہم چند مسائل ذیل میں درج کرتے ہیں۔



(۱) صفات باری عین باری نہیں (۲) خدا کے ساتھ قیام حادث ممکن نہیں

ہے (۳) بقا ایک صفت وجودی ہے جو اصل وجود پر زائد ہے

(۴) سمیع و بصیر جو خدا کے اوصاف ہیں۔ تمام محسوسات سے متعلق

ہو سکتے ہیں۔ (۵) کلام باری میں کثرت نہیں بلکہ وہ واحد محض ہے

(۶) خدا کا کلام نفسی مسموع ہو سکتا ہے (۷) استطاعت قبل فعل

ہے (۸) معدوم کوئی شے نہیں۔ (۹) جسم شرط حیات نہیں (۱۰)

علیہ احتیاج حدوث ہے نہ امکان — دوسری غلطی یہ ہوئی

کہ بہت عقائد میں شارع نے جس قدر تصریح کی تھی اس پر اضافہ

کیا گیا۔ اور ان اضافوں کو جُزء عقیدہ قرار دیا گیا۔ اور چونکہ یہ ایجادات

اکثر دُور از کار تھیں اسلئے اُن کے ثابت کرنے میں ہر قسم کی سہولت

زوری صرف کی گئی جو بالکل رائیگاں گئی الخ

سینکڑوں میں سے صرف چند مسائل کی نشاندہی فاضل شبلی نے کی ہے اور

چند کی ہم کرتے ہیں۔

(۱) حقیقتِ مشرک کیا ہے؟ اس کے سمجھنے میں اخراط و تفریط سے کام لیا

گیا۔ (۲) اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عالم الغیب ہے یا نہیں؟ (۳) نبی و امام کا

علم کلی ہے یا مجزی؟ (۴) انبیاء و ائمہ انسانی نوع کے افراد کاملہ ہیں یا اُن

کی کوئی علیحدہ نوع ہے؟ (۵) نبی و امام حاضر و ناظر ہیں یا نہیں؟ (۶) خدا نے

نظام کائنات کا چلانا نبی و امام کے سپرد کیا ہے یا نہیں؟ (۷) وسیلہ کی ضرورت

ہے یا نہیں۔ اور وسیلہ کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ (۸) نبی و امام کے حق میں

غلو ممکن ہے یا نہیں؟ اور بالآخر نوبت بایں جا رسید کہ (۹) نبی و امام

کھاتے پیتے ہیں یا نہیں؟ (۱۰) نبی و امام کے زن و شوہر والے تعلقات کس



طرح ہوتے ہیں اور یہ کہ آیا وہ پیدا ہوتے ہیں یا بنے بنائے آسمان سے نازل ہوتے ہیں؟ تو آئیے ذیل میں پہلے شرک کی مذمت، اسکی حقیقت اور اسکی اقسام پر قدرے تفصیل کے ساتھ اور باقی مسائل پر قدرے اختصار کے ساتھ کچھ گفتگو ہو جائے۔

## شرک کی مذمت اور اسکی حقیقت

جاہلی دور کے بقیۃ السیف  
اُن غلط عقائد و نظریات

میں سے جو اسلام کی کفر کش اور شرک شکن تلوار سے نچ گئے اور بدقسمتی سے عالم اسلام کی اکثریت اُن کی زد میں آگئی۔ ایک مسئلہ شرک بھی ہے۔ اسلام میں شرک کو اکبر المجرم اور ناقابل معافی جرم دگنہ قرار دیا گیا ہے جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَخْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَخْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (القرآن)

”خداوند عالم (بلا توبہ) شرک کو ہرگز معاف نہیں کرتا۔ اسکی علاوہ جو گناہ ہیں جو جسے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے“ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر قسم کے شرک سے پاک عقیدہ توحید ہی اسلام کا طرہ امتیاز ہے ورنہ خداوند عالم کی ذات پر جمال اعتقاد و ایمان تو اسلام سے پہلے بھی تمام مذاہبِ ادیان میں موجود تھا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَیْسَ سَآءَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَیَقُوْلَنَّ اللّٰهُ  
(اگر تم ان سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً کہیں گے اللہ نے)  
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے فرمایا۔

من مات ولم یشرک باللہ شیئاً دخل الجنة

”جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس نے کسی چیز کو خدا کا شریک قرار نہ دیا ہو



وہ بلاشبہ جنت میں داخل ہوگا۔ (توحید شیخ صدق)

دوسری حدیث میں یوں فرمایا۔

مَنْ مَاتَ يَشْرِكُ بِاللَّهِ دَخَلَ النَّارَ

جو شخص اس حال میں مرے کہ شرک کرتا ہو وہ جہنم میں داخل ہوگا۔

(بخاری ج ۲)

قرآن مجید میں بھی ہے

مَنْ يَشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ

جو شخص شرک کرے خدا نے اس پر جنت حرام قرار دیدی ہے۔  
اس کے باوجود امت مرحومہ کی اکثریت کسی نہ کسی رنگ میں شرک جیسے

مہلک مرض میں مبتلا ہے خود خدا نے علیم و خیر خبر دیتا ہے کہ

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ الْآدَمُ مَشْرِكُونَ

(سورہ یوسف رکوع ۶)

اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے مگر اس حالت میں کہ وہ مشرک بھی ہوتے

ہیں۔

خلاصہ یہ کہ غیر اللہ کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو صرف خداوند عالم کے

ساتھ روا رکھنا چاہیے۔ وہ شرک ہے۔

اس شرک کی کئی قسمیں ہیں (۱) شرک جلی (۲) شرک  
خفی۔ پھر ان دونوں قسموں کے آگے کئی کئی

**شرک جلی و خفی**

قسمیں ہیں۔ اس موضوع کی اہمیت کے پیش نظر بڑے اختصار کے ساتھ

ذیل میں ان اقسام کا اجمالی تذکرہ کیا جاتا ہے۔ [تفصیل کے خواہشمند

حضرات ہماری کتاب احسن الفوائد کی طرف رجوع فرمائیں]



## شُرکِ جلی کے چہارگانہ اقسام کا بیان | شرکِ جلی کی چار قسمیں ہیں

اہدی، حی لایموت خدائے واجب الوجود کی ذات والا صفات میں کسی اور کو شریک قرار دینا۔ حالانکہ وہ واحد و یکتا ہے **ثُلُّهُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ**۔

(۲) شرکِ صفاتی۔ یعنی خدا کی صفات حقیقیہ میں کسی کو شریک قرار دینا۔ چونکہ خداوند عالم کی صفات حقیقیہ ذاتہ عین ذات میں یعنی ذات و صفات میں کبھی جدائی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اس مرحلہ میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔ باقی جس قدر مخلوق ہے اس کی صفات کمالیہ زائد بذات ہیں۔ جس طرح اس کی ذات تخلیق خالق کا نتیجہ ہے اسی طرح اس کی صفات بھی عطیۃ الہی کا ثمر ہے۔

(۳) شرکِ افعالی۔ یعنی اللہ کے اُن کاموں میں کسی کو شریک قرار دینا۔ جن کاموں پر کوئی بھی مخلوق من حیثہ المخلوق قادر نہیں ہے۔ جیسے خلق کرنا، رزق دینا، مارتا، جملانا، اور بیمار کو شفا دینا (وغیرہ افعال تکوینیہ)۔ ارشاد قدرت ہے۔

اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ ذَرٰکُمْ تُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یَحْیِیْکُمْ  
هَلْ مِنْ شَرِّکَآئِکُمْ مَنْ یَفْعَلُ مِنْ ذٰلِکُمْ دِیْنًا شَیْءٌ  
سُبْحٰنَہٗ وَتَعَالٰی عَمَّا یُشْرَکُوْنَ ۝ (پ ۲ سورہ روم ع)

اللہ وہی تڑ ہے۔ جس نے پہلے تمہیں پیدا کیا پھر رزق دیا۔ پھر تمہیں موت کا ذائقہ چکھائے گا اور پھر تمہیں زندہ فرمائے گا۔ جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو۔ ان میں کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام کر سکے۔ خدا مشرکوں کے شرک سے پاک پاکیزہ ہے۔



لہذا اللہ کے سوا کسی کو خالق و رازق، مہی و مہمیت اور شافی الامرین و قاضی الحاجات جاننا شرکِ افعالی ہے۔  
 رہا شرکِ عبادتی۔ یعنی مقامِ عبادت میں کسی کو خدا کا شریک قرار دینا۔ خدا کی طرح اُسکی عبادت کرنا اور اُسی کی طرح شکر و مصائب میں اُسے پکارنا ارشاد قدرت ہے۔

وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا،

(سورہ نون)

خدا ہی کی عبادت کرو۔ اور اُسکی ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

نیز ارشاد باری ہے

وَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا  
 وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا

(پس سورہ کہف ع ۳)

”جو شخص اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضری کی امید رکھتا ہے اُسے چاہیے کہ نیک عمل بجالائے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔“

شرکِ جلی کی انہی چار قسموں کو (۱) ربوبیت میں شرک اور (۲) الوہیت میں شرک بھی کیا جاتا ہے یعنی ”شرکِ ربوبی“ یہ ہے کہ غیر اللہ کو اللہ کی تقدیر و تدبیر۔ یعنی ان امور میں شریک قرار دیا جائے۔ جن کا تعلق نظامِ ربوبیت کے ساتھ ہے جیسے مالکانہ تصرفات کرنا، پیدا کرنا، اور رزق دینا وغیرہ اور ”شرکِ الوہی“ یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کی جائے یا اُسکی دعا مانگی جائے (جو کہ صحیح عبادت ہے) کیونکہ عبادت دعا کا حقدار



صرف پروردگار ہے جو کہ **اَيَّاكَ نَعْبُدُ وَاَيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ** کا مفاد ہے  
**شُرکِ خفی کے ذہ کا نہ اقسام** | اس قسم کی پھر بہت سی ذیلی قسمیں  
 ہیں۔ جیسے

۱: شرکِ توکل: اہل ایمان کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام امور میں  
 ذات پروردگار پر توکل و اعتماد کریں۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے  
**وَ عَلٰی اللّٰهِ قَلِيْنًا** تَبٰرَكَ الَّذِیْ مَخْلُوْعٌ مِنْهُ

اہل ایمان کو چاہیے کہ صرف اللہ پر توکل و بھروسہ کریں۔ لہذا  
 غیر اللہ پر بھروسہ کرنا شرکِ توکل ہے۔

(۱) چنانچہ ایک روایت میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کے ذمہ  
 کوئی کام لگائے اور وہ یاد دہانی کی خاطر اپنے کپڑے کو گرہ دیدے تو  
 اُس نے شرک کا ارتکاب کیا ہے (تفسیر صافی)

(۲) دوسری روایت میں مروی ہے کہ اگر کوئی آدمی کہیں جا رہا ہو اور  
 دوسرا اُسے کہے کہ فلاں کام کرتے آنا اور وہ یاد آوری کے لیے انگوٹھی  
 تبدیل کرے (ایک انگلی سے اتار کر دوسری میں پہن لے) تو یہ بھی شرک  
 کا مرتکب ہو رہا ہے۔ (عین الحیات)

یہ کیوں شرک ہے؟ محض اسلئے کہ اُس آدمی نے یاد آوری کے لیے  
 محض غیر اللہ (گرہ یا انگوٹھی کی تبدیلی) پر بھروسہ کیا ہے اور سببِ سبب پھر بھی شرک ہے۔

(۳) ایک روایت میں معصوم سے منقول ہے کہ اگر کوئی شخص یوں کہے  
 کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو میں ہلاک ہو گیا تھا۔ یہ شرک ہے۔ بلکہ اُسے  
 یوں کہنا چاہیے کہ اگر خداوند عالم فلاں آدمی کے ذریعہ سے مجھ پر احسان نہ  
 کرتا تو میں برباد ہو جاتا۔ (تفسیر صافی)



۱۲۔ شُرکِ امری :- چونکہ حقیقی آمر و ناہی خدا تعالیٰ ہی ہے

اُسی کا امر و نہی چلتا ہے جیسا کہ اُس کا ارشاد ہے

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ — أَلَا لَهُ الْحُكْمُ

انبیاء و اوصیاء بھی اُسی کے اُدا امر و ناہی پر عمل کرنے کو کہتے ہیں اور...

انہیں نافذ کرانے کے لیے آتے ہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی اور کو اس مرتبہ میں اللہ کا شریک قرار دے تو وہ مشرک ہے۔ کیونکہ لا طاعۃ لخلق

فی معصیۃ الخالق۔

۱۳۔ شُرکِ نفعی و ضروری :- چونکہ نفع و نقصان پہنچانا خدا

دو جہان کے قبضہ قدرت میں ہے جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔

إِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ

وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔

(پارہ ۷ ص ۸۰ سورۃ الانعام رکوع ۸)

۱۔ اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اُس کے سوا کوئی اُس کا دفع کرنے والا نہیں ہے۔ اور اگر وہ تم کو کوئی خیر بخوے پہنچائے تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

أَمَّا يَجِدُ الْمَضْطَرَّ إِذَا دَعَا كَأَن يَكْشِفُ السُّوءَ

لہٰذا اگر کوئی شخص کسی اور ہستی کو نفع و نقصان کا مالک جانتا ہے اور

اسے خائف و ہراساں ہوتا ہے تو وہ مُشرک ہے۔

۲۔ شُرکِ اطاعتی :- چونکہ اصل بالذات اطاعت صرف خالق و مالک

کی جائز ہے یا ان ہستیوں کی جن کی اطاعت کا وہ حکم دے (کہ فی الحقیقت

یہ اُسی کی اطاعت ہے) لہٰذا جن لوگوں کی اطاعت کا خدا نے حکم نہیں دیا



اُن کی اطاعت کرنا اور اُن کو مادی و راہنما تسلیم کرنا شرک ہے۔

۵: شُرک تشبیہی :- چونکہ خداوند عالم ذات و صفات اور دوسرے

تمام کمالات میں بے مثل و بے مثال ہے۔ لہذا جو شخص اس کو مخلوق کی طرح جسم دار اور صاحبِ اعضاء و جوارح قرار دیکر تشبیہ دے وہ مشرک ہے۔

چنانچہ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں

« مَنْ شَبَّهَ اللَّهَ بِخَلْقِهِ فَهُوَ مُشْرِكٌ »

یعنی جو شخص خدا کو اس کی مخلوق سے تشبیہ دے وہ مشرک ہے۔

(عمیون الاخبار)

۶: شُرکِ ہوائی پرستی :- جب ایک مسلمان اپنی نماز میں یہ

اترار کرتا ہے کہ «إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ»، (پُر دگاما میں تیری ہی پرستش کرتا ہوں اور تجھ سے ہی مدد مانگتا ہوں)۔

تو اس کے لیے یہ ہرگز روا نہیں ہے کہ گناہ کرتے وقت خنزیر شہوت اور غصہ کے وقت کلبِ غضب اور جمع مال کے وقت دیو حرص کے سامنے رکوع و سجود کرتا ہوا نظر آئے۔ یہ ہوائی و ہوس پرستی شرک ہے ارشادِ قدرت ہے۔

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَبَّهَ النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ

فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ

(القرآن)

۷: شُرکِ سببی و مسببی :- اس میں تو کوئی شک و شبہ

نہیں کہ خدائے حکیم نے اس عالم اسباب کی بنیاد اسباب و مسببات پر رکھی ہے یعنی ہر چیز کے وجود کو کسی دوسری چیز کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے۔



جیسے اولاد کے وجود کو مرد و زن کے اجتماع سے مال و دولت کو محنت و کام کرنے سے اور شفا یابی کو علاج و معالج سے مربوط کر دیا ہے مگر ایک موجد کی نظر مسبب الاسباب پر ہوتی ہے اسباب پر نہیں ہوتی یہ اسباب اس وقت اثر انداز ہوتے ہیں جب خدا کا اذن ہوتا ہے ورنہ کہنا پڑتا ہے ع

اُلٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوانے کا کام کیا۔  
لہذا علل و اسباب کو اثر و تاثیر میں مستقل جاننا بھی شرک خفی کی ایک قسم ہے لہذا اس کے بھی اجتناب لازم ہے۔  
۱۸۔ شرک قسمی :- امام محمد باقرؑ اور دوسرے ائمہ طاہرینؑ سے مروی ہے کہ منجملہ شرک خفی کے اللہ کے سوا کسی اور مخلوق کی قسم کھانا بھی ہے۔ (تفسیر عیاشی)

نیز امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں۔

”ومن ذالک قول الرجل وحياتک“  
اس شرک خفی سے ہے آدمی کا یہ کہنا کہ ”تیری زندگی کی قسم“ (تفسیر عیاشی) لہذا اس کے بھی دامن بچانا چاہیے (خدا کا معاملہ اس کے مختلف ہے وہ اپنی مخلوق میں سے جس چیز کی چاہے قسم کھائے۔ مگر مخلوق کے لیے اپنے خالق کے سوا اور کسی چیز کی قسم کھانا جائز نہیں ہے۔ وغیرہ)  
(تفسیر صافی)

۱۹۔ شرک شکونی، کسی چیز سے شکون بدلیں۔ مثلاً کسی

کام کے لیے جارہے ہوں اور کوئے کی آواز کانوں میں پڑ جائے یا آٹو گھر کی منڈری پر بیٹھ جائے یا ۱۳ کے عدد سے واسطہ پڑ جائے یا اشارہ



راہ میں کوئی پرندہ دائیں یا بائیں جانب سے پرواز کر کے گزر جائے یا اتوار و بدھ کی رات کو بیمار پرسی کرنا یا عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے درمیان شادی کرنا وغیرہ وغیرہ۔ اگر کوئی آدمی ان باتوں سے شگون بد لے اور سفر سے لوٹ آئے۔ اور ان امور کو اپنی ناکامی و نامرادی میں موثر قرار دے تو یہ بھی شرک خفی ہے۔ — پیغمبر اسلام نے شگون بد لینے کو شرک قرار دیا ہے (فرمایا الطیورۃ شرک) (حیوۃ الحیوان ج ۲ ص ۶۶)

بلکہ حق تو یہ ہے کہ تاریخوں کی سعادت و نحوست کو اس قدر اہمیت دینا کہ ان کی وجہ سے ضروری کام معطل ہو کر رہ جائیں اور انہیں کامیابی و ناکامی میں موثر سمجھنا بھی اسی زمرہ میں داخل ہے۔ جنگ نہران کی رات تشریف لے جاتے وقت منجم کا جناب امیر علیہ السلام کو روکنا۔ اور یہ کہنا کہ یہ ساعت نیک ہے۔ مگر آنجناب کا اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تشریف لے جانا۔ اور پھر منظر و منصور ہو کر واپس لوٹنا ایک مشہور واقعہ ہے۔

اور دوسری کتابوں کے علاوہ خود بیچ البلاغہ میں مذکور ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر ان باتوں سے کسی آدمی کے دل و دماغ میں کسی قسم کا کوئی غلط خیال پیدا ہو۔ تو اس کا علاج تو کمال برحسہ ہے۔ جیسا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آباؤ اجداد کے سلسلہ سند سے روایت کی ہے۔

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

كفارة الطيرة التوكل

کہ شگون بد کا کفارہ خدا پر بھروسہ ہے (روضہ کافی ص ۲۳۶)

محدث جزائری مرحوم نے انوارِ نعمانیہ میں سعادت و نحوستِ آیام کی طویل بحث کے بعد فرمایا ہے کہ ان سب چیزوں کا علاج دو چیزیں



میں ہے ایک صدقہ دینے میں اور دوسرا خدا پر توکل و اعتماد کرنے میں۔

وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ

۱۰۔ شرک بدعی :- جو شخص کسی من گھڑت بات (بدعت فانی)

کو تقرب الہی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور خود بھی اس پر عمل کرتا ہے اور لوگوں کو بھی اس کی طرف بلاتا ہے۔ اور اسی چیز پر لوگوں سے محبت یا نفرت کرتا ہے وہ مشرک ہے۔ خدا فرماتا ہے۔

عَلَى اللَّهِ أَذِنَ لَكُمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ

(کیا؟ اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے یا تم اللہ پر افتراء پڑاؤں گے؟)  
خداوند عالم تمام اہل اسلام کو بالعموم اور اہل ایمان کو بالخصوص ہر قسم شرک سے محفوظ رکھے۔ انہ شلی کل شیء تدیرہ بالاجابة  
جَدِيدٌ

توحید کی اس قدر اہمیت اور شرک کی خوفناک مذمت کے بعد ایک درد دین رکھنے والے مسلمان کا رویہ کیا ہونا چاہیگا۔ یہی کہ وہ ... توحید کے دامن کو پوری مضبوطی سے تھامے اور شرک سے کھلی اجتناب کرے۔ نہ ہر چونکہ زندگی کا قاتل ہے تو وہ ہر وہ شخص جسے زندگی عزیز ہوتی ہے وہ نہ ہر کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔ بلکہ جس چیز کو نہ ہر کے چھو جانے کا بھی خیال ہو اس کے بھی قریب نہیں جاتا۔ تو جس شخص کو اپنا ایمان عزیز ہے اور وہ جانتا ہے کہ شرک سے ایمان کی موت واقع ہو جاتی ہے کیا وہ ہر قسم کے شرک سے دور نہیں بھاگے گا؟ یقیناً بھاگے گا۔

اور جس چیز میں اسے شرک کا شائبہ بھی نظر آئے گا وہ اس کے قریب بھی نہیں جائیگا اور کسی تاویل علیہ یا لفظی تہیر پھیر کا قطعاً سہارا نہیں



نہیں لے گا۔

واللہ ہادی الی سوار السبیل وهو خیر دلیل۔

## علم غیب والا عقیدہ

یہ مسئلہ ادائیل اسلام میں اسلامی عقائدات و سننات میں سے تھا کہ خدا کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں مگر بعد میں رفتہ رفتہ اسے اختلاف امت کی آماجگاہ بنا دیا گیا۔ بعضوں نے کہا کہ انبیاء علم غیب جانتے ہیں۔ بعضوں نے کہا اوصیاء بھی جانتے ہیں۔ اور بعضوں نے یہاں تک کہا کہ عام اولیاء و اقلیاء بھی جانتے جو لوگ اس سلسلہ میں موثر گامیاں کرتے ہیں اور دخل در معقولات دیتے ہوئے کج بحثیاں کرتے ہیں اگر ان کو صرف غیب کی حقیقی اور جامع تعریف ہی معلوم ہو جاتی تو ان پر واضح ہو جاتا کہ خدا کے سوا کسی کو عالم الغیب کہنا درست نہیں ہے۔

الغیب ما لا یتناولہ الحواس من الامور کائنۃ فی

الحال او الماضی او الاستقبال۔

یعنی غیب ان امور کے جاننے کو کہتے ہیں جن کے علم و ادراک سے ہر قسم کے مادی حواس و ظاہری ذرائع قاصر ہوں۔ ان کا تعلق خواہ زمانہ حال سے ہو یا ماضی اور خواہ استقبال سے۔

(ملاحظہ ہو شرح اصول کافی از علامہ ماژندرانی)

بنا بریں ظاہر ہے کہ صرف خدا کے علم کو ہی علم غیب کہا جاسکتا ہے



مخلوق کا وہ علم جو ریل و نجوم وغیرہ سے حاصل ہو یا کسی دُور بین یا کسی اور ذریعہ سے حاصل ہو وہ علم غیب نہیں ہے۔

پناچہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے کہ

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ

(پس سورۃ نمل ص ۱)

ترجمہ: کہہ دو جو کوئی بھی آسمانوں میں ہے یا جو کوئی زمین میں ہے اللہ کے سوا کوئی بھی غیب نہیں جانتا۔

عام مخلوق کی غیب دانی کی اس عمومی نفی کے اعلان کے بعد...  
خدا نے حکیم نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان حق  
ترجمان سے اُن کے عالم الغیب ہونے کی نفی کا اعلان یوں کرایا ہے  
قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ

وَلَا أَقُولُ أَنِي مُلْكٌ ۖ إِنِ اتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ

(پارہ ۱ سورہ النعام ص ۱۱)

(ترجمہ)

(اے رسول) کہہ دو کہ میں تم نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے  
خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں۔ اور نہ یہ کہتا ہوں  
کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھے  
وحی ہوتی ہے۔

اس واضح اعلان سے ذاتی اور عطائی غیب کی حقیقت بھی کھل جاتی  
ہے۔ بھلا جب آنحضرت نے اعلان کر دیا کہ میں علم غیب نہیں جانتا۔  
تو پھر یہ ذاتی اور عطائی کی تقسیم کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔

ہاں! خداوند متعال جس قدر مناسب سمجھتا ہے اپنے مقرب بارگاہ بندوں



(نبیوں اور اماموں) کو بعض گزشتہ و آئندہ واقع ہونے والے امور کی اطلاع دیدیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے۔

عِلْمُ الْغَيْبِ فَلَا يُنْظَرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا ۖ إِلَّا مَنِ  
(۱۲) (پس جس نے اس سے سوال کیا۔)

» خدا عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر جس رسول کو منتخب کرے۔“

یا جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيُظْهِرَ عَلَى الْغَيْبِ شَيْئًا مِّنْ دُونِ رَسُولِهِ  
(پارہ ۲ سورہ آل عمران ۷۸) ترجمہ: اللہ تم کو غیب پر مطلع نہیں کرتا وہ تو اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔“

مگر اہل علم و دانش جانتے ہیں کہ اسے غیبی امور پر اطلاع کہا جاتا ہے علم غیب نہیں کہا جاسکتا اور نہ ہی اس کے عالم کو عالم الغیب کہا جاسکتا ہے ورنہ ہم سب عالم الغیب کہلا سکتے ہیں کیونکہ ہم بھی تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ کے بتانے سے اور وہ خدا کے بتانے سے سب جانتے اور مانتے ہیں کہ جنت برحق ہے، دوزخ برحق ہے، نیکرین کا سوال و جواب برحق ہے، قیامت برحق ہے، میزان برحق ہے۔

اور اسی طرح قیامت کے دوسرے تفصیل جو قرآن و حدیث میں مذکور ہیں برحق ہیں۔ اسی طرح سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا دفتر احادیث کھنگال ڈالیں۔ اس میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ملے گی جس میں ان ذوات مقدسہ پر ”علم الغیب“ کا اطلاق کیا گیا ہو۔ اس کے برعکس احادیث



میں بڑے شد و مد کے ساتھ اس نظریہ کی نفی کی گئی ہے۔

چنانچہ اصول کافی اور سابع بحار الانوار وغیرہ میں ان ذواتِ قادسہ کی غیب دانی کی نفی پر پورے پورے باب موجود ہیں جن کا عنوان ہے ”وہ انہم علیہم السلام لا یعلمون الغیب“ پھر ان ابواب میں چہار دہ معصومین علیہم السلام کے متعدد و مستند ارشادات مذکور ہیں جن میں ان کے عالم الغیب ہونے کی بالہر حال نفی کی گئی ہے۔ ————— بہ نظر اختصار ان تمام ارشادات کو چھوڑ کر

صرف امام زبائے عجل اللہ فرجہ الشریف کی توقیع مبارک کا ایک جزء پیش کرنے کی سعاد حاصل کی جاتی ہے فرماتے ہیں۔

فاشهد الله الذي لا اله الا هو وكفى به شهيدا ورسوله  
حمداً صلى الله عليه وآله وعلية وكتبه وانبياؤه  
واوليائه عليه السلام واشهدك كل من سمع  
كتابي هذا اني بربي الى الله والى رسوله ممن  
يقول انا نعلم الغيب، (اجتہاج طبرسی ص ۲۲۵ طبع النجف)

”میں اس خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ اور وہ گواہی کے لیے کافی ہے، اس کے رسول برحق کو، اس کے فرشتوں، اس کے نبیوں اور ولیوں علیہم السلام کو گواہ بنا کر اور تجھے اور ہر اس شخص کو گواہ قرار دیکر کہتا ہوں جو میرے مکتوب پڑھے کہ میں ان لوگوں سے برحق و نیز اس میں جو یہ کہتے ہیں کہ ہم ”عالم الغیب“ ہیں۔“

ہمارے علماء اسلام کے اقوال سے علم کلام کی کتابیں چھلک رہی ہیں جنہوں نے ثابت کیا ہے کہ خدا کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے یہاں بطور نمونہ ایک جلیل القدر عالم کی فرمائش پیش کی جاتی ہے اور وہ ہیں امین الاسلام علامہ طبرسی۔ وہ اپنی تفسیر مجمع البیان ج ۳ ص ۳۱۳ طبع ایران جدید میں رقمطراز ہیں۔



”ووجدت بعض المشائخ مهن يتسم بالعدوان والتشيع  
 قد ظلم الشيعة الامامية في هذه الموضوع من تفسيره فقال  
 هذا يدل على ان الله سبحانه يذنبهم بعلم الغيب خلافا  
 في تفهول الرافضة ان الائمة يعلمون الغيب ولا شك  
 انه عفى بذلك من يقول بامامة الاثنا عشر دين  
 بانهم افضل الانام بعد النبي فان هذا دأبه ودينه  
 فيهم يشنع في مواضع كثيرة من كتابه عليهم وليسب  
 الفضائح والقبائح اليهم ولا تعلم احدا منهم استجاز  
 بوصف بعلم الغيب لاحد من الخلق فانما يستحق ...  
 الوصف بذلك من يعلم جميع المعلومات لا يصح  
 مستناده وهذا صفة القديس سبحانه لعالم  
 بذاته لا يشركه فيه احد من المخلوقين ومن  
 اعتقد ان غير الله سبحانه يشركه في هذه الصفة  
 فهو خارج عن ملة الاسلام — (الى ان قال) ومن  
 هذا الاسبب صريح وتضليل لهم وكفير-

(تفسير مجمع البيان ص ۳۱۳ طبع تهران ص ۵)

بذیل آیت مبارکہ لله غیب السموات والارض و لیه يرجع الامر  
 کله فاعبدہ و توکل علیہ و ماربک بغافل عما تعملون۔

(پ سورہ ہود۔ رکوع ۸)

ترجمہ: ”میں نے بعض مشائخ کو پایا ہے جو کہ ظلم و زیادتی اور ظلم  
 و تشیع کرنے کے عادی ہیں انہوں نے اس مقام پر بھی شیعہ امامیہ



ظلم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ عالم غیب خدا تعالیٰ کے سامنے مختص ہے اور اس سے رافضیوں کے نظریہ کی تردید ہو جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ علم غیب جانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس ظالم کی رافضیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ائمہ اثنا عشر کی امامت کے قائل ہیں اور ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے بعد تمام لوگوں سے افضل جانتے ہیں۔ کیونکہ اس شخص کا رد یہی ہے کہ اپنی کتاب میں اکثر مقامات پر ان کو اسی لب لہجہ کے ساتھ یاد کر کے ان پر طعن و تشنیع کرتا ہے۔ اور تمام شائع و قبائح کو ان کی طرف منسوب کرتا ہے۔ حالانکہ ہمیں کوئی ایک شیعہ بھی ایسا معلوم نہیں جس نے کسی مخلوق کو عالم الغیب کہنے کی اجازت دی ہو۔ کیونکہ اس وصف (عالم الغیب ہونے) کا مستحق وہ ہوتا ہے جو تمام معلومات کو اپنے ذاتی علم کے ذریعہ جانتا ہو نہ کہ علم مستفاد و مستعار کے ساتھ۔ اور یہ صرف خدا تعالیٰ کی صفت ہے جس کا علم ذاتی ہے اس وصف میں اس کی کوئی مخلوق بھی اس کی شریک نہیں ہے۔ اور جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ کوئی مخلوق اس وصف میں خدا کے ساتھ شریک ہے تو وہ ملت اسلام سے خارج ہے۔ جو شخص ان کی طرف یہ نسبت دیتا ہے وہ کھلم کھلا ان کو گالی دیتا ہے اور ان کی تفصیل و تکفیر کرتا ہے۔



بہر نوع خدا کے قرآن، چہارہ معصومین علیہم السلام کے فرمان اور علماء  
اعلام کے کلام حق ترجمان سے جو چیز پایہ ثبوت کو پہنچی ہے وہ یہ ہے کہ  
عالم الغیب کا اطلاق صرف اس ذات والا صفات پر کیا جاتا ہے جس کا علم  
اپنا ذاتی ہو اور وہ بھی کلی و احاطی ہو۔ کس قدر انقلاب زمانہ ہے کہ کبھی تو  
وہ دور تھا کہ اگر کوئی شخص شیعوں کی طرف یہ نسبت دیتا تھا کہ وہ ائمہ اہل بیت  
کے عالم الغیب ہونے کے قائل ہیں تو وہ ظالم، ستم کار اور مذہب حق  
کا دشمن قرار دیتے تھے۔

اور آج نہ صرف عوام بلکہ نام نہاد خواص کی یہ حالت ہے کہ جو ان کے  
علم غیب کی نفی کرتا ہے اسے مقصر کہتے ہیں۔ اور جو ان کو عالم الغیب جانتا ہے  
اس کو عارف المعارف قرار دیتے ہیں۔

انقلابات ہیں، زمانے کے

پس معلوم ہوا کہ خدا کا علم عین ذات اور غیر محدود و غیر متناہی ہے  
اور کوئی محدود و متناہی مخلوق، خالق کے غیر محدّد و علم کا احاطہ نہیں کر



سکتی مگر جتنی مقدار وہ خود چاہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔

وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (پارہ ۱۰ سورہ بقرہ ۱۷۰)

اور یہ علم قابل اضافہ وازد یاد ہے۔ جس میں خدا تعالیٰ برابر اضافہ کرتا رہتا ہے۔ "فَلْذَرْنِيْ عَمَلًا" ایسا نہیں ہے کہ خدا نے ایک ہی بار سب کچھ دیدیا ہے اور اس کے بعد ادھر کا ظرف خالی ہو گیا اور...  
ادھر کا دامن پُر (العیاذ باللہ)

اسی بیان سے کُلی و جُزئی کا فیصلہ بھی ہو جاتا ہے۔ اس موضوع کے باقی تفصیلات معلوم کرنے کے لیے ہماری کتاب اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ کی طرف رجوع کیا جائے۔

## [نوع نبی امام والا عقیدہ]

قرآن و اشکاف الفاظ میں اعلان کر رہا ہے کہ نبی و امام بشر و انسان ہوتے ہیں۔

إِنِّيْ خَالِقُ بَشَرًا مِّنْ طِينٍ

”میں مٹی سے ایک بشر یعنی ابوالبشر آدمؑ کو پیدا کرنے والا ہوں“  
خود انبیاء و مرسلین کہتے ہیں کہ وہ بشر و انسان ہیں۔

(”قَالَتْ لَئِنْ لَّمْ يَدُسُّهُمُ الْخُطُّ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“)

[رسولوں نے کہا یہ درست ہے کہ ہم بھی بشر ہی ہیں]  
خود بانی اسلام اعلان کرتے ہیں کہ ”وَإِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ“  
(کہ میں تمہاری مانند بشر ہوں)

ائمہ طاہرین فرماتے ہیں ”نَحْنُ النَّاسُ“ (کہ حقیقی انسان ہم ہیں)



(بحار الانوار و مرآة الانوار و غیرہ)

عقل کہتی ہے کہ جو انسانوں کا ہادی و راہنما بن کر آئے اُسے انسان ہی ہونا چاہیے ورنہ اس کا قول و فعل انسانوں کے سندنہ ہوگا۔ مگر کچھ عقل و خرد کے دشمن ایسے بھی ہیں جو بموجب ”مدعی سست و گواہ چست“ خدا و مصطفیٰ اور انبیاء و ائمہ ہدائے کو جھٹلا کر بھی طوطے کی طرح بلا سوچے سمجھے برابر یہی رٹ لگا رہے ہیں کہ ان ذوات مقدسہ کی نوع جداگانہ ہے وہ بشر و انسان۔۔۔ نہیں ہیں۔ وہ صرف بشریت کا جامہ پہن کر آئے ہیں ورنہ دراصل وہ کچھ اور ہیں۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

بھلا جب تمام اجناس و انواع عالم میں سے اشرف اعلیٰ نوع انسانی نوع ہے ارشاد قدرت ہے۔

وَلَقَدْ حَكَّمْنَا بَنِي آدَمَ (الفرقان)

”ہم نے عظمت و کرامت کا تاج بنی آدم کے سر پر رکھ دیا ہے۔“

اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام اسی افضل انسانی نوع کے افضل و اعلیٰ اور اعلیٰ افراد ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ انسانی نوع میں داخل ہونے سے ان کا دوسرے لوگوں کے برابر ہونا لازم نہیں آتا۔ کیونکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہر ہر نوع میں افضل و مفضول اور اعلیٰ و ادنیٰ افراد موجود ہوتے ہیں۔ اسلاف و نسل بھی انسان ہے اور ہنقہ بھی انسان۔ تو کیا دونوں برابر ہیں؟ کیا مؤمن و کافر برابر ہیں؟ کیا عاقل و بے عقل برابر ہیں؟ اور کیا عالم و جاہل برابر ہیں؟ اور کیا نیکو کار و بدکار برابر ہیں؟

جب نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر عام لوگ اور انبیاء و ائمہ کس



طرح برابر ہو سکتے ہیں ص

ایں زمین آسمانے دیگر است

افضل و اعلیٰ نوع سے خارج کر کے انکو کسی ادنیٰ اور پست نوع میں داخل کرنا احمقانہ اقدام تو ہو سکتا ہے مگر اسے کسی طرح بھی عاقلانہ کام نہیں کہا جاسکتا۔۔۔۔۔ دعا ہے کہ خداوند عالم محبت اہل بیت کے ان دعویداروں کو عقل و ہوش سے کام لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ اسے موضوع کی مزید تفصیلات معلوم کرنے کے خواہش مند حضرات ہماری کتاب ”احسن النوائذ فی شرح العقائد“ کی طرف رجوع فرمایا جب یہ حقیقت ثابت ہے کہ یہ بلند و بالا ہستیاں انسان اور حقیقی انسان ہیں تو اس کے یہ بات بھی خود بخود واضح و عیاں ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کو بھوک و پیاس بھی لگتی ہے اور سردی و گرمی بھی۔ ارشاد قدرت ہے۔

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَا يَأْكُلُونَ الطَّعَامَ

”ہم نے ان کو ایسا جسم نہیں دیا جو طعام نہ کھاتے ہوں۔“ ویسے عقلاً بھی یہ بات روز روشن کی طرح آشکارا ہے کہ اگر انکو بھوک و پیاس اور سردی و گرمی کا احساس نہ ہوتا تو پھر ان کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے باعث تقلید و تاسی نہ ہوتا۔ اور ان کا سردی و گرمی میں روزہ رکھنا نماز پڑھنا، مصائب پر صبر کرنا، شدائد پر اُف نہ کرنا، اور سب سے بڑھ کر تین تین دن کی بھوک و پیاس برداشت کرنا مگر حق کا دامن نہ چھوڑنا اور باطل کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرنا۔ کوئی قابل ذکر اور لائق فخر کا زمانہ ہی نہ ہوتا۔ یہ سب کچھ اسی وقت باعث اجر و ثواب قابل فخر کا زمانہ ہو سکتا ہے



کہ جب بہ تقاضائے بشریت انکو بھوک و پیاس بھی لگتی ہو۔ اور سردی و گرمی کا احساس بھی ہوتا ہو۔ اور روحانی و جسمانی ایذا و رسانی پر اُن کو کرب و اَلَم بھی بھی محسوس ہوتا ہو۔ اور پھر محض خدا کی خاطر حق کی خاطر اور لوگوں کے سامنے نمونہ عمل و کردار پیش کر کے خدا کی اطاعت کی راہ ہموار کرنے کی خاطر۔ سب کچھ گوارا کریں۔ وھذا اوضح من ان یخفی۔

## [نبی امام کے حاضر و ناظر والا عقیدہ]

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ ہر وقت، ہر لمحہ اور ہر آن ہر جگہ اور ہر مکان میں علمی و احاطی طور پر حاضر ہونا۔ اور کائنات ارضی و سماوی کی ہر ہر چیز پر ہر وقت ناظر و نگراں ہونا خدا کے واحد و یکتا کی وہ صفت ہے جس میں کوئی بھی مخلوق اسکی شریک نہیں ہے۔ لہذا یہ جو کہا جاتا ہے کہ نبی و امام ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ یہ نظریہ باطل نہ صرف یہ کہ محالات عقلیہ میں سے ہے بلکہ قرآن و سنت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ کے قرآن میں اور معصومین کے کلام اور علماء اعلام کے بیان میں نہ صرف یہ کہ اس کا کوئی نام و نشان تک نہیں ہے۔ بلکہ اس کی نفی سے دفتر چھلک رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ صفت اسلئے خالق دو جہان سے منحصر ہے کہ وہ جسم و جسمانیات اور مکان و مکانیات منزہ و مبرا ہے اور علمی و احاطی طور پر ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔

وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّخِيطًا وَلَا يَحْزُبُ عَنْ عِلْمِهِ مِنْ  
مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ



کوئی بھی مخلوق خواہ وہ جس قدر جلیل القدر اور عظیم الشان ہو اس صفت میں اسکی شریک نہیں ہے۔ ”سُبْحَانَ مَنْ هُوَ هَكَذَا وَلَا هَكَذَا غَيْرُهُ۔“

قرآن میں جا بجا سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناظر و نگران اور نگہبان ہونے کی نفی کی گئی ہے کہیں ارشاد ہوتا ہے ”لَسْتُ عَلَيْهِمْ بِمُصِيطِرٍ“ (یعنی تم اُن کے نگران نہیں ہو) کہیں ”وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِخَفِيْظٍ“ (تم ان کے محافظ نہیں ہو)

تو جب یہ مقام پیغمبر اسلام کو حاصل نہیں ہے تو اور کسی مخلوق کو کیونکر حاصل ہو سکتا ہے؟؟ ہاں! یہ ذوات مقدسہ جب اور جہاں جانا چاہیں اسیم اعظم کی برکت اور خدا کی قدرت سے چشم زدن میں وہاں جا بھی سکتے ہیں اور آ بھی سکتے۔ اور جس چیز کو دیکھنا اور جانا چاہیں اُسے دیکھ بھی سکتے ہیں اور جان بھی سکتے ہیں۔ مگر یہ چیزے دیگر است۔ اسے عند التحقیق حاضر و ناظر کے متنازعہ مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے کَمَالًا يَخْفَى۔

اس موضوع کی تفصیلات جاننے کے شائقین حضرات کو ہماری کتاب اصول الشریعہ کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

## [تفویض الاعقیدہ]

جب یہ بات طے شدہ ہے کہ خالق کائنات واحد یکتا ہے کسی بات میں کوئی اس کا شریک نہیں ہے وہ قادر مطلق ہے کسی کام سے عاجز نہیں ہے۔ وہ خالق عقل و خرد ہے اس کو کسی وزیر و مشیر کی ضرورت نہیں ہے تو اس کے بعد اسلام میں اس فاسد عقیدہ کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ



خداوند عالم نے صرف پنج تن پاک کو پیدا کیا۔ اور دوسری کائنات کو ان ذواتِ مقدسہ نے پیدا کیا۔ اور اس کائنات کا انتظام سرکارِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے سپرد کیا ہے۔ اب مارھا، جلانا، اولاد دینا، اور لینا۔ رزق کم یا زیادہ کرنا، بیمار کرنا، اور شفا دینا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کام ان سے متعلق ہیں۔

یہ سراسر غیر اسلامی اور یہودیانہ عقیدہ فاسدہ ہے۔ قرآن و حدیث میں اس فاسد عقیدہ رکھنے والوں پر لعنت کی گئی ہے ”وَلَجْنُوا جُنَّاتِ الْاَوْثَانِ“ (الفرآن) اور پورا وقت حدیث اس مضمون کی احادیث سے چھلک رہا ہے کہ ”وَالْقَائِلُ بِالْتَفْصِيضِ مُشْرِكٌ“ کہ جو تفویض کا قائل ہے وہ مشرک ہے (عمیون الاخبار، بحار الانوار) فَلَئِنْ خُلِقَ كُلُّ شَيْءٍ (القرآن) بہر حال جب عقیدہ تفویض باطل ہے تو یہ استقلال و غیر استقلال کا لفظی ہیر پھیر کر کے یہ فاسد عقیدہ رکھنا حقیقت میں عقیدہ توحید کی نفی کے مترادف ہے۔ اور سراسر غیر اسلامی ہے اور اسلام کے موحدانہ نظام عقائد میں اس مشرکانہ عقیدہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے

اس سے موضوع پر تفصیلی معلومات حاصل کرنے کے لیے ہماری کتاب ”أَحْسَنُ الْفَوَائِدِ“ اور اصول الشریعہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ واللہ الموفق  
سب سے سنا علم غیب کی طرح یہاں بھی ”ذاتی و عطائی، بالذات بالعرض“ کی مہل اور لایعنی بحث کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے انبیاء، اولیاء اور شہداء کو یہ اختیار دیدیا ہے کہ وہ کائنات میں جس طرح چاہیں تصرف کریں۔ قبر برزخ میں ہزاروں میل سے لوگوں کی فریاد سنکر ان کی مصیبتوں کو ٹال دیں۔ اگر کون و مکان کا کوئی ذرہ ان سے پوشیدہ نہ ہو۔ اور اولاد، دولت، جاہ و منصب کے وہ بانٹنے اور عطا



کرنے والے ہوں تو اسکی یہ معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو "ذاتی خدا" ہے بہت سے عطائی خدا بنا دیے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی غیرت تفرید و توحید اس شرک کو کسی عنوان سے گوارا نہیں کر سکتی۔  
(از رسالہ فساداتِ بکراچی توحید نمبر)

اُسی گانگ جو کچھ مانگتا ہوئے اکبر : یہی وہ درجہ ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

## غُلُوّ وَالْاَعْقِبَدہ

غُلُو کا مطلب یہ ہے کہ کسی ہستی کو اس کے مرتبہ و مقام سے بڑھایا جائے اسلام چونکہ دینِ فطرت اور دینِ حکمت و معرفت ہے وہ کسی ہستی کو اس کے مرتبہ و مقام سے نہ کسی طرح بڑھانے کی اجازت دیتا ہے اور نہ گھٹانے کی بلکہ حفظِ مراتب کی تلقین کرتا ہے کہ

گر حفظِ مراتب نہ کُنی زند لقی

اسلام نے اپنے ابتدائی کلمہ میں ہی حفظِ مراتب کا درس دیدیا ہے  
لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ عَلِيٌّ وَلِيُّ اللَّهِ " اللہ معبود ہے  
محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) رسول ہیں۔ اور علی (علیہ السلام) اللہ کے ولی۔ مگر غلو پسند  
طبائع نے کچھ اس طرح خلط ملط اور دھاندلی کی ہے کہ سب کو آپس میں  
اس طرح گڈ مڈ کر دیا ہے کہ اب نوبت بایں جا رسید کہ بعض سادہ لوح لوگوں کو  
بہت معلوم نہیں کہ شانِ خدا کیا ہے ؟ اور مقامِ مصطفیٰ و مرتضیٰ کیا ہے ؟ اور  
ان میں باہمی فرق کیا ہے ؟



ط

بہیں تفادوت راہ از کجا است تا بجو

اور پھر عذر یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے حق میں جو کچھ کہا جائے وہ کم سبکیاں غلو ممکن ہی نہیں ہے بقول شاعر۔

گو نید غالیہم بہ ثنائے تو یا علیؑ + حق اینکہ من ز حق ثنائے تو قاصر  
کبھی ان غلو نواز حضرات نے یہ سوچنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے کہ اگر  
غلو ممکن ہی نہیں تھا۔ تو خدا و مصطفیٰ اور خود ائمہ ہدی نے غلو سے روکا  
کیوں ہے؟ اور ایسا کرنے والوں پر کیوں لعنت بھیجی ہے؟  
خدا فرماتا ہے۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ

اے اہل کتاب دین میں غلو نہ کرو۔۔۔ پیغمبر اسلام فرماتے ہیں  
لا ترفعونی فوق محلی

مجھے میرے مرتبہ و مقام سے بلند نہ کرنا

(سابع بحار الانوار)

جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں

هلك في اثنان محب غالي ومبغض قال

کہ میرے متعلق دو قسم کے لوگ ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ ایک مجھے میرے

مقام سے بڑھانے والا (نادان) دوست۔ دوسرا مجھے میرے مقام سے

گھٹانے والا (احق) دشمن۔ (ہنج البلاغ)

نیز اگر غلو ناممکن ہے تو پھر تو امام کو نبی اور نبی کو خدا کہنا بھی

جائز ہوگا؟



ساجد کو سجدہ اور عابد کو معبود اور مخلوق کو خالق اور مرزوق کو رائق  
کہنا بھی مباح ہوگا؟ اور اگر ایسا کہنا جائز نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو  
پھر وہ خیال باطل اور محال ہو گیا کہ عشق ممکن نہیں ہے یہ چیز صرف اہمہ  
کی پیداوار ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

لا تدعونا رباً ثمر قولوا فی فضلنا ما شئتم ولن تبلغوا

کی حقیقت سمجھنے کے لیے گوش شنوا اور دیدہ بینا درکار ہے۔  
”ثمر قولوا فی فضلنا“ کے اثبات سے پہلے ”لا تدعونا رباً“ کی  
نفی میں سب کچھ سمجھا دیا گیا ہے

عاقلاں را اشارتے کافی است

لطف یہ ہے کہ یہ سب کچھ محبت اہل بیت بلکہ عشق آل محمد کے نام پر  
کیا جاتا ہے۔ محبت ہو یا عشق۔ وہ عقیدت و عمل میں محبوب کے اتباع و  
اطاعت کا تقاضا کرتے ہیں۔ — یہ عجیب محبت ہے کہ محبوب کچھ  
کہتا ہے اور محب کچھ اور کہتے ہیں محبوب کچھ کرتے ہیں اور محب الٹ کرتے  
ہیں اور محبوب کے احکام کی پروا نہیں کرتے یہ فریب نفس ہے عشق و  
محبت نہیں ہے۔

نا طفتہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

یہ بالکل واضح حقائق ہیں مگر۔

آنکھیں ہوں اگر بند تو پھر دن بھی رات ہے  
اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا؟





## ولادت یا نزول نبی امام الاعقیدہ

باوجودیکہ موجودہ صحیح النسب سادات کرام کے پاس ائمہ طاہرین علیہم السلام تک اپنے نسب کے شجرے موجود ہیں۔ پھر ائمہ طاہرین کے حضرت آدمؑ و حوا تک اپنے آباؤ امهات کے ذریعہ سے منتهی ہونے کے ناقابل انکار ثبوت موجود ہیں، جب ہر ہر امام عالی مقام کی بیویاں الگ، کنیزیں الگ موجود ہیں انکی اولاد ذکور الگ اور اولاد اثنا الگ موجود ہیں۔

اور یہ سب حقائق ناقابل تشکیک و تردید حد تک اللہ تعالیٰ کے قرآن، خود ائمہ طاہرین کے کلام اور تاریخ اسلام سے ثابت ہیں اور یہی تقاضائے فطرت اور یہی مقتضائے عصمت و طہارت اور یہی منتهائے آدمیت ہے تو پھر اس کے باوجود اس ملحدانہ خیال محال کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ کہ ان ذوات مقدسہ کی نہ کوئی ماں ہے نہ باپ اور نہ کوئی بیوی اور نہ اولاد؟ نہ ہی زن و شوہر کے باہمی تعلقات اور نہ ہی ملاپ بلکہ یہ تو بنے بنائے آسمان سے نازل ہوتے ہیں۔ (معاذ اللہ)

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُولُونَ  
اِلَّا كَذِبًا

دیکھئے! خدا فرماتا ہے کہ آدم و حوا کے ماں باپ نہیں۔ اور عیسیٰ کی ماں ہے مگر باپ نہیں۔ خدا نے انکو محض اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا ہے لہذا اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ آدم و حوا کے ماں باپ ہیں یا عیسیٰ کا باپ ہے تو وہ



منکر قرآن ہونے کی وجہ سے بے ایمان ہے اور جب خدا و مصطفیٰ فرماتے ہیں کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے ماں باپ ہیں تو جو اس کا انکار کرتا ہے تو وہ بھی منکر قرآن ہے اور مکمل بے ایمان ہے

یہ خود ساختہ اور من گھڑت نظریہ جو آل نبی اور اولادِ عیسیٰ پر وہ ظلم عظیم ہے جو بنی امیہ اور بنی عباس بھی ان پر نہیں ڈھا سکے تھے جو آج ایک خاص سازش کے تحت اُدھر سے اُدھر آنے والے گندم نما جو فروش بلکہ دین فروش جاہل اور ضال و مضیل نام نہاد مبلغ و مقررِ تقریر و تحریر کے ذریعے ڈھا رہے ہیں سچ ہے ۔

تھا جو خوب بدیج و ہی خوب بُوا : کہ بدل کھاتے ہیں غلامی میں قوموں کے ضمیر پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ نہ عام سادہ لوح اہل ایمان بلکہ زیادہ فریب خوردہ سادات کرام ان لوگوں کے دام ہم رنگ زمین میں گرفتار ہو رہے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ وہ یہ خلافِ عقل و شرع فاسد عقیدہ رکھ کر اپنے ہاتھوں سے اپنے شجرہ نسب کی بیخ کنی کر رہے ہیں ۔ (نکھر لُؤن بیوتہم بایہم) آہ ۔

وہ فریب خوردہ شاہین جو بلا ہو کر گرسوں میں : اُسے کیا خبر کہ کیا ہے ؟ راہ و رسم شایازی دُعا ہے کہ خدائے متعال ایسے مُخرب دین لوگوں کے فتنہ و شر سے قوم و ملت کو بچائے اور اگر وہ ہدایت کے قابل ہیں تو اُن کو ہدایت فرمائے اور اگر "خَتَمَ اللہُ عَلٰی قُلُوبِہِمُ" کے مصداق ہیں تو انہیں اُن کے کیفرِ رسالت تک پہنچائے ۔

ایں دُعا از من و از جسدِ جہاں آیین باد



## وسیلہ والا عقیدہ

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ خداوند عالم براہ راست بھی حاجت مندوں کی حاجتیں واکرتا ہے اور مضطربوں کی دعا و پکار سناتا اور قبول کرتا ہے  
(ادعو فی استجب لکم)

اور اس کی رحمت رحمانیہ کائنات کی ہر شے کے شامل حال ہے  
بقول شاعر

اے کریمے کہ از حزن آنہ غیب : گدو تر سا وظیفہ خود خواری  
دوستاں را کجسا کنی محروم : تو کہ بادشمنان نظر داری  
(سعدی شیرازی)

مگر اپنی گنہگار یوں اور بدکاریوں کے پیش نظر اس کی بارگاہ میں اپنی حاجت برآری، دعا کی قبولیت، بخشش گناہاں اور دینی و دنیوی نیل مرام کے لیے مقربان بارگاہ یعنی انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کا وسیلہ و واسطہ دینا خود قرآن کی آیات انبیاء و ائمہ کے روایات و ادعیہ حاجت سے ثابت ہے ارشاد قدرت ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ

(پارہ ۷)

مگر وسیلہ کا وہ مفہوم ”کلمۂ حق بہا الباطل“ کا مصداق ہے جو بعض بدعقیدہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ ذوات مقدسہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں اور اس طرح یہ واسطہ فیض ہیں۔ بلکہ اس کا صاف و سادہ اور



صریح مطلب یہ ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کا واسطہ دیکر بارگاہِ خداوندی میں دُعا  
 والتجسّس کی جائے کہ وہ ان کے صدقے میں ہمارے حال زار پر رحم فرمائے اور ہماری  
 دینی و دنیوی حاجات بر لائے اور مشکلات آسان فرمائے، ہمارے گناہ  
 معاف فرمائے اور ان کے وسیلے سے ہمیں دارين کی سعادت سے مالا مال  
 فرمائے، ” قل هذه تذکوة فمن شاء ذکرها “

SIBTAIN.COM



## تیسرا باب۔

### ان بدعات اور غلط رسوم کا بیان جو بعض عبادات سے متعلق ہیں

یہ حقیقت ارباب دانش و بینش پر مخفی نہیں ہے کہ عبادات شرعیہ توقیفی ہیں یعنی ان کی تشریع و جواز اور ان کی ادائیگی کا طریقہ کار اور ان کے شرائط و قواعد اور اوقات و اذکار کا دار و مدار شارع مقدس کی اذن و اجازت پر ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو چیز دراصل بری ہو اسکی ایجاد ہی بدعت ہو۔ بلکہ عبادات مشروعہ جن کو شریعت نے مطلق چھوڑا ہے ان میں اپنی طرف سے فتیروں و شرائط کا اضافہ کرنا۔ یا انکی کیفیت و کیفیت میں رد و بدل کرنا یا ان کے وہ خاص اوقات یا خاص تعداد اپنی طرف سے مقرر کرنا اور پھر اسے شرع اقدس کی طرف منسوب کرنا اور اسے کارِ ثواب سمجھ کر بجالانا بھی تشریع محرم ہے۔

کوئی بھی انسان خواہ دینی یا دنیوی طور پر وہ کتنا عظیم الشان کیونہ ہو وہ کسی طرح بھی عبادات میں کمی بیشی یا ترمیم و تنسیخ کرنے کا مجاز نہیں ہے اور ہمارے مذہب کا تو طرہ امتیاز ہی یہی ہے کہ اس میں قیاس، مصالح، مرسلہ اور استحسان وغیرہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے اس میں جو کچھ ہے وہ صرف اللہ کا کلام (قرآن) ہے، اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا فرمان (حدیث) ہے و بس۔ اور اگر تشریح و تفسیر قرآن کے سلسلہ میں کوئی



چیز سند ہے تو وہ انہی ذواتِ مقدسہ کا قول و فعل ہے۔ اور اگر حجت ہے تو انہی کی تقریر اس کے علاوہ ہے۔

جو کچھ بھی ہے وہ مایہ و ہم و خیال ہے۔

الغرض: «کل ما لم یخرج من هذا البیت فهو باطل»

(اصول کافی)

(جو چیز سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے گھر سے نہ نکلے وہ باطل ہے)

(ارشاد صادق)

لہذا ہر وہ درد، ہر وہ تعویذ، ہر وہ وظیفہ، ہر وہ عمل، ہر وہ حکم اور ہر وہ عبادت جو سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے گھر سے نہ نکلے وہ باطل ہے۔

والنعم ما قیل

وخیر امور الدین ما کان سُنَّةً ۝ وشر الامور المحدثات البدع

انبیاء نے توجہ آل محمد کا دامن چھوڑ دیا تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ اپنی طرف سے نقوش و ہند سے اور تعویذات و چلتے وغیرہ ایجاد و اختراع کر لیے۔ بلکہ اپنی طرف سے عبادات بھی ایجاد کر لیں جیسے نماز تہجد، نماز چاشت، اور نماز گیلانی وغیرہ وغیرہ۔

مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ ان لوگوں کے ساتھ مدتوں رہنے سہنے اور اکٹھا مرتے جینے اور باہمی ربط و ارتباط کی وجہ سے رفتہ رفتہ یہ چیزیں انہما ہرین کے نام لیواؤں میں بھی سرایت کر آئی ہیں۔ یہاں کے نام نہاد پیروں، فقیروں اور تعویذی ملاؤں کے ہاں بھی خانہ ساز دم درود، نقوش اور تعویذات خوب چلتے ہیں۔ بلکہ چلتے کشیاں بھی ہوتی ہیں، ترک حیوانات بھی کیا جاتا ہے اور ترک لذائذ بھی۔۔۔۔۔ حالانکہ ہماری روایات میں ان



چیزوں کی مانعت وارد ہوئی ہے۔

چنانچہ محمد بن مسلم بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا ہم مشہور تعویذات استعمال کریں؟ فرمایا نہ۔ مگر وہ جو قرآن سے ہوں پھر نہ رایا جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں

«ان کثیراً من الرقی والتماثل من الاشراک»

کہ بہت سے افسوں اور تعویذات شرک کے ہیں۔

اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں

«ان کثیراً من التماثل شرک»

بہت سے تعویذات شرک ہوتے ہیں۔

(وسائل الشیعہ)

کیوں؟ محض اسلئے کہ وہ قرآن اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان سے ماخوذ نہیں ہوتے۔ اس سلسلہ میں ہمارے بعض محاط علماء کی روش و رفتار اس قدر عمدہ و اعلیٰ ہے کہ اسکی مثال نہیں ملتی۔

چنانچہ علامہ کنٹوری علیہ الرحمۃ، انتہاء السلام ج ۳ میں — سورت جن کے ایک مخصوص عمل کا تذکرہ کرنے کے بعد جو چیچک کے دغیبہ کے لیے مجرب ہے فرماتے ہیں کہ

«میں یہ عمل اسلئے نہیں کرتا کہ کسی امام معصوم سے منقول نہیں ہے»

اللہ اللہ کہاں علماء کرام کی وہ احتیاط اور کہاں ہمارے پیروں، فقیدوں کی یہ بے احتیاطی کہ ہر رطب یا بس کو حزر جان بتائے بیٹھے ہیں

خلاصہ یہ کہ صرف وہ عملیات اور تعویذات جائز ہیں جو خدا کے قرآن یا محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان سے ماخوذ و مستنبط ہوں و بس!



پہلے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا

” خُذْ مِنْهُ مَا شِئْتَ لِمَا شِئْتَ “

قرآن کی جس آیت کو اور جس جائز مقصد کے لیے چاہو لے لو  
(از حاشیہ ترجمہ قرآن مجید مولوی سید زکریا حسین امروہی)

## ایک ایراد اور اس کے جوابات

جو لوگ ہر غلط بات کو صحیح اور ہر بدعت کو مشرف باسلام کرنے کے لیے ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ وہ کہا کرتے ہیں کہ چونکہ اس قسم کے ادراد و وظائف اور اعمال بجالانے سے عجیب غریب آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ لہذا ان آثار کا ظہور ان اعمال کے صحیح و درست ہونے کی واضح دلیل ہے۔

تو اس شبہ کے جواب میں اولاً تو ہم الزامی طور پر عرض کریں گے کہ کفار و مشرکین جو عمل کرتے ہیں ادران کے اعمال کے آثار بھی ظاہر ہوتے ہیں تو کیا ان آثار کو دیکھ کر کفار کے عمل کو درست قرار دیا جاسکتا ہے؟ پس اگر وہاں آثار کا ظہور صحت عمل کی دلیل نہیں ہے تو یہاں بھی ظہور اثر درستگی کی سند نہیں ہے۔

ثانیاً حلی طور پر عرض ہے کہ غلط اعمال عبادات کے آثار ظاہر ہونے کی کئی وجوہ ہیں۔ (۱) خدا کسی بندہ کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر۔ اس کا ارشاد ہے

إِنِّي لَأَظْنِعُ عَمَلَكُمْ دُونَ

یہ علیحدہ بات ہے کہ وہ (بندہ) عمل دنیا کے لیے کرے یا آخرت کیلئے



من کان یزید حرث الآخرۃ نزلہ فی حرثہ ومن کان یزید

حرث الدنیا نزلہ فی الآخرۃ من نصیبہ

جو لوگ غلط ریاضتوں کے نتیجہ میں آگ پر چلتے، طویل مسافت چند لمحوں میں طے ہو کرتے ہوئے اور مخفی و پوشیدہ امور کی خبریں دیتے ہوئے نظر آتے ہیں یہ سب خدا تعالیٰ کے وعدہ کا ثمرہ ہے کہ وہ کسی عامل کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔ خواہ وہ دنیوی مقاصد کے لیے ہو خواہ آخری نجات کے لیے۔

۲۔ اثر کا ظہور اعتقاد کے تابع ہوتا ہے | نفسیات کے ماہر جانتے ہیں کہ عقیدہ کی پختگی کا کتنا

گہرا اثر ہوتا ہے۔ کفار بتوں اور مخالفین صنمی قریش کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں اور اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ تو پھر بھی اسما و علی ہیں۔ گو ان کے پڑھنے کا طریقہ غلط ہے لہذا اگر اثر ظاہر ہو جائے تو کوئی جائے تعجب نہیں ہے؟

۳۔ بدعت میں بھی جب استجاب دعا کے اسباب جمع ہو جائیں تو اس کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔

۱۲۔ کبھی استدراج بھی ظہور اثر کا باعث ہوتا ہے۔ بندہ گناہ کرتا ہے اور خدا اس پر نعمتوں کا نزول کرتا ہے تاکہ وہ توبہ و استغفار کرنا بھی بھول جائے (خلانکنا) چنانچہ فرماتا ہے

سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ

ہم اس طرح استدراج کرتے ہیں کہ انہیں خبر ہی نہیں ہوتی۔

(ملخص اصلاح الرسوم بخیر پوری)

الغرض! اثر کا ظاہر ہونا اور ہے اور کسی عمل اور وظیفہ کا صحیح ہونا اور؟



پس معلوم ہو کہ کسی عمل کے اثر ظاہر ہونے سے اُس عمل کی صحت پر ہرگز استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

## (۱) وضو میں پاؤں دھونا بدعت ہے

خلاصہ کلام یہ کہ رفتہ رفتہ یہ مداخلت فی الدین کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ عبادات شرعیہ میں بھی کمی بیشی شروع کر دی گئی۔ چنانچہ سب عبادات سے افضل عبادت نماز اور اُس کا وضو اور اذان بھی اپنی بدعت کی دست برد سے محفوظ نہیں رہی بلکہ اُس کا کلیہ بگاڑ دیا گیا۔

چنانچہ خدا نے وضو میں پاؤں کا مسح کرنے کا حکم دیا تھا۔ بانی اسلام نے سرور پاؤں کا مسح کیا تھا۔ مگر بعد میں لوگوں نے پاؤں کو دھونا شروع کر دیا۔ ارشاد قدرت ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ  
وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى  
الْكَعْبَيْنِ (پارہ ۷ سورۃ المائدہ رکوع ۶)

(اے ایمان والو! جب تم اٹھو نماز کو تو دھو لو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک اور کل لو اپنے سر کو اور پاؤں گھٹنوں تک۔) (ترجمہ شاہ عبد القادر دہلوی)

آیت مبارکہ میں وارد شدہ لفظ "وَأَرْجُلَكُمْ" کی لام پر قراء سبعہ میں ابن کثیر، ابو عمر، حمزہ اور عاصم چار قاریوں نے زیر پڑھی ہے۔ اور باقی تین قاریوں نے اس پر زبر پڑھی ہے۔

(ملاحظہ ہو تفسیر کبیر رازی جلد ۳ ص ۵۲۵)

اب خواہ لام پر زیر پڑھی جائے یا زبر۔ بہر حال اس کے پاؤں کا مسح



ثابت ہوتا ہے نہ کہ دھونا۔ کیونکہ ہر حالت میں ”وارجلکم“ کا عطف ”برؤوسکم“ پر ہے پس اگر زیر پڑھی جائے تو یہ عطف اس کے لفظی اعراب پر ہوگا اور اگر نہ پڑھی جائے تو یہ عطف اس کے محلی اعراب پر ہوگا جو کہ ”وامسحوا“ کا مفعول ہونے کی وجہ سے محلاً منسوب ہے۔

نتیجہ یہ کہ ”الوضوء غسلتان ومسحتان“ یعنی وضوء دو دھونے (ہاتھ منہ) اور دو مسحوں (سر اور پاؤں) کا نام ہے (قول ابن عباس مندرجہ تفہیم بر معالم التنزیل ص ۱۰ وغیرہ) اور اس کی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ تیمم جو وضوء کا بدل ہے اس میں سر اور پاؤں پر تیمم نہیں کیا جاتا۔ بلکہ بالاتفاق صرف منہ اور ہاتھوں پر کیا جاتا ہے۔ جن کو وضوء میں دھویا جاتا ہے یہ اس بات کی ناقابل رد دلیل ہے کہ سر اور پاؤں سے دھونے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسی طرح کتب فریقین سے ثابت ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر اور پاؤں پر مسح کیا کرتے تھے۔ چنانچہ صاحب کنز العمال جلد ۵ ص ۱۰۸ پر روایت کرتے ہیں۔

ان النبی توضعاً فغسل وجهه ویدیه مرتین ومسح برأسه ورجليه مرتین۔

یعنی جناب رسول خداؐ نے اس طرح وضو کیا کہ منہ اور ہاتھوں کو دو مرتبہ دھویا اور سر اور پاؤں کا دوبار مسح کیا۔

عباد ابن تیمم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ  
 رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتوضأ ویمسح الماء علی رجليه۔



” میں نے جناب رسول خداؐ کو وضو کرتے ہوئے دیکھا انہوں نے اپنے دونوں پاؤں پر مسح کیا“ (اصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۱ ص ۱۸۴)  
 صفحہ ۱۸۵ بذیل ترجمہ عتیم ابن زید انصاری — کذا فی نیل الاوطار جلد ۱ ص ۱۸۵  
 اسی طرح جناب امیر علیہ السلام وضو میں پاؤں پر مسح کیا کرتے تھے (ملاحظہ ہو معانی الآثار للطحاوی جلد ۱ ص ۲۱ مسند احمد بن حنبل جلد ۱ ص ۹۵)  
 اسی طرح بہت سارے صحابہ کے نام تاریخ میں ملتے ہیں جو پاؤں کا مسح کرتے تھے جیسے انس بن مالک، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر وغیرہ۔ ابن انس کا قول ہے

” نزل القرآن بالمسح“

”یعنی قرآن مسح کے ساتھ اُتر آیا ہے“

(تفسیر خازن جلد ۱ ص ۲۲۱)

اور ابن عباس کا مشہور قول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے۔

”ابی الناس الا لغسل ولا اجد فی کتاب اللہ الا المسح“

”یعنی عام لوگوں نے سوائے دھونے کے انکار کر دیا ہے اور میں تو قرآن میں

سوائے مسح کے کچھ اور نہیں پاتا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر درمنثور جلد ۲ ص ۲۶۲)

ان تمام حقائق کے باوجود پیغمبر اسلامؐ کی وفات حسرتِ آیات کے بعد

کچھ لوگوں نے نامعلوم مصلحتوں کے تحت پاؤں کے مسح کو بدل کر پاؤں کے دھونے

کو لازم قرار دیدیا۔ اور اس طرح وضو کو باطل کر کے افضل ترین عبادت

یعنی نماز کے بطلان کا راستہ ہموار کر دیا۔ کذالی اللہ المشتکی۔



## اذان میں تحریف

وضو کے بعد ان لوگوں نے اذان کو تحریف کا ہدف بنایا۔ چنانچہ اس میں سے کچھ فقرے ساقط کر دیے اور بعض فقروں کا اضافہ کر دیا

اذان  
اے سچے سچے علی خیر العمل کا احراج  
یہ حقیقت ہے کہ پیغمبر اسلام  
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس

عہد میں بلکہ اسلامی برادری کے پہلے دور خلافت میں بلکہ اس کے دوسرے دور خلافت کے ابتدائی دور میں بھی اذان میں فقرہ ”حی علی خیر العمل“ کہا جاتا تھا پھر کچھ عرصے کے بعد نامعلوم مصاحبت کے تحت اسے اذان سے نکال دیا گیا اور اس کے کہنے والوں کو سخت سزا دینے کی دھمکی دی گئی۔  
چنانچہ فاضل قوشچی نے اپنی شرح تجرید ص ۳۸۲ پر جناب عمر بن الخطاب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ کہا

ثلاثٌ کن علی عهد رسول اللہ حلالاً وانا انہی عنہن  
واعاقب علیہن متعة النساء و متعة الحج وحی علی خیر العمل  
یعنی تین چیزیں زمانہ رسالت میں جائز تھیں مگر میں ان کی ممانعت کرتا  
ہوں اور خلاف ورزی پر سزا دوں گا، متعة النساء، (۲) متعة الحج (۳) اور حی  
علی خیر العمل۔

ظاہر ہے کہ جس چیز کو حضرت رسول خدا بحکم خدا جائز قرار دیں کسی بھی شخص کو اسے حرام قرار دینے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ چنانچہ خاندان رسالت



اور اُن کے نام یواؤں پر اس ممانعت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اسی دور میں بھی کہتے تھے اور آج بھی کہتے ہیں۔ بلکہ بعض شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ اس منہا ہی کا خود منہا ہی کرنے والے کی اولاد پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

چنانچہ سیرت حلبیہ جلد ۱ ص ۱۱۰ طبع مصر پر لکھا ہے کہ عبداللہ بن عمر اذان میں ”حی علی خیر العمل“ کہتے تھے۔

صلائے عام ہے یا رانِ نکبتِ داں کے لیے

۲:- الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ کا اذان میں اضافہ

اسی دور میں جہاں ”حی علی خیر العمل“ کو

اذان سے خارج کیا گیا وہاں صبح کی اذان میں ”الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ“ کا بے جا اضافہ بھی کیا گیا۔

چنانچہ مؤطائے مالک وغیرہ کتابوں میں مذکور ہے کہ جناب عمر کے دورِ خلافت میں ایک بار مؤذن انہیں نماز صبح کے لیے جب بلانے گیا تو دیکھا وہ سوئے ہوئے ہیں اسلئے کہا ”الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِنَ النَّوْمِ“ (جاگو) نماز سونے سے بہتر ہے۔ جب وہ یہ فقرہ سُن کر جاگے تو اُسکو پسند کیا اور مؤذن کو حکم دیا کہ اُسے صبح کی اذان میں کہا کرے۔ اس کے بعد وہ ایسا رائج ہوا کہ جُزءِ اذان بن گیا۔ اور آج تک برابر بلادِ اسلامی کے ہاں بالالتزام کہا جاتا ہے (کنزانی الموطا مع شرح تنویر المحالک جلد ۱ ص ۱۱۰ طبع مصر۔ والفاروق شبلی ص ۲۵ طبع لاہور)

۳:- اُشْہِدُنِ عَلِیَّ اَوْلٰی اللّٰہ کا ایڑا

خاتمانِ رسالت

کی محبت و پیروی کے دعویدار بھی اس سلسلہ میں کسی پیچھے نظر نہیں آتے۔ چنانچہ انہوں



نے بھی مختلف اوقات اور مختلف ادوار میں شرعی احکام میں کہیں من پسند اضافے کئے ہیں اور کہیں اپنی مرضی کے مطابق کہیاں کی ہیں چنانچہ اذان میں **اَشْهَدُ اَنْ عِیَّا وَکَلِی اللہ** کا اثر اور وہ بھی بطور جزو اذان اپنی لوگوں کے ذہنی ابتکار کا سٹا ہمارے اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام مومنوں کے امیر، متقیوں کے امام، اللہ کے ولی، اور نبی کے بلا فصل وصی ہیں اور یہ عقیدہ جزو ایمان ہے۔ کیونکہ اس اعتقاد کے بغیر نہ ایمان مکمل ہوتا ہے نہ ہی اسلام۔ اب یہی یہ بحث کہ آیا فقرہ پڑھنا چاہیے یا نہ؟ تو اس سلسلہ میں ہر شخص کو اپنے مرجع تقلید کی طرف رجوع کر کے اس کے فتویٰ پر عمل کرنا چاہیے۔

اور جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ یہ اضافہ کیا ہوا ہے یا نہیں کیا اور کیوں کیا تو اس کے متعلق اجمالاً من ہے کہ امام زمانہ کی غیبت کبریٰ کے چند سال بعد جب تھی صدی سحری میں ایران اندر آل بویہ دہلی خاندان کی حکومت قائم ہوئی تو بنی امیہ دہلی عباس کی روش و رفتار کے رد عمل کے طور پر یہ اضافہ کیا گیا اور جب حضرت شیخ صدق علیہ السلام نے من لا یحضرہ الفقیہہ میں لکھی تو اس وقت یہ فقرہ رائج ہو چکا تھا۔ چہم، تو انہوں نے اس کے خلاف بھرپور طریقہ سے آواز بلند کی اور ان کے بعد بھی علماء اعلام برابر آواز بلند کرتے رہے اسی وجہ سے اب فقہاء لکھتے ہیں کہ یہ فقرہ جزو اذان و اقامت نہیں ہے کیونکہ علمائے امت سے لیکر امام زمانہ کی غیبت کبریٰ تک کسی بھی دور میں یہ فقرہ اذان میں نہیں کہا گیا اور نہ ہی کسی ضعیف سے ضعیف معصومی رعایت میں اس کا جزو اذان و اقامت ہونا ثابت ہے کچھ عرصہ پہلے ہم نے اپنی فقہی کتاب قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ میں صرف اتنا لکھا تھا کہ

یذاذان کے اٹھارہ نصول ہیں جو ہر کہ دمہ کو معلوم ہیں۔

مگر صرف اتنی بات پر فقہ جعفری کی اس جگہ سے نابلد بعض بے لگام مقروین نے آسمان سر پر اٹھایا تھا کہ اذان کی اٹھارہ فسلیں کیوں لکھی گئیں ہیں (دہ تو







میرے اٹھارہ فصول اذان لکھنے پر اعتراض کرنے کا جواز کیا ہے ؟ بعد ازیں یہ کہنا بلا مبالغہ درست ہے کہ اذان کے بیٹس فصول والی بات ان لوگوں کے نہاں خانہ و ماغ کے سوا ہماری کسی بھی مستند فقہی کتاب میں درج نہیں ہے

نے اصولت محکم آید نے فروع

شرم باید از خدا و از رسول

سچی بات تو یہ ہے کہ

آنکھیں اگر ہیں بند تو پھر دن بھی رات ہے اس میں بھلا قصور کیا ہے آفتاب کا

۴: نماز میں ہاتھ باندھنا بدعت ہے

اسلام کی لائی ہوئی اور خدا کی مقرر فرمائی ہوئی عبادات شرعیہ میں ایجاد کی گئی ہیں ایک ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا بھی ہے۔ وہ نماز جو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پورے تین سال تک ہر شب و روز میں پانچ مرتبہ سفر میں حضر میں خلوت میں جلوت میں اور ہزاروں کے مجمع عام میں پڑھتے رہے مگر آپ کے بعد اسی نماز کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔

کتب فریقین سے واضح و آشکار ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔ چنانچہ فتاویٰ شیخ عبدالحی عسوی جلد ۳۲ طبع اقل میں ہے

”عن معاذ ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اذا قام

في الصلوة رفع يديه قبال اذنيه فاذا اكبرا رسلهما

(رواه الطبرانی)



یعنی جناب معاذ بیان کرتے ہیں کہ جب آنحضرتؐ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے وقت ہاتھوں کو کانوں تک بلند کرتے اور پھر اُن کو کھلا چھوڑ دیتے تھے۔

۲:- عینی شرح کنز الدقائق ص ۲۵ مطبع نو لکسٹور میں ہے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَفْعَلُ كَذَاكَ

وَكَذَا ۱۱ اصحابه حتى ينزل الدم من رؤس اصابعهم

کہ آنحضرتؐ اور آپ کے اصحابؓ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے یہاں تک

کہ اُن کی انگلیوں کے سروں میں خون اتر آتا تھا۔

۱۳: سنن ابوداؤد ص ۱۱ میں ابن عباس سے مروی فرمایا اگر تو پسند

کرے کہ رسول خدا کی نماز دیکھے تو ابن زبیر کی اقتدار کر۔

اور نیل الاوطار جلد ۲ ص ۸۱ تہذیب القاری پ ۸۲ میں مذکور ہے

کہ ابن زبیر ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔

۱۴: عوارف المعارف للشیخ شہید سہروردی مطبوع بر حاشیہ احیاء العلوم

غزالی طبع مصر جلد ۲ ص ۲۱ میں نماز میں ہاتھ کھولنے اور باندھنے کے فلسفہ

پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے

وَدَكَ النَّاسُ كَالْأُفْرِ وَالْأَحْصَاءِ نَوَارٍ رِبَانِيَّةٍ تَجَلِيَّاتِ الْهَيْمَةِ أَوْ خِيَالِ الْعَالِيَةِ

کا مرکز ہے اور نچلا حصہ سُفلی اور شیطانی جذبات و خیالات کا محور ہے اور

حالت نماز میں دونوں قسم کے جذبات میں تسارم شروع ہو جاتا ہے اسلئے

حکم ہے کہ نمازی ہاتھ باندھ لے۔ تاکہ دونوں قسم کے جذبات اپنے اپنے

مقام پر قائم رہیں۔ ہاں جن بزرگوں کے جذبات غالبہ کا پلہ بھاری ہو

انکو ہاتھ باندھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لیے جناب رسول خداؐ



ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے : جادو وہ جو سر چپڑھ کر  
اور کتب فریقین میں کوئی ایک مرفوع، متصل صحیح السند حدیث موجود نہیں  
ہے جس سے آنحضرت کا ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہو۔

میرے کہنے پہ کیا آزلے جس کا جی چاہے

اسی طرح قطعی دلائل سے ثابت ہے کہ عترت رسول کا عمل بھی اسی طریقہ  
نبویہ پر تھا۔ یعنی وہ ذوات مقدمہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے تھے۔

(۱) پخا پنچ علامہ وحید الزمان اپنی کتاب تسہیل القاری شرح بخاری پارہ

۸۴۷ پر نماز میں ہاتھ باندھنے کا عدم وجوب ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں  
در اگر واجب ہوتا تو اہل بیت کرام اسکو کیونکر ترک کرتے پس یہ ترک

دلیل ہے اسکی سنت ہونے کی پھر لکھا

”بالجملہ امام مالک اور امام محمد باقر اور ابراہیم نخعی اور عبداللہ بن زبیر اور

حسن بصری اور بیث بن سعد اور اوزاعی وغیرہم سے ارسال (ہاتھ پھونکا)

منقول ہے۔ تو معلوم ہوا کہ سلف امت میں اس مسئلہ میں خلاف تھا الخ۔۔۔

(کنز فی العینی شرح البخاری جلد ۳ ص ۱۵)

جس دلیل سے علامہ صاحب نے ہاتھ باندھنے کا عدم وجوب ثابت کیا ہے

یعنی یہ کہ اگر واجب ہوتا تو اہل بیت اسکو ترک نہ کرتے۔ — بعینہ اسٹیپل

سے ہم یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ فعل سنت بھی نہیں ہے ورنہ ائمہ اہل بیت

ہرگز سنت رسول سے روگردانی نہ کرتے!

۲: امام شوکانی نے نیل الاوطار ج ۲ ص ۷۶ طبع مصر پر اس بات کا اعتراض

کیا ہے کہ عترت رسول ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کی قائل ہے۔ — اور جہاں تک



شیخی کتب سے ثبوت کا تعلق ہے تو وہ ”عیان“ راجح بیان کا مصداق ہے۔

۱۳۔ شروع کافی جلد ۱ ص ۱۸۱ بروایت صحیحہ جناب حماد سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا دو رکعت نماز بغربین تعلیم پڑھنا مروی ہے اس میں مذکور ہے کہ

فقام ابو عبد اللہ مستقبل القبلة منتصباً فادّسَل  
یَدَیْہِ جَمِیعاً عَلٰی فَخْزِیْہِ الْمَیْمَنِ

یعنی امام قبلہ رو ہو کر سیدھے کھڑے ہو گئے۔ اور دونوں ہاتھ کھول دیئے۔

۱۴۔ شروع کافی جلد ۱ ص ۱۹۸ پر مذکور ہے امام محمد باقرؑ نماز کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

”وَادْ سَلْ یَدَیْکَ وَلَا تَشِیْلْ أَصَابِعْکَ وَلِیْکُونَا عَلٰی فَخْزِیْکَ  
قِبَالَ دِکْبَتِیْکَ“

یعنی نماز پڑھتے وقت ہاتھوں کو چھوڑ دے اور ان کو زانوؤں کے بالمقابل رانوں پر رکھ اور انگلیاں ایک دوسرے کے اندر نہ پھنسا۔

(کنزانی تہذیب الاحکام جلد ۱ ص ۱۵۷) وکنزانی دعائم الاسلام عن علی علیہ السلام

۱۵۔ جناب محمد بن مسلم حضرت امام محمد باقرؑ یا امام جعفر صادقؑ سے دریافت کرتے ہیں۔

الرجل یضع یدہ الیمنی علی الیسری

ایک آدمی نماز میں داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھتا ہے یعنی یہ کیسا ہے؟

فرمایا ”ذَالِکَ التَّکْفِیْرُ فَلَا تَفْعَلْ“ یہ تکھیر ہے ایسا مت کرنا  
یضع ذَالِکَ الْمَجْوَسَ“ یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے۔



(تہذیب الاحکام جلد ۱۵۸ من لایکفرہ الفقیہ جلد ۹۹)

لغت عرب میں تکفیر کے معنی سینہ پر ہاتھ رکھنے کے لئے گئے ہیں۔

(ملاحظہ ہو: صراح، منہی الادب وغیرہ)

إِنِّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ

۵: سب سے پہلے غمگینوں نے ہاتھ باندھنے کا حکم دیا: الْمہ اہل بیت  
علیہم السلام کے

اس فرمان در کہ ہاتھ مت باندھو کہ یہ مجوسیوں کا طریقہ ہے۔ سے ایک اہم سر بستہ راز کا انکشاف بھی ہو جاتا ہے کہ یہ رسم بد ہمتی سے مسلمانوں میں مجوسیوں سے آئی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ فتنہ قادسیہ کے موقع پر جب مجوسی جنگ مار گئے اور جو قتل ہونے سے بچے انہیں قید کر کے دربار خلافت (ثانی) میں لایا گیا تو ان کی اس وقت یہ حالت تھی کہ ہاتھ کیسے پر بندھے ہوئے تھے اور گردنیں جھکی ہوئی تھیں۔

غمگینوں کی یہ ہیئت بہت پسند آئی اور حکم دیا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ اسی حالت میں خدا کی بندگی کریں کہ اس عاجزی و انکساری ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کے بعد ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا رواج ہوا

(الاوائل از علامہ ابوبلال عسکری مخطوط)

۶: تشہد میں شہادت ثالثہ کا اضافہ اس وقت چونکہ دین حقیقی  
کے سربراہ امام زمانہ عجل اللہ

فرجہ الشریف پردہ غیبت میں روپوش ہیں اور ان کے نائبین یعنی علماء اعلام کے ہاتھوں میں زمام اقتدار نہیں ہے اس لئے خود غرضی محرب دین اور گندم کا جوہر دیش ملاں بچم مقررین اور تاجران خون حسین جاہل ذائیرین کی



شہزادیاں اور دین میں تخریب کاریاں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ اب نماز جیسی افضل ترین شرعی و توفیقی عبادت بھی اُن کے دست تصرف سے محفوظ نہیں رہی چنانچہ انہوں نے کچھ عرصے نماز کے تشہد میں ”شہادت ثالثہ (الشہدان علیاً ولی اللہ) پڑھنا شروع کر دی ہے اور انہی لوگوں کی... تحریک و انگیزش پر بعض سادہ لوح اور فریب خوردہ اہل ایمان نے بھی شروع کر دی ہے۔

یہ لوگ رات دن مجالس و محافل میں اس بات کو اس قدر ہوا دے رہے ہیں اور اس میں اس قدر رنگ آمیزی و مبالغہ آمیزی کر رہے ہیں کہ اب تو بعض حلقوں میں مومن سمجھا ہی اُسے جانا ہے جو اس نئی ایجاد پر عمل کرتا ہے اور لطف یہ ہے کہ اس ایجاد کے بعض موجد و مؤید تو وہ ہیں جو سرے سے نماز ہی نہیں پڑھتے۔ بلکہ وجوب نماز کے قائل ہی نہیں ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جو لوگوں سے توڑ پھوٹتے ہیں۔ مگر خود نہیں پڑھتے البتہ کچھ ایسے بھی ہیں جو خود بھی پڑھتے ہیں اور دوسروں سے بھی پڑھواتے ہیں۔ بہر کیف بوجہ

تو کارِ رز میں رانگو ساختی کہ با آسماں نیز پڑاختی

ہمارے علماء و نقباء تو آج تک اذان و اقامت میں اس شہادت ثالثہ کی جزیت کا جواز رسول و آل رسول کے قول و فعل سے ثابت نہ کر سکے۔ تبھی تو ”تبرکاً و تیمناً“ کہنے کا سہارا لیتے ہیں۔ یا آج عوام یا عوامی نمائندگی کے دعویداران نماز کے تشہد میں اس کے پڑھنے پر اس قدر مُصر ہیں کہ ان کے خیال کے مطابق اس کے بغیر نماز قبول ہی نہیں ہوتی۔

اب اس موضوع پر نہ صرف یہ کہ تقریریں ہوتی ہیں اور مضامین لکھے جا رہے ہیں بلکہ رطب و یابس اور شیطانِ قیاسات اور ذاتی خیالات سے



برزی بعض رسائل بھی سپرد قلم کئے جا رہے ہیں۔

چنانچہ قریب میں ایک گندم ناجو فروش بلکہ دین فروش مولوی نے ایک رسالہ بنام ”شہادت ثانیہ“ شائع کیلئے ایک اور محنت دین فساد کی ملانے نمازیں میں ”تیسوی گواہی“ نامی رسالہ طبع کرایا ہے۔

ان رسالوں میں ”تیسوی“ تبلیغ ابلیس ہے۔ استدلال میں فریب کاری بے نکتہ عبارات میں مکاری ہے۔ حوالہ جات میں عیاری ہے اُنہ ”تھوڑے کاری“ پھوڑ کر ”لا تقربوا الصلوۃ“ پر خور انحصاری ہے۔

انفوس عن ہر جگہ دھوکا دہی اور فریب کاری کی عملداری اور گرم بازاری ہے

کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا : بھانستی نے کتبہ جوڑا

بھلا جب اس سلسلہ کے بارے میں اللہ کا کوئی فرمان نہیں ہے اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا کوئی واضح ارشاد پاسداری نہیں ہے اور اُن کا عمل نہیں ہے حکم نہیں ہے مجتہدین و محدثین کا فتوے نہیں ہے پھر نہ معلوم اپنے نامہ اعمال کی طرح رسالوں کے ورق سیاہ کرنے کا فائدہ کیا ہے ؟ ؟ ؟  
(۱) ہم بباغک دہل اعلان کرتے ہیں اور دعوے کرتے ہیں کہ بیچ تن پاک



بارہ امام اور جبار، معصومین علیہم السلام میں سے کسی ایک بزرگوار کا ناز میں  
خود شہادت ٹالنے کا پڑھنا یا کسی شخص کو اس کے پڑھنے کا حکم دینا ہمارے کسی مستند  
کتاب اور ہمارے کسی مستبر و ایت میں مذکور نہیں ہے اور اگر کوئی مائی کا  
لال کوئی ایک مستند حوالہ ہم پہنچائے تو ہم جہاں شکریہ کے ساتھ اُسے  
قبول کریں گے وہاں اُسے منہ مانگا انعام بھی پیش کریں گے۔

مگر ہم علی وجہ البصیرت پیشگی اعلان کرتے ہیں کہ صریح قیامت کے  
طلوع ہونے تک آئیں بایں شائیں کرنے کے سوا کوئی شخص اس قسم کا  
کوئی ٹھوس ثبوت نہیں پیش کر سکے گا۔

زنجبیر اٹھے گا نہ تلواریں اُن سے : یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں  
۲۔ لے دے کے کتا قضا میں تشہد کے مستحبی اجزاء میں جہاں ”اَشْهَدُ  
اَنْ رَّبِّيْ نَعْمَ الرَّبُّ وَ اَنْ مُحَمَّدًا نَعْمَ الرَّسُوْلُ“ درج ہے (جو عام کتب  
حدیث فقہ میں بھی موجود ہے) وہاں یہ اضافہ بھی مذکور ہے ”وَ اَنْ عَلِيًّا نَعْمَ  
الْاِمَامُ يَنْعَمُ الْوَلِي“ (جو اگر کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے)  
اور اگر کسی کتاب میں ہے جیسے مستدک الوسائل القطرۃ اور تحفۃ احمدیہ  
وغیرہ۔ تو وہ اسی فقہ الرضا کے حوالہ سے ہے مگر علماء محققین اور نقباء  
مدققین کے نزدیک فقہ الرضا نامی کتاب تسلطاً ناقابل اعتماد ہے اور امام رضا  
کی طرف اسکی نسبت ہرگز ثابت نہیں ہے۔

۳۔ چنانچہ فاضل بحاشہ علامہ سید محسن الامین العالی اپنی مشہور عالم کتاب  
”اعیان الشیعہ“ جلد ۱ء ۱۹۲ء طبع بیروت میں اسکی نسبت لکھتے ہیں  
”لَا يَثْبُتُ“ یعنی اس کتاب کا امام رضا کی تالیف ہونا ثابت نہیں ہے  
۴۔ اور جناب حرعالی جیسا محدث جلیل و فاضل نبیل جامع وسائل



الشیعہ الی مسائل الشریعہ) باوجودیکہ وسائل الشیعہ لکھتے وقت یہ کتاب  
انکے پیش نظر تھی مگر وہ اسے ناقابل اعتبار سمجھ کر اس کی روایت اپنی اس  
عظیم کتاب میں نقل نہیں کرتے (ملاحظہ ہو خاتمہ البوائل جلد ۳)

وَلَا يُنْبِتُكَ مِثْلَ خَبِيرٍ

(۳) آقائے رضا استادی نے اپنے مخصوص رسالہ ”تحقیق پرامون  
کتاب فقہ الرضا“ طبع ایران میں جو اسی کتاب کے بارے میں تالیف کیا ہے  
ثابت کیا ہے کہ یہ کتاب دراصل مشہور بدعتیہ آدمی شلمانی کا رسالہ ہے۔  
(۴) اور فاضل جلیل آقائے سید محمد ہاشم اصفہانی روضاتی نے اسی  
کتاب کی تحقیق میں ایک کتاب مرتب کی ہے بنام ”رسالة فی تحقیق حال کتاب  
فقہ الرضا“ انہوں نے بھی ناقابل رد دلائل و براہین سے ثابت کیا ہے  
کہ اس کتاب کی امام رضا علیہ السلام کی طرف نسبت قطعاً بے بنیاد ہے۔

### علمی لطیفہ

جس فقہ الرضا نامی کتاب کو یہ لوگ حضرت امام رضا علیہ  
السلام کی تالیف متراویجہ تشہد میں شہادت ثانیہ  
پڑھتے ہیں تو اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں کہ کتاب واقعتاً حضرت امام رضا علیہ السلام کی تالیف  
تو پھر یہ ان پر لازم ہے وضو بھی اس کے مطابق کریں۔ اذان و اقامت بھی اس کے  
مطابق دیں اور لباس بھی اس کے مطابق زیب تن کر کے نماز پڑھیں۔  
کدوم اشارتے و مکرر غی کُشَم

لے مخفی نہ ہے کہ فقہ الرضا نامی کتاب میں اذان و اقامت میں اشہدان علیاً ولی اللہ  
مذکور نہیں ہے۔ نیز اس میں وضو کے بارے میں لکھا ہے کہ پاؤں کا دھونا بھی صحیح ہے  
اور مسح کرنا بھی درست ہے۔ نیز ایسے یہ بھی لکھا ہے کہ حرام جانور کا چمڑا رنگے سے پاک ہو جاتا ہے۔  
اور اس میں نماز پڑھی جسا سکتی ہے۔ ذرا جمع



نیز پھر تشہد بھی وہ پورا پڑھیں۔ اس کتاب میں مذکور ہے جس کا ایک فقرہ پڑھتے ہیں۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے (اور یقیناً نہیں کریں گے اور نہ ہی کر سکتے ہیں تو پھر معلوم ہو جائے گا کہ وہ ہیں کراکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی کر کھلا۔

والی اللہ المشتکی دہواستعان و علیہ التکلیل

(۳) نیز یہ چیز بھی پیش نظر رہے کہ متقدمین و متاخرین شیعہ علماء مجتہدین میں سے آج تک کسی قابل ذکر فقیہ نبیہ نے اس شہادت ثالثہ کی نماز میں اور وہ بھی جُز تشہد سمجھ کر پڑھنے کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ اس کے برعکس اُس کے پڑھنے کو نہ صرف یہ کہ ناجائز قرار دیا ہے بلکہ بعض بہت بڑے مراجع تقلید نے اس اضافہ کو مبطل نماز بھی قرار دیا، ذیل میں بطور نمونہ مشتمل از خردار سے چند اعلام اور مراجع تقلید شیعان جہاں کے گراں قدر فتاویٰ پیش کئے جاتے ہیں جو انہوں نے رائے عامہ اور لومۃ لائم کی پردہ کیئے بغیر اپنا فرض منصبی ادا کرتے ہوئے جاری کئے ہیں۔

چنانچہ درمختلف اعلام سے جو سوال کیا گیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کیا فرماتے ہیں علماء اسلام اس مسئلہ میں کہ آیا نماز کے تشہد میں شہادت ثالثہ جائز ہے یا نہ؟ — بلینوا تو جبرو — اور علماء اعلام اور فقہاء عظام نے اس کے جوابات دیے ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ نہیں، یہ جائز نہیں ہے۔ ذیل میں ہم بڑے اختصار کے ساتھ ان کے جوابات کا خلاصہ لہی



کے اپنے الفاظ میں پیش کرتے ہیں — اصل ہمارے پاس محفوظ ہیں جو عند الضرورة دیکھے جاسکتے ہیں۔

- (۱) شمس العلماء علامہ سید علی الحائری مجتہد پنجاب لکھتے ہیں۔  
 در نماز کے مقررہ ارکان میں کسی قسم کی تبدیلی زیادتی یا کمی نہیں ہوتی  
 اس لیے تشہد نماز میں ادا شدہ شہادت ولایت کے لیے لوگ مامور نہیں  
 کیے گئے، "محقق خادم الشریعہ علی الحائری بقلمہ۔" (محلہ شیعان موجدیہ رازہ  
 (۲) سرکار آیۃ اللہ السید محسن الحکیم علی اللہ مقامہ فرماتے ہیں۔ (لاہور)  
 "جائز نیست و مبطل نماز است،" (محسن الطباطبائی الحکیم)  
 (۳) سرکار آیۃ اللہ السید عبد اللہ الشیرازی علی اللہ مقامہ فرماتے  
 ہیں۔

"واجب نیست والا لازم می آید کہ ترک واجب کردہ باشد  
 چوں یقیناً پیغمبر خدا بعد از غدیر شہادت ولایت علی در نماز نمی آید  
 واللہ اعلم۔" (عبد اللہ بن السید محمد طاہر الشیرازی)

۴۔ سرکار آیت اللہ الخوئی علی اللہ مقامہ فرماتے ہیں  
 "شہادت بولایت در نماز جائز نیست و مبطل نماز است، واللہ العالم  
 (ابوالقاسم الخوئی)

(۵) سید العلماء علامہ سید علی نقی النقی علی اللہ مقامہ فرماتے ہیں  
 "تشہد میں کسی چیز کا اضافہ درست نہیں ہے"  
 (علی نقی النقی)

اسی مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے ورنہ آیۃ اللہ آقائی شریعت مدار آیۃ اللہ  
 آقائی مرعشی اور آیۃ اللہ آقائے گلپایگانی اور دیگر مراجع و مجتہدین کے فتاویٰ



بھی اس اضافے کے رد میں جواز پر موجود ہیں۔

وفيه كفاية لمن له ادنى ذراية انشا الله تعالى۔

☆

ان حقائق کی روشنی میں ان فریب خوردہ اہل ایمان کو اپنی روش پر نظر ثانی کرنا چاہیئے جو کہ قرآن و ائمہ اکابر کے واضح فرمان اور مجتہدین عظام کے واضح فتاویٰ پر اپنے عمل کی بنیاد رکھنے کی بجائے بغیر سوچے سمجھے ان لوگوں کی چکنی پچڑی باتوں پر اعتماد کر کے کہ جن کے قول و بول میں کوئی فرق نہیں ہے اپنے عقیدہ و عمل کو برباد کر رہے ہیں۔

نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چستان کب تک؟

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

”ادنى ما يخرج به الرجل عن الاسلام ان يردى الراى بخلاف

الحق فيقتصر عليه“

یعنی کم از کم وہ چیز جس کی وجہ سے آدمی دین سے خارج ہو جاتا ہے یہ ہے کہ وہ خود ایک غلط رائے قائم کرے اور پھر اس پر ڈٹ جائے۔

(تفسیر صفائی بذیل آیت دمن یحفر بالایمان)

لے عالم ربانی شیخ زین العابدین ماہذرائی نے اپنی کتاب ذخیرۃ العباد ص ۷ طبع لکھنؤ پر لکھا ہے۔

”واعظیکہ مجتہد نیست قولش مثل بولش می ماند در احکام شریعت

اگر از طرف خود بگوید“ — جو واعظ و مبلغ مجتہد نہ ہو (اور نہ کسی مجتہد کا

فتویٰ نقل کرے) بلکہ اپنی طرف سے شریعت میں دخل اندازی کرے تو اس کا قول مثل اسکے بول

(پیشاب) کے ہے (منہ عفی عنہ)



ایک اور روایت میں وارد ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے بروز عید نماز عیسے کے پہنے ایک شخص کو جب نوافل پڑھتے ہوئے دیکھا تو اسے ٹوکا۔ اس شخص نے کہا کہ آخر نماز ہے کوئی گناہ کا کام تو نہیں ہے؟ اس پر جناب امیر نے فرمایا

ان الله لا يثيب على فعل حتى يفعله رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم او يحث فتكون صلواتك عبثاً والعيب حرام فلعنك يعذبك بمخالفتك بنبيه

یعنی جب تک اس بات کا ثبوت نہ مل جائے کہ فلاں کام رسول خدا نے کیا ہے یا اس کے کرنے پر آمادہ کیا ہے اس وقت تک خدا اس کام کے کرنے پر ثواب نہیں دیتا۔ بنا بریں تیری یہ نماز عبث کا کام ہے اور عبث کا کام حرام ہے کچھ بعید نہیں کہ خداوند عالم تجھے اپنے پیغمبر کی مخالفت کرنے کی وجہ سے عذاب کرے۔ (شرح مجمع البحرین کذانی الجذۃ ۱۶۵ ونظم البیان ص ۷۳) بالانصاف تارین کرام کے لیے لمحہ فکر یہ ہے کہ اگر سنت نبویہ کے خلاف نماز پڑھنے پر عذاب کا اندیشہ ہے تو کیا خلاف سنت دوسرے کام پر کس طرح اجر و ثواب کی توقع کی جا سکتی ہے؟

مین ایک حدیث میں وارد ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ شرب روز میں فرائض و نوافل کی کُل کتنی کشتیں ہیں؟ فرمایا کیا ون۔ اس نے کہا اگر میں اسے زیادہ پڑھنے کی طاقت رکھتا ہوں اور پڑھوں تو کیا خدا مجھے عذاب کریگا؟



امام نے فرمایا نماز پڑھنے پر تو عذاب نہیں کریگا۔ البتہ سنت کی مخالفت کرنے (اور خلاف سنت کو سنت سمجھ کر انجام دینے) پر ضرور عذاب کریگا۔  
(وسائل الشیعہ)

۷ من آنچه شرط بلاغ است باتو میگویم۔ تو خواہ از خنم بند بگیرد خواہ مسال

۷: نماز چاشت پڑھنا بدعت ہے | برادران اسلام چاشت کی چند رکعت نماز کو بڑی

اہمیت دیتے ہیں اور بالالزام پڑھتے ہیں۔

حالانکہ یہ نماز جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی ہے اور نہ ہی ان کے اصحاب برحق نے پڑھی ہے بلکہ اسے صاف اور صریح نقلوں میں بدعت قرار دیا ہے۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا

«صلوة الضحیٰ بدعة»

نماز چاشت بدعت ہے۔ (کتاب وسائل الشیعہ)

۸: نماز تراویح بدعت ہے | ہمارے ہاں ماہ رمضان میں اسلامی برادری سے زیادہ نوافل پڑھے

جاتے ہیں (یعنی پوری ایک ہزار رکعت پڑھی جاتی ہے) بایں تفصیل کہ یکم ماہ رمضان سے بیس تک ہر رات بیس رکعتیں اور اکیس سے تیس تک ہر رات تیس رکعتیں اور لیالی قدر (۱۹، ۲۱، ۲۳، ۲۵ رمضان) میں مزید برآں ایک ایک سو رکعت۔ مگر چونکہ مستحبی نماز میں جماعت روا نہیں ہے نہ بانی اسلام نے ایسا کیا ہے اور نہ ائمہ علیہم السلام نے اور نہ ہی دوسروں کو ایسا کرنے کی اجازت دی ہے۔



آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ نوافل فراڈی پڑھا کرتے تھے  
 سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے یہ بدعت ایجاد کی - ہوا یوں کہ ایک رات جب  
 وہ گشت کرتے ہوئے مسجد نبویؐ میں آئے تو دیکھا کہ لوگ الگ الگ و  
 رمضان کے نوافل پڑھ رہے ہیں تو کہا کہ کتنا اچھا ہوتا اگر میں ان کو ایک امام کے  
 پیچھے کھڑا کر دیتا - چنانچہ اُبی بن ابی کعب کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو باجماعت  
 یہ نوافل پڑھائیں - حسب معمول جب دوسری رات گشت کرتے ہوئے  
 وہاں پہنچے اور لوگوں کو جماعت کے ساتھ یہ نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو خوش  
 ہو کر کہا "نعمت البدعة هذه" (بہ بڑی اچھی بدعت ہے -  
 (ملاحظہ ہو بخاری شریف جلد ۵۸)

(باب فضل من قام رمضان)

اسکی معلوم ہوا کہ اسلام میں یہ وہ کھلی ہوئی بدعت ہے جس کا  
 استمرار خود اسکی موجود نہ داشتگاف الفاظ میں کر لیا ہے - اب کسی یہ  
 بات کہ یہ بدعت اچھی ہے یا بُری - تو قبل ازیں گفتارِ اولین پیغمبر  
 اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان فریقین کی مستند کتابوں کے  
 حوالوں سے پیش کیا جا چکا ہے کہ فرمایا

«كُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ»

(ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں جائیگی -)

بنا بس بوجے شریعت میں بدعت کو تقسیم کر کے اور اُسے بدعت  
 حسنہ اور بدعت سیئہ قرار دے کر اُسے مشرف بہ اسلام کر نیکی  
 کوئی گنجائش نہیں ہے -

علامہ سیوطی نے اپنی کتاب تاریخ الخلفاء فصل اولیات عمرؓ ۹ طبع مصر



پراسترار کیا ہے کہ

”هو اول من سن قیام شهر رمضان“

”حضرت عمرؓ پہلا شخص ہے جس نے تراویح کی بنیاد رکھی۔“ اور  
ایسا ہی فاضل شبلی نے اپنی کتاب ”الفاروق“ میں اعتراف کیا ہے۔

(فراجع)

—

ان مسائل میں کچھ زرف نگاہی درکار

یہ حقائق ہیں تماشائے لب لباب نہیں۔

۹: نمازِ قضا کے عمری <sup>بدعت</sup> پرانی تحفۃ العواموں اور کئی دوسری  
غیر مستند کتابوں میں ”نمازِ قضا کے

عمری کے نام سے ایک مخصوص قسم کی چند رکعتی نماز مذکور ہے جس کے  
متعلق لکھا ہے کہ جس بندے کے ذمہ حساب قضا نمازیں واجب الاداء  
ہوں اور وہ ان کو ادا نہ کر سکتا ہو تو شبِ دو شنبہ کو اس مخصوص طریقہ  
پر یہ چند رکعت نماز پڑھ لے تو ایسا کرنے سے اسکی سب قضا شدہ نمازیں  
ادا ہو جائیں گی۔

سودا ضح ہو کہ اس نماز کی کوئی اصلیت نہیں ہے قضا شدہ نمازوں

کا شرعی حکم یہ ہے کہ قضا شدہ نمازوں کی تعداد اگر معلوم ہو تو اسی قدر ادا  
کرنا ہوں گی۔ اور اگر تعاد کا صحیح علم نہ ہو تو پھر تخمینہ اور اندازہ لگانا پڑیگا

اور اس قدر نمازیں پڑھی جائیں گی کہ اپنے فارغ الذمہ ہونے کا یقین ہو

جکا۔ اور اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکے تو اپنے دُشوار کو اُن

کی ادائیگی کی وصیت کرے گا۔ بہر حال اس قضا کے عمری کے طریقہ پر ان







کرتے تھے۔

انہی حقائق کی بناء پر علامہ وحید الزمان نے ترجمہ سنن ابن ماجہ جلد ۵۰۸

پر لکھا ہے کہ

”چار تکبیروں پر اجماع کا دعویٰ غلط ہے“

صحابہ میں اختلاف مشہور ہے اور کوئی وجہ نہیں کہ پانچ تکبیروں پر

عمل نہ کیا جائے۔۔۔۔۔ جب حدیث صحیح اس باب میں وارد ہوئی

باوجودیکہ اس میں زیادت ہے اور زیادت پر عمل کرنا ادنیٰ ہے۔“

ہاں اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ چار تکبیروں پر لوگوں کو عمرؓ نے جمع

کیا۔۔۔۔۔ چنانچہ تاریخ الخلفاء ص ۱۳ طبع مصر جدید باب اولیات عمرؓ میں

لکھا ہے۔

وَأَوَّلُ مَنْ جَمَعَ النَّاسَ فِي صَلَاةِ الْجَنَازَةِ عَلِيٌّ أَرْبَعَ

تَكْبِيرَاتٍ۔

یعنی عمرؓ پہلا شخص ہے جس نے لوگوں کو جنازہ میں چار تکبیروں پر جمع کیا۔

(کذا فی الفارق للشیخ ص ۲۵۳ طبع لاہور)

اب تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ اہل اسلام و ایمان پر چار تکبیر

نماز جنازہ پڑھنا سنت رسول نہیں بلکہ بدعت عمرؓ ہے۔

سرکارِ مجہد و آلِ محمد

علیہم السلام پر

۱۱: نماز کے بعد مخصوص تعداد میں درود پڑھنا:

درود پڑھنا بہترین کارِ ثواب ہے بلکہ یہ وہ عمل ہے جس میں خدا بھی شامل

ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ لہذا اس کا پڑھنا بخشش گناہ



اور بلند کی درجات کا بہترین ذریعہ ہے لیکن اگر اس میں بھی الزام مالا یلزم کا ارتکاب کیا جائے مثلاً یہ رسم و ریت بنالی جائے کہ نماز کا سلام پھیرتے ہی باواز بلند پانچ یا دس مرتبہ درود پڑھا جائے تو یہ مقام اور عدد کی تعیین ممنوع ہو جائیگی کیونکہ خود محمد آل محمد علیہم السلام نے یہ التزام نہیں کیا اور وہاں اور جس عمل میں ان کے نقش پانظر نہ آئیں تو وہ عمل صحیح نہیں ہوتا۔ ہاں البتہ اگر طواف کی طرح اسکی تعداد معین نہ کی جائے بلکہ جیسے کبھی کسی کو بھی شبی کر دی جائے تو پچھ کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ کسی ورد یا وظیفہ کی تعداد مقرر کرنا شریعت کا کام ہے۔

اسی بنا پر علامہ جزائری نے انوار نعمانیہ میں لا الہ الا اللہ کے ورد کی حسن و خوبی بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی شخصیت اس کا خاص عدد اور خاص وقت مقرر کر کے پڑھے تو یہ بدعت بن جائیگی۔ (فراہج)

۱۲: مخصوص اوقات میں مصافحہ کا التزام  
بے شک اہل ایمان کا باہمی مصافحہ کرنا کارِ ثواب

ہے۔ اور شرعاً پسندیدہ فعل ہے اس دلوں میں میل و محبت اور لوگوں میں یک جہتی و یگانگت پیدا ہوتی ہے اس گناہ جھڑتے ہیں اور یہ ہمیشہ اور ہر وقت کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ التزام کہ نماز باجماعت کا سلام پھیرتے ہی مصافحہ کیا جائے اور پھر نماز کے اختتام پر بھی ضرور کیا جائے اور اس مقام کے لیے خاص شرعی حکم سمجھ کر کیا جائے کسی طرح بھی مستحسن نہیں ہے کیونکہ سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی سیرت و کردار میں اس کا کوئی عملی ثبوت نہیں ملتا۔ انہی حقائق کی بنا پر برادران اسلام کے علماء کبار نے بھی اعتراض کیا ہے کہ اس تخصیص و تعیین پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ (استقۃ الہامات) شرح مشکوٰۃ المصابیح شیخ عبدالحق محدث دہلوی جلد ۱ ص ۱۱۷، الاعتصام شاطی ص ۲ وغیرہ ملاحظہ ہو) اسی طرح یہ بھی مینہ گڑھ ہے کہ کسی معصوم کی شہادت کے موقع پر

مصافحہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ کیا جاسکتا ہے۔



## ۱۳: نماز کے بعد صرف تین مخصوص زیارتیں پڑھنا

پہلے متحدہ ہندوستان  
میں اور اب پاک

وہند میں یہ رسم ہے کہ ہر نماز فریضہ اور مجالس سیدالشہداء کے خاتمہ پر تین زیارتیں ضرور پڑھی جاتی ہیں (جناب امام حسینؑ، امام علی بن موسیٰ الرضاؑ، اور امام زمانہؑ کی زیارت یا چارہ شمول پیغمبر اسلام کی زیارت کے)

جبکہ دوسرے اسلامی ممالک میں ایسی کوئی رسم نہیں ہے اگرچہ نزدیک و دور سے سرکارِ معصومین علیہم السلام کی زیارت پڑھی جاسکتی ہے بلکہ پڑھنا بکارتِ ثواب ہے مگر کلام اس میں ہے کہ جو کچھ ہم ایک شرعی عبادت اور اسلامی حکم سمجھ کر بجالاتے ہیں یہ ایک رسم تو ہے مگر سیرتِ امہ طاہرین و اسوۂ فقہارِ کاملین میں اس کا کوئی عملی ثبوت نہیں ملتا۔ لہذا یہ التزام صحیح نہیں ہے۔

ایک بار قُدوۃ السالچین سرکارِ پیرسید فضل شاہ اعلیٰ اللہ مقامہ نے اس راقمِ آثم سے استفسار فرمایا کہ نماز کے بعد چوہہ معصومین علیہم السلام میں سے صرف تین معصومین کی زیارات کیوں پڑھی جاتی ہیں دوسرے معصومین کی کیوں نہیں پڑھی جاتیں؟ اس اختصاص کی وجہ کیا ہے؟ میں نے جواباً عرض کیا کہ اوجہ تنب معلوم کرنے کی کوشش کرتے کہ جب یہ کوئی مخصوص شرعی حکم ہوتا اور شرعاً وار و ہوتا۔ مگر یہ تو محض ایک رسم ہے جو صرف ہمارے ملک میں [نہ معلوم کب سے] جاری ہے لہذا اسکی شرعی علت معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ سرکارِ پیر صاحب اس جواب باصواب سے مطمئن ہو کر خاموش ہو گئے۔

ہاں! اگر ایسے مقامات پر اسکی بجائے تمام معصومین علیہم السلام کی کوئی مختصر عنقرسی شترکہ زیارت جامد پڑھ لیجا اور وہ بھی خصوصی حکم سمجھے بغیر اور التزام کئے بغیر



تو شاید یہ نسب ہوگا۔ جیسا کہ ہم جناب علامہ سید علی نقی النقوی اعلیٰ اللہ مقامہ کو کئی بار ایسا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ واللہ الموفق

۱۴: بالجہر ذکر خدا کرنا  
خداوند عالم کا ذکر کرنا بہترین عبادت اور اس کی بارگاہ میں دعا و پکار کرنا عبارت کا مغز ہے مگر یہ

ذکر اور دعا و پکار اُسی وقت عبادت قرار پائیں گے کہ جب شریعت مقدسہ کے قواعد کے مطابق ہوں گے اور وہ شرعی طریقہ یہ ہے کہ یہ ذکر و دعا اخلاص و انکسار کے ساتھ ہو اور آہستہ اور چپکے سے ہو۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ

الْمُعْتَدِينَ (پارہ ۷ رکوع ۷ - سورۃ اعراف)

(اپنے پروردگار کو تضرع و زاری اور آہستگی سے پکارو وہ حد سے بڑھنے

والوں سے محبت نہیں کرتا)

ایک اور مقام پر فرماتا ہے

وَإِذْ كُنَّا نَبِّئُكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً وَدُونَ

الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ (پارہ ۹ سورۃ اعراف رکوع ۲۴)

(اپنے پروردگار کا ذکر عجز و انکسار اور ڈر اور خوف کے ساتھ اور جہر سے کمتر

آواز میں کر)

یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بعض لوگوں کو بلند

آواز سے ذکر کرتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں

پکار رہے۔ بلکہ اُسے پکار رہے ہو جو سمیع بھی ہے اور قریب بھی)

(بخاری و مسلم وغیرہ)

ہذا مساجد میں بلند آواز سے ذکر و دعا کرنا جہاں آداب مسجد کے خلاف

۱۵: جلیے زیارت جامعہ "السلام علیکم یا اویا اللہ۔ اللہ علیکم یا خلفاء اللہ۔ السلام علیکم یا محمد اللہ علیکم یا ائمتہ اللہ علیکم یا خلفاء اللہ۔ السلام علیکم یا شفعاۃ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ یوم حرم اللہ"۔



ہے وہاں سیرتِ نبی و امام کے بھی خلاف ہے۔

علاوہ بریں اس کے بعض اوقات نمازیوں اور قاریوں کی نماز و قرات میں بھی خلل پڑتا ہے جس سے وہ پریشان ہوتے ہیں لہذا اس سے اجتناب لازم ہے۔ اسی طرح صوفیہ کے ذکرِ حلی و ذکرِ خفی کی بھی کوئی اصلیت و حقیقت نہیں ہیں۔ ————— یہ ان کے طبع زاد نظریات ہیں جن کا شرعی نقطہ نگاہ سے کوئی وزن اور کوئی جواز نہیں ہے بلکہ یہ ان کے احداث و بدعات میں سے ہے۔ ————— واللہ العاصم۔

### ۱۵: بعض مخصوص نقوش کا بعض مخصوص اوقات میں دیکھنا <sup>تحفہ احیاء اور عملیات</sup>

کی بغیر غیر معتبر کتابوں میں کچھ نقوش درج ہیں جن میں سے بعض کا تعلق ماہِ نو سے ہے کہ نیا چاند دیکھ کر دیکھے جاتے ہیں۔

بعض کا ایامِ ہفتہ سے اور بعض کا صبح و شام سے اور پھر ان کے بہت سے فضائل لکھے ہیں۔ ————— مثلاً جو شخص رات کو یہ نقش دیکھے گا۔ اس کے دن بھر کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ اور جو صبح کو دیکھے گا اس کے رات بھر کے گناہ بخشے جائیں گے۔

اور بعض کے متعلق تو یہاں تک لکھا ہے کہ جو عمر بھر میں صرف ایک بار اس نقش کو دیکھے گا اس کے تمام گناہ معاف اور آتشِ دوزخ حرام ہو جاتی ہے۔ اس قسم کے نقوش ایجادِ بندہ ہیں اور بدعت

کے زمرہ میں داخل ہیں۔ اور کسی نبی و امام سے مستند تو کجا غیر مستند طریقہ سے بھی منقول نہیں ہیں۔ جو شاید بدکاروں کو زیادہ بدکار و گنہگار بنانے کے لیے ایجاد کئے گئے ہیں۔



یہی وجہ ہے کہ جناب نجم العلامہ اور حضرت مفتی احمد علی لکھنوی نے تحفۃ العوام کامل کے حاشیہ پر وہاں صاف لکھا ہے جہاں یہ نقوش درج ہیں۔  
کہ در نقوش مذکورہ آج تک کسی معتبر کتاب میں نظر قاصر سے نہیں گذرے۔

اور ایسا ہی افادہ علامہ علی نقی نے فرمایا ہے مگر ناشرین کی جہالت اور غفلت کا یہ عالم ہے کہ علامہ کی اس وضاحت کے باوجود وہ برہر نقوش چھپا رہے ہیں۔

۱۶۔ زبان سے نیت کرنا: یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ ہر عضو کا ایک خاص وظیفہ ہوتا ہے جو اس سے انجام دیا جاتا ہے کسی اور عضو سے نہیں دیا جاسکتا۔ مثلاً جو کام آنکھ کے کرنے کا ہے وہ کان سے نہیں کیا جاسکتا اور جو کام کان سے متعلق ہے وہ آنکھ سے انجام نہیں دیا جاسکتا جو کام دل سے متعلق ہے وہ زبان سے نہیں کیا جاسکتا۔ اور جو کام زبان سے کیا جاتا ہے وہ دل سے انجام نہیں دیا جاسکتا۔  
بنا بریں دیکھنا یہ ہے کہ نیت کا تعلق کس عضو سے ہے؟ دل سے یا زبان سے؟ عوام یہ گمان کرتے ہیں کہ نیت زبان سے کی جاتی ہے مگر راز عقل و دانش جانتے ہیں کہ اس کا تعلق دل سے ہے نہ زبان سے۔

النية فعلٌ يفعل بالقلب

(نیت ایک کام ہے جو دل سے انجام دیا جاتا ہے)

الفروض: نیت دل سے کی جاتی ہے زبان سے پڑھی نہیں جاتی۔  
لہذا زبان سے نیت پڑھنا زمانہ جہالت کی پیداوار اور اسی کی یادگار ہے لہذا اس کے اجتناب کر کے صحیح شرعی طریقہ کے مطابق دل میں نیت کرنی چاہیے



بلکہ بعض فقہار کا فتویٰ ہے کہ زبان سے نیت کرنے سے عبادت باطل ہو جاتی ہے۔ اور یہ جو بعض چھوٹی بڑی کتابوں میں وضو و غسل کی اور نماز وغیرہ پڑھنے کی نیت لکھی ہوئی ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس طرح دل میں قصد کیا جائے نہ کہ زبان سے پڑھی جائے۔

**۱۷: مسجد میں آواز بلند کرنا:** شریعت اسلامیہ میں مسجد کو جو مقام حاصل ہے وہ کسی وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔

شریعت مقدسہ میں اس کے کچھ مخصوص احکام و آداب ہیں جن کے ذکر کرنے کی یہاں نہ گنجائش ہے اور نہ ہی یہ اُن کا مقام ہے (مختصر اُعرض ہے کہ منجملہ اُن احکام کے ایک حکم اور ادب یہ ہے کہ مسجد خانہ خدا میں اُس کے احترام کے پیش نظر آواز بلند نہ کی جائے۔ حتیٰ کہ مستحب ہے کہ اس میں قرآن کی تلاوت بھی بلند آواز کی بجائے آہستہ کی جائے جیسا کہ کئی حدیثوں میں وارد ہے ملاحظہ ہو (وسائل الشیعہ وغیرہ)۔ چہ جائیکہ اُس میں اور کئی قسم کی سیاسی یا مذہبی نعرہ بازی کی جائے یہ بات آداب مسجد کے خلاف ہے اور مکروہات میں داخل ہے لہذا اگر کوئی نعرہ وغیرہ لگانا ہو تو وہ حدود مسجد سے باہر لگانا چاہیے۔

**۱۸: جمعہ کے دن دوسری اذان دینا:** جمعہ کے دن مقررہ اذان کے علاوہ دوسری

اذان دینا یہ چیز خلاف سنت ہے اور بدعت ہے جو مسلمانوں کے تیسرے دور خلافت کی یادگار ہے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو التفریق والتحریف فی الاسلام)





۱۹: مسجد دروازے بند کرنا: مسجدوں کے دروازے بند رکھنا اور صرف اوقات نماز میں اور وہ بھی صرف اول وقت

پر کھولنا خلاف سنت ہے۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہدِ معدلت انگریز میں ایسا نہیں کیا جاتا تھا بلکہ آپ کے عہد رسالت میں ہمیشہ اور ہر وقت خانہ خدا کا دروازہ بند گاہِ خدا کے لیے کھلا رہتا تھا۔ تاکہ جو بندہ جب آئے خانہ خدا میں خدا کی عبادت بجالائے۔ ہاں اگر مسجد کے متاع

۲۰: مساجد کے مینار بنانا: اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ مسجد خانہ خدا ہے اور اس کی تعمیر بہت بڑی

نیکی ہے۔ ارشادِ قدرت ہے۔

”إِنَّمَا يَحْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ“  
(اللہ کی مسجدوں کو دہی آباد کرتے ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں)  
اور حدیثِ نبویؐ میں وارد ہے۔

مَنْ بَنَى لِلَّهِ مَسْجِدًا بَنَى اللَّهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ  
(جو شخص خدا کی خوشنودی کے لیے (دنیا میں) مسجد بنائے، خدا اس کے لیے جنت میں گھر بناتا ہے)

مگر مساجد میں اونچے اونچے مینار بنانا اور ان کی تعمیر پر زور کثیر صرف کہنا شرعاً ممنوع ہے۔۔۔ بہ کثرت روایات میں وارد ہے کہ جب امام زمانہ تشریف لائیں گے تو ان میناروں کو گرا دیں گے (سینر دھم، بحار اکمال الدین، النعم الثاقب وغیرہا)

راوی حدیث ابو ہاشم جعفری کا بیان ہے کہ میں نے خیال کیا کہ امام زمانہ کیوں ایسا کریں گے تو امام (حسن عسکریؑ) میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:



معنیٰ ہذا انہا محدثہ مبتدعہ لم یبنہا نبی ولا محمد  
 کہ ایسا اکیلے کریں گے کہ یہ (مینارے) بدعت ہیں اور نوا بجاد نہ کسی نبی نے  
 بنائے ہیں اور نہ کسی حجت خدا (امام) نے (سکالر جلد ۱۳)  
 اس حدیث سے بھی بحبارۃ النص ثابت ہے کہ ہر وہ کام جو نہ نبی انجام  
 دے اور نہ امام۔ اور نہ ہی اس کے کرنے کی عمومی یا خصوصی طور پر اجازت دیں  
 وہ کام بدعت بھی ہوتا ہے اور حرام بھی!

ویسے اگر عقلاً بھی غور کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ کسی بھی نقل کا کمال یہ ہوتا ہے  
 کہ وہ مطابق اصل ہو۔ بنا بریں ظاہر ہے کہ مسجد خانہ کعبہ کی نقل ہے تو  
 جب اصل (کعبہ) میں مینارے نہیں ہیں تو اس کی نقل (مسجد) میں کہا  
 سے آئیں گے؟

بہر نوع اہل ایمان کو چاہیے کہ لوگوں کی دیکھا دیکھی مسجدوں پر مینارے  
 نہ بنائیں بلکہ اس سے کُلی اجتناب کریں (ان فی ذالک لآیات لقوم یعقلون)  
 اسی طرح متعدد اخبار و آثار  
 سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ مسجدوں

## ۲۱: احادیثی محراب بنانا:

میں ایسے محراب بنانا کہ جس میں پیش نماز کھڑا ہو کر مقتدیوں کی نظروں سے  
 ادجھل ہو جائے یہ بسلاطین بنی امیہ کے عہد کی ایجاد ہے جس  
 سے بہر حال پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ فقہانے اس کی منہا ہی فرمائی ہے۔

۲۲: روزہ میں بدعت، روزہ توکلی  
 انڈیا میں مخصوص طریقہ کے بعض  
 روزے رائج ہیں۔

(۱) روزہ توکلی جس کا طریقہ یہ ہے کہ توکل بخدا روزہ رکھا جاتا ہے  
 افطاری کے لیے اتفاقاً کہیں کوئی چیز آگئی تو فقہا روزہ فاقہ سے سو رہی



گے۔

(۲) روزہ پیپ پرہارڈ، جس میں یہ معمول ہے کہ سات گھروں سے مانگ کر جو کچھ لائیں گے اس سے روزہ افطار کریں گے

(اصلاح الرسوم جو پوری)

(۳) روزہ عاشوراء محرم : یہی حال عاشوراء کے روزہ کا ہے جو بنی اُمیہ کی بدعت ہے جو انہوں نے شہادت امام حسینؑ کی خوشی کے سلسلہ میں ایجاد کی تھی لہذا اس دن مکمل روزہ رکھنے سے اجتناب کرنا لازم ہے۔ بل البتہ اس دن فاقہ کرنا چاہیے اور غروب آفتاب کے قریب پونے تین گھنٹے پہلے سادہ غذا اور سادہ پانی وغیرہ سے فاقہ شکنی کر دینی چاہیے۔ تاکہ حزن و ملال کا اظہار بھی ہو جائے اور آدمی بنو اُمیہ کی بدعت سے بھی بچ جائے۔

(۴) اس میں کوئی شک نہیں کہ روزہ ایک بہترین عبادت ہے مگر ان شرائط و خصوصیات نے اسے بدعت بنا دیا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ سمجھ کر چند رکعت نماز نوافل پڑھے کہ نماز ایک عبادت ہے خوشنودی خدا کا ذریعہ ہے اور باعث اجر و ثواب ہے تو یہ عبادت ہوگی لیکن اگر یہ سمجھ کر پڑھے کہ غروب آفتاب کے وقت دو رکعت نماز فلاں فلاں سورہ کے ساتھ پڑھنا سنت ہے۔ تو اب یہی نماز بدعت بن جائیگی اسی طرح کلمہ طیبہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کا ورد افضل الذکر ہے اور یہ ورد ہر وقت کیا جاسکتا ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ اس ورد کو فلاں وقت کی نماز کے بعد اتنی مقدار میں زانو بدلے بغیر پڑھنا چاہیے تو پھر یہی ورد بدعت بن جائے گا۔ اور ثواب کی بجائے اُلٹا باعث عذاب بن جائیگا۔ و علیٰ ہذا القیاس۔



کیونکہ کسی شخص کو اپنی عقل خام اور رائے ناقص سے شرائط و خصوصیات مقرر کرنے کا کوئی حق نہیں ورنہ یہ عبادت (پناہ بخدا) بدعت بن جائیگی اور اس پر نیکل بر اور گناہ ڈالنے کی مثل صادق آئے گی۔

یوم عاشورار کو مسرت و شادمانی کا دن قرار دینا <sup>بدعت</sup> جس دن اسلام اور ناموس انسان

کی بقا کے لیے رسول اسلام کا خاندان کٹ گیا اور اس کا گھر ٹٹ گیا اسے بعض دشمنان اہل بیت مسرت و شادمانی کا دن قرار دیتے ہیں اور اس دن گریہ و بکا کرنے اور حزن و ملال کا اظہار کرنے کو بدعت قرار دیتے ہوئے اٹال سے نہ صرف عام مسرت و شادمانی کا بلکہ عیدین کی طرح عید کا دن قرار دیتے ہیں اور اس دن کی فضیلت میں کئی خود ساختہ حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو نعتہ الطالبین)

مکی شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنے رسالہ ”ما ثبت بالنسہ“ میں یہ لکھ کر کہ ”اس قسم کی تمام حدیثیں اہل بیت کے دشمنوں کذابوں و جالوں کی وضع کردہ ہیں“ ان لوگوں کی خاصیت اور خارجیت کا بھانڈا چوراہے پر پھوٹ دیا ہے۔

خوشتر آں باشد کہ ستر و لبراں : گفتہ آید در حدیث دیگران

زکوٰۃ و خمس ادا کرنے میں بدعت یعنی انکو  
ادا تو کرنا مگر حساب نہ کرنا

زکوٰۃ اسلام کے اُن بنیادوں  
پانچ ارکان میں سے ہے  
جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے لہذا جو شخص اسکو واجب نہیں جانتا تو وہ مسلمان کہلانے کا رد دار نہیں ہے اور جو واجب تو جانتا ہے مگر عمدًا ادا نہیں کرتا وہ مومن عادل



کہلانے کا حق رار نہیں ہے۔

اسی طرح خمس کی اہمیت بھی فی الجملہ ناقابل انکار ہے مگر شرعی نقطہ نگاہ سے زکوٰۃ ہو یا خمس اُن کی ادائیگی کا مخصوص طریقہ ہے جسکی تفصیل فقہی کتابوں سے معلوم کی جاسکتی ہے) تو اگر کوئی شخص اُن کو اُن کے مخصوص طریقہ سے ادا نہیں کرتا۔ بلکہ اس طرح بے حساب کتاب دیتا ہے کہ اگر کوئی غیر سید سائل آگیا تو زکوٰۃ کی نیت سے اور اگر کوئی سید آگیا تو خمس کے ارادے سے اس کی اعانت کر دی تو جب تک یہ حساب نہیں کریگا۔ کہ اُس کے ذمہ کتنی مقدار زکوٰۃ اور کس قدر خمس ہے؟

اور پھر باقاعدہ اتنی مقدار ادا نہیں کریگا اس وقت تک شرعاً وہ بری الذمہ نہیں ہو سکتا۔ ورنہ حساب کے بغیر زکوٰۃ و خمس ادا کرنا ایسا ہی منصور ہوگا جیسے کوئی شخص نماز پڑھتا جائے مگر یہ حساب نہ کرے کہ کتنی رکعتیں پڑھنی ہیں اور کس قدر پڑھی ہیں؟ یا رکوع و سجود کرتا جائے مگر یہ شمار نہ کرے کہ کس قدر کئے ہیں اور کس قدر کرنے ہیں تو جس طرح اس طریقہ پر نماز پڑھنا درست نہیں ہے اسی طرح اس طریقہ پر زکوٰۃ و خمس ادا کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔ واللہ الموفق۔

اسی طرح بعض نام نہاد مسلمان اور بعض نیم مٹلا خطرہ ایمان قسم کے مولوی صاحبان بعض اوقات زکوٰۃ و خمس کے مستحقین سے سودے بازی کیا کرتے ہیں کہ ایک بار رقم ان کے ہاتھوں پر رکھ کر اور پھر تھوڑی سی طے شدہ مقدار دے کر باقی واپس لے لیتے ہیں اور بموجب عذر رند کے رند ہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔



وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح تو وہ بری الذمہ ہو جائیں گے حاشا وکلاً۔ واما بعد  
الا انفسہم۔ عہ

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے

جج جیسی عظیم دینی عبادت بھی بدعتی لوگوں کے دست  
نصرف سے محفوظ نہیں رہی اس میں بڑی بڑی

## ججین بدعت:

دو بدعتیں ایجا دیں۔

(۱) طواف النساء کو ختم کر دیا گیا جس کی ادائیگی سے حاجیوں پر عورتیں

حلال ہوتی ہیں۔

(۲) ممتنع الحج (جج افراد و قرآن کو حج تمتع سے بدلنے کا شرعی طریقہ)  
ختم کر دیا گیا (تفصیل مطاعن کی مفصل کتابوں میں دیکھی جاسکتی ہے)

اسی طرح اسلام کا عظیم ستون جہاد بھی  
بدعتی لوگوں کی ہوس بدعت کی بھیانک

## جہاد میں بدعت

چڑھنے سے محفوظ نہ رہ سکا۔

ناوک نے تیرے صیہ چھڑا زمانے میں: تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیائیں  
اس میں کوئی شک نہیں کہ جہاد ایک اسلامی فریضہ ہے اسلام اور مسلمانوں  
کی بقا اور اسلامی حقائق و معارف کی نشر و اشاعت کا بہترین ذریعہ ہے  
جو شخص یہ فریضہ ادا کرتے ہوئے جاں بحق ہو جائے وہ شہید اور جو زندہ بچ جائے

وہ غازی کہلاتا ہے

مگر اس کے انجام دہی کے کچھ مخصوص شرعی قواعد و ضوابط ہیں جن کی...

پابندی نہ کرنے سے جہاد، فساد بھی بن سکتا ہے مگر افسوس کہنا پڑتا ہے  
کہ اس اسلامی عظیم عبادت کا اس طرح حلیہ بگاڑا گیا اور "ٹکے سیر" کے...



حساب کے شہادت کو یوں ارزاں کیا گیا کہ آتشیں انتقام کو بجھانے والی اور  
جوع الارض کے تحت ہر لڑی جانے والی جنگ کے نام جہار رکھ دیا گیا۔  
اور مذہب و فرقہ پراریت کے نام پر ہر فساد کا نام جہار رکھ دیا گیا پس  
ہے

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد  
جو چسکا آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے  
اور اس طرح انجبار کی نظروں میں جہاد کے مقدس نام کو بدنام کر دیا  
گیا۔ اور بعض مسلمان بادشاہوں کی اسلام کے مقدس نام پر لڑی جانے  
والی غیر اسلامی جنگوں کی بنا پر دشمنان اسلام کو یہ کہنے کا موقع ملا  
کہ اسلام اپنی صداقت و حقانیت کے زور سے نہیں پھیلا بلکہ زورِ شمشیر  
پھیلا ہے۔ پس ہے کہ  
بدنام کنندہ کو نامے چند۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ



## چوتھا باب

اُن غلط رسوم کا بیان جو عزاداری سیّد  
الشہداء علیہ آلاف التحیات والثناء  
میں رائج ہیں۔

ہم یہ حقیقت نہ صرف اپنی مدلل تقریروں میں بلکہ اپنی مستند تحریروں  
میں بھی (جیسے اصلاح المجالس تجلیات صداقت، اصول الشریعہ اور سعادت  
الدین میں) بار بار ثابت کر چکے ہیں کہ

”عزاداری سیّد الشہداء“ اگر صحیح طریقہ پر منافی جائے تو نہ صرف  
یہ کہ یہ بہترین عبارت ہے بلکہ قومی و ملی حیات کے لیے بمنزائے شہ رگ  
حیات بھی ہے۔ ————— احیاء دین و نشر تعلیمات ائمہ طاہرین  
کا بہترین ذریعہ ہے اسلامی عقائد و معارف معلوم کرنے اور ادا و امر و نہی  
اور احکام الہی حاصل کرنے کی بہترین درگاہ ہے اور اتحاد بین المسلمین کا بہترین  
وسیلہ ہے۔ ————— بنی اُمیہ اور بنی عباس اور شارین اسلام کے دیگر تاریک  
ادوار میں مذہب حق کی بقا بہت حد تک اسی عزاداری کی مرہونِ منت  
ہے یعنی امام حسین علیہ السلام کی بے مثل قربانی نے اسلام کو حیاتِ جاوید



بخشی ہے اور اسی عظیم تر بانی کی یاد منانے سے ہی اسلام کو زندہ رکھا جاسکتا ہے  
سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے فضائل پر خوش ہونا اور ان کے  
مصائب پر رونا کارِ ثواب اور بخشش گناہ کا بہترین ذریعہ ہے۔

الغرض اس عزاداری کے اور بھی بہت سے فوائد و عوائد  
ہیں جن کا ایک شمع ہم نے اصلاح المجالس المحافل میں سرچ کر دیا ہے مگر  
ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ مجالس محافل منعقد کرنا اور ان ذواتِ قارہ  
کے فضائل حسن کرم و شاد کام ہونا اور ان کے مصائب پر غمناک و اشکبار  
ہونا اصل مقصد نہیں بلکہ اصل مقصد تک رسائی حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے کہ مظلوموں اور  
مظلوموں سے محبت و الفت اور ظالموں اور قاتلوں سے نفرت کی جائے اور اسلامی  
عقائد و عبادات کی بقا کا اہتمام کیا جائے۔

اب قابل غور امر یہ ہے کہ موجودہ دور میں عزاداری  
جس نہج پر جا رہی ہے۔ آیا اس کے اس کے مطلوبہ فوائد حاصل ہو رہے ہیں؟  
اور وہ مقصد حاصل ہو رہا ہے جو اس کے برپا کرنے کا محرک داعی ہے؟  
اگر بہ نظر انصاف حالاتِ حاضرہ کا جائزہ لیا جائے تو اس سوال کا جواب  
نفی میں دینا پڑتا ہے اگرچہ "الوجود خیر من العدم" ایک مسلمہ حقیقت ہے  
مگر آجکل عزاداری پر جس قدر روپیہ پیسہ نفیس و نفیس خرچ ہو رہا ہے  
اس کا عشرِ عشر بھی حاصل نہیں ہو رہا۔

بلکہ سچ پوچھیے تو نفع کی بجائے اٹا دین و ملت کا نقصان و زیاں  
ہو رہا ہے تو کیا پھر ان مجالس کو بند کر دیا جائے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ کوئی  
صحیح الدماغ آدمی ایسا سوچ بھی نہیں سکتا کہ اگر کسی باغ میں کوئی خود  
رُو پودا اُگ آئے تو باغ اکھیر دیا جائے یا مسجد میں قوالی ہوتی ہو تو مسجد  
گرا دی جائے بلکہ اس کا صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ پہلے اصل خرابی کا



سراغ لگایا جائے۔ اور جب اُس کا پتہ چل جائے تو اُس کا ازالہ کیا جائے اور آئندہ کے لیے سدِ باب کیا جائے۔ اگر کچھ غلط رسوم رائج ہو گئی ہیں جنہوں نے ان مجالس کی افادیت کو ختم کر دیا ہے یا اُسے کم کر دیا ہے تو ان کا استیصال کیا جائے اور انکو ختم کیا جائے۔

تاکہ ان مجالس کی مطلوبہ نتائج و فوائد حاصل کئے جاسکیں کیونکہ عزاداری اگر عبادت ہے تو اس کس کچھ تقاضے بھی ہیں۔ جن کو بہر حال پورا کرنا چاہیئے کیا اصلاح ہونی چاہیئے؟ اس سوال کا تفصیلی جواب تو ہمارے اصلاحی رسالہ اصلاح المجالس المحافل میں مذکور ہے مگر یہاں بھی اس کا جامع خلاصہ عرض کیا جاتا ہے اور آخر میں عزاداری کے متعلق بعض ان اصلاحی باتوں کا تذکرہ بھی کیا جائیگا جو رسالہ اصلاح المجالس میں بھی مذکور نہیں ہیں۔

سودا صبح ہو کہ اس سلسلہ کی بعض خرابیاں تو وہ ہیں جو پڑھنے اور بیٹھانے اور سننے والوں میں مشترک ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا تعلق صرف ایک طبقہ (صرف پڑھنے اور بیٹھانے والے) کے ساتھ ہے اور یہی تین عناصر عزاداری کے عناصر ہیں۔

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں | **ہر عمل کی روح اخلاص ہے**

ہے کہ جب تک خلوص نیت نہ ہو

اس وقت تک نہ کوئی عمل عمل ہوتا ہے اور نہ کوئی عبادت عبادت۔

ارشاد قدرت ہے۔

أَمِرُوا بِالْإِيتِاعِبُدِ وَاللّٰهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ .

[ان کو حکم نہیں دیا گیا مگر احسانِ صلاص کے ساتھ عبادت کرنے کا]

مگر بد قسمتی یہ ہے کہ پڑھنے اور بیٹھانے والوں کی اکثریت اس وقت

اسی روحِ عبادت سے تہی دامن نظر آتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ہماری مجاہدہ



عام مجالس ایک کاروباری منڈی بن چکی ہیں۔ اور ان کی افادیت بالکل ختم ہو گئی ہے۔ اس دعوے کے ثبوت کے لیے بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں نیچے گانہ شواہد پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ پہلا شاہد فریس کٹے کر کے مجالس بٹڑھنا  
آجکل مجالس غزا پڑھنے پڑھانے پر جس طرح سوا

بازی ہوتی ہے۔ یہ تلخ حقیقت حیاں را چہ بیان کی مصداق ہے یہ عبادت ایک کاروبار بن کر رہ گئی ہے۔ لہذا یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان میں اور تو سب کچھ ہو سکتا ہے مگر اخلاص نہیں ہو سکتا۔

نذرانہ لینے کے جواز کا طریقہ صرف یہ ہے کہ چک چکاوا اور نک مکاوا کئے بغیر پڑھنے والا خلوص نیت کے ساتھ عبادت سمجھ کر مجالس پڑھے اور بانی مجالس حسبِ توفیق جو کچھ کم یا زیادہ قرآن الی اللہ اس کی خدمت میں پیش کرے وہ اسے بخوشی قبول کر لے۔

ہاں بانیانِ کرام کو چاہیے کہ جو واعظ و ذاکر معاوضہ ملے نہیں کتنے انکو معقول ہدیہ پیش کریں۔ اس طرح جہاں صحیح مجالس خوانوں کی حوصلہ افزائی ہوگی وہاں اس نیک عمل کو تجارت بنانیوالوں کی حوصلہ شکنی بھی ہوگی

پڑھنے والے بھی دُہی پڑھتے ہیں جو پبلک یا بانی پسند کرے اور پڑھنے

۲: دوسرا شاہد۔ خدا و رسول کی رضا پر

پبلک کی رضا جوئی کو مقدم جاننا

والے بھی اُسی مقرر و ذاکر کو چاہتے ہیں جو اُن کی مرضی کے مطابق پڑھے اُن کی بلا جانے کہ اُن کا شرعی وظیفہ کیا ہے؟ معاشرہ کاروگ کیا ہے؟



اور اُس کا علاج کیا ہے انہیں تو بس اپنے ذاتی مفاد سے مطلب ہے وہ بس یہ اس بات کی روشنی دلیل ہے کہ اُن میں خلوص فی العمل نہیں ہے۔

تبلیغ اہل ایمان اہل علم کی توہین و تفریق بین المسلمین یہ لوگ اکثر و بیشتر حسد و حرص اور

بُغض جیسے روحانی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں لہذا برسرِ منبر دوسرے اہل فضل و کمال کے اثر کو کم کرنے کے لیے کھلم کھلا اُن کی تذلیل اور ان پر طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ مگر اُن کی اس غلط روش و رفتار پر نہ ان کو بانی روکتے ہیں اور نہ دوسرے لوگ ٹوکتے ہیں۔ اس غلط روش سے وہ خود بدنام ہوئے ہیں اور عوام کی نظروں میں اُن کی منزلت کم ہو رہی ہے۔

بہر حال یہ روش اس بات کی ناقابل رد دلیل ہے کہ ان میں اخلاص نہیں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا  
لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاللَّهُ يَعْلَمُ  
وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

اس غلط روش و رفتار یعنی سٹیج کو ذاتی بُغض و حسد کی آتش انتقام بجھانے کے لیے استعمال کرنے سے کئی طرح نقصان ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ سامعین یہ تاثر لیتے ہیں کہ جب مصلحین قوم آپس میں دست بگریباں ہیں تو ہمارے کیا اصلاح کریں گے عھر

آں خویشتن گم است کمر رہم ببری گنہ ؟

دوسرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس سے منبر کا تقدس مجروح ہوتا ہے اور میرا نقصان یہ ہوتا ہے کہ اس سامعین کے قیمتی وقت کا ضیاع ہوتا ہے کیونکہ وہ یہاں روحانی غذا حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں وہ مقررین و ناظرین کی باتیں حق پرش اور آدرش کا مظاہرہ دیکھنے نہیں آتے۔ اسی طرح اہل علم



محاسن میں ایسی گفتگو کی جاتی ہے جو دوسرے اسلامی فرقوں کی دل آزاری کا موجب بنتی ہے جس سے جاری تبلیغ غیر موثر ہو کر رہ گئی ہے الغرض یہ طرز عمل روح عزاداری اور اس کے فلسفہ کے منافی ہے بھلا جتنک دوسرے لوگ ہمارے نزدیک آکر ہماری بات نہیں سنیں گے تو اسے قبول کس طرح کرینگے۔

## ۴: چوتھا شاہد: جھوٹی روایات بیان کرنا

اس بات کا چوتھا شاہد  
کہ ان لوگوں میں خلوص

نہیں ہے۔ وہ محاسن کی ظاہری کامیابی کے لیے (جو آجکل صرف فضائل مکرر واد کرنے اور مصائب سنکر آہ دہکا کرنے میں منحصر ہے) جھوٹی روایات اور بالکل بے سر پر واقعہات کو بے تمنا بیان کرتے ہیں اور اپنی عاقبت برباد کرتے ہیں۔ اور خود خدا رسول خدا اور ائمہ صلی علیہ وسلم پر کذب و افتراء پر دازی کرنے میں ذرہ برابر شرم و حیا نہیں کرتے جو کہ اکبر الکبار گناہ ہے۔ اور روزہ کی نیت میں اس کا ارتکاب کرنا بنا بر اظہر بطلان مہم اور نفاق و کفارہ کے لزوم کا موجب ہے۔  
وانما یفتري اللذنب الذین لا یؤمنون ۵

(کذب و افتراء کا ارتکاب وہی لوگ کرتے ہیں جو بے ایمان ہوتے ہیں)  
یہ لوگ اس قدر جبری و بے باک ہو گئے ہیں کہ بلا جھجک امام یا اہل حرم کی طرف وہ کلمات یا افعال منسوب کرتے ہیں جس کی سراسر توہین ہوتی ہے اور یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ ان حضرات نے یہ مصائب بقا و اسلام کے لیے اختیاری طور پر نہیں برداشت کئے بلکہ مجبوری میں گرفتار تھے جو کہ سراسر نامناسب ہے۔ ان لوگوں کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ امام عالی مقام ایک اعلیٰ و ارفع مقام صمد ہے مثال قریبیاں پیش کر رہے تھے اور اپنے غم و ارادہ سے ایک ظالم و غاصب حکمران سے ٹکڑے لینے کے لئے گھر سے نکلے تھے۔ وہ مجبور و مفہور نہ تھے۔

بہر کیف اس صورت حال کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ اہل منبر بدنام ہو رہے ہیں۔ تبلیغ رک رہی ہے اور پڑھی لکھی نسل نو دین سے دور ہو رہی ہے اور اتحاد و اتفاق کی بجائے تشتت اور انتشار بڑھ رہا ہے جس کی وجہ سے ملت میں ضعف و انحطاط پیدا ہو رہا ہے لہذا اس صورت حال کی اصلاح لازم ہے







کے استعمال میں کوئی فرق نہیں ہے کہ کلام حق میں ہو یا کلام باطل میں لگے  
پہل کر کلام حق جیسے قرارت قرآن و مراثی کا تذکرہ کر کے) فرماتے ہیں اور  
در نہ اس بات میں کوئی اختلاف ہے کہ اگر کلام حق میں غنا کیا جائے  
تو اس کے عذاب درگنا ہو جاتا ہے (مکاسب شیخ انصاری)

صاحب رسالہ البرہان لدھیانہ کا تبصرہ: پھر جب ایک اچھا گلوکار  
اور موسیقار اپنے فن کا

منبر پر منظر اہرہ کرتا ہے تو حاضرین کی طرف سے داد و تحسین کے جس طرح  
ڈونگرے برسائے جاتے ہیں اور راہ واکا جس طرح شور بلند ہوتا ہے۔ اس پر  
اپنی طرف سے کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے السب یہ ہے کہ جناب مولانا سید محمد  
سبطین صاحب سرسوی مرحوم سرپرست مجلہ علیہ البوہان لدھیانہ کا وہ  
تبصرہ من وعن نقل کر دیا جائے۔ جو جناب موصوفی نے مذکورہ بالا مجلہ (البرہان)  
جلد نمبر ۱۲۱ء میں فرمایا ہے رقمطراز ہیں۔

”ایک ناواقف شخص انہیں دیکھ کر یہ محسوس ہی نہیں کر سکتا  
کہ یہ مجلس عزا ہے یا محفل و سرود و نشاط۔ ایک اچھا گانے والا  
اپنے فن کا عمدہ منظر اہرہ کرتا ہے تو سامعین سے واہ و اسبھان اسد  
کا وہ شور مچتا ہے کہ چھتیں اڑنے لگتی ہیں۔ ایک ناواقف شخص باہر سے  
سننے والا اسے مجلس عزا تو کیا سمجھے گا۔ بلکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ کسی  
تھیٹر یا سینما کا تماشہ دیکھ رہا ہے۔ یا اگر بٹیر بازی کا شوقین ہے  
تو وہ یہ سمجھے گا کہ بٹیر لڑائے جا رہے ہیں اور اگر وہ نیک منش  
انسان ہے تو اپنے حسن ظن کی بناء پر یہ خیال کر لے گا کہ کوئی مشاعرہ ہے  
جس میں غزل خوانی ہو رہی ہے۔ اناشد وانا الیس جعلن ہ ماہ



اس راگ و رنگ نے قوم کا علمی مزاج اس قدر بگاڑ دیا ہے کہ اس کی اکثریت اس کے علاوہ کوئی علمی اندازِ خطابت پسند ہی نہیں کرتی۔  
 غنا بہر حال حرام ہے۔ ہاں البتہ سوز خوانی اور مرثیہ خوانی جائز ہے مگر اس سلسلہ میں یہ بات مد نظر رکھنی چاہیے کہ وہ غنا کی حد میں داخل نہ ہو اور فلمی دھن پر بھی نہ ہو۔

**توضیح** | عدم انخلاص کے یہ پنجگانہ شواہد اگرچہ مشترک ہیں مگر ان کا زیادہ تر تعلق مجالس پڑھنے والے گروہ سے ہے۔ ہاں درج ذیل پانچ شواہد کا تعلق پڑھانے والے طبقے سے ہے۔  
 (۱) تیری میری مجلس کی تفریق (۲) بے جا تکلفات بارودہ (۳) تعیش و ماعی کی تلاش (۴) صالح و طالح میں عدم تفریق (۵) سیرت حسینی کا فقدان۔ واللہ المستعان۔

**مجالس خوان طبقہ کے آداب گانہ** | ان مجالس عزا کو اپنے مقصد میں موثر بنانے

کے لیے ذیل میں ہم پہلے ان دس آداب کا تذکرہ کرتے ہیں۔ جو مجالس خوان طبقہ میں پائے جانے چاہئیں۔ اس کے بعد ان وہ گانہ و طائف کا تذکرہ کریں گے جو مجالس پڑھانے اور مجالس سننے والوں سے متعلق ہیں۔

**پہلا ادب** | مجالس پڑھنے والوں کو صحیح العقیدہ ہونا چاہیے ورنہ ان کی مجالس اتنا فائدہ حاصل نہیں ہوگا جتنا نقصان زبان ہوگا اور یہ حقیقت عیاں راہب بیان کی مصداق ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو ان پر یہ مثل صادق آئیگی کہ آں خویش تن گم است چرا رہبری کند



**دوسرا ادب:** اخلاص ہونا چاہیے ورنہ اس کے بغیر عمل ایک ایسا پھول ہوگا جس میں خوشبو نہ ہو یا ایسا بدن ہوگا جس میں

روح نہ ہو کہ سحر

نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گل بیکار ہوتا ہے

(۳) تیسرا ادب۔ اس کا بیان مقتضائے حال کے مطابق ہونا چاہیے کہ اسی بات کا دوسرا نام بلاغت ہے جو کلام میں ایسی ہے جیسے طعام میں نمک کہ اس کے بغیر کلام موثر نہیں ہوتا اور بے محل دوسروں کے نظریات عقائد پر فقرے کہنے سے اجتناب کرنا چاہیے ہاں اپنی بات احسن طریقہ پر کرنی چاہیے اور شائستہ طریقہ پر لوگوں کو اس کا قائل کرنا چاہیے۔ فضائل کی جگہ فضائل، مواعظ کی جگہ مواعظ اور مصائب کی جگہ مصائب بیان کئے جائیں۔

۴، ۵، ۶۔ چوتھا، پانچواں اور چھٹا یہ کہ نفیس طے کرنے، غنا و سرور اور

کذب و افتراء کا ارتکاب کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ ان تینوں کی تباہ کاریوں پر ابھی اوپر مختصر سا تبصرہ کیا جا چکا ہے۔

۷۔ ساتواں ادب حیسنی و سیرت و کردار کا خود عملی نمونہ پیش کرنا۔

مجلس خواں طبقہ کی شکل و صورت، وضع قطع، شرافت و نہایت اور ان کے اخلاق و اطوار اور ان کی سیرت و کردار احکام شرع کے مطابق ہونے چاہئیں ظاہر ہے کہ حضرت امام حسینؑ کی قربانی کا اہم مقصد ہی اسلامی احکام کا احیاء اور ان کی حرمت کو قائم رکھنا تھا۔ اگر ہم اس احترام کو ہی مٹا دیں

یا بھلا دیں تو پھر اس قربانی کی یاد سنانے کا کیا فائدہ؟

عزاداری کو محض ایک رسم نہیں بلکہ مقصد با اثر ہونا چاہیے۔ یہ ایک



کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ منبر کا تقدس، مصلیٰ کے تقدس اگر زیادہ نہیں تو کسی طرح اس کم بھی نہیں ہے۔ تو اگر ہر شخص مصلیٰ پر کھڑا ہو کر لوگوں کو نماز نہیں پڑھا سکتا تو ہر شخص منبرِ حسینیؑ پر چڑھ کر مجتہد بھی نہیں پڑھ سکتا۔ فقہاء کرام کا یہ فیصلہ ہے کہ منبر پر وہی شخص جاسکتا ہے جو مصلیٰ پر جا کر نماز پڑھا سکتا ہے۔

لوگوں کے دلوں کے راز اور اُن کی خلوتوں کے حرکات سکناات تو خدا کے ذوالجلال ہی بہتر جانتا ہے جو علیمُ مہیات الصُّدُور ہے۔ کم از کم منبر پر جاننے والے کی ظاہری ہیئت اس کی وضع قطع، اس کا لباس، اور اس کی تراش خراش اُس کی حجامت اور اُس کا طریقہ تو شریعت مقدسہ کے مطابق ہونا چاہیئے۔ یعنی کم از کم اس کے چہرہ پر شرعی ڈاڑھی تو ہو۔ تاکہ ایک ظاہرین بھی اُن کو دیکھ کر یہ کہہ سکے کہ یہ اسلام کا مبلغ اور مظلوم مکرہ کا ذاکر ہے (جیسا کہ قدیم واعظین و ذاکرین ہوتے تھے)

خدا نخواستہ اس کے برعکس ایسا نہ ہو کہ ان لوگوں کی وضع قطع کو دیکھ کر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ یہ تو کسی تھیٹر کے ایکٹر ہیں (جیسا کہ آجکل کے اکثر مقررین و ذاکرین ہیں) ورنہ اس تقویت کی بجائے حسینی مشن کو ناقابلِ برداشت دھچکا لگے گا جیسا کہ لگ رہا ہے اور اس وقت قوم عہدِ انحرافوں، عملی کج رویوں اور معاشرتی خرابیوں میں مبتلا ہے اس کا مرکزی سبب یہی ہے کہ منبر پر نااہلوں کا قبضہ ہے۔

آں خویشتن گم امت کرار ہبری گند

ہر چیز کا کوئی نہ کوئی معیار ہوتا ہے لیکن اگر نہیں ہے تو منبر پر آنے کا کوئی معیار نہیں ہے ماسوا اس کے کہ اگر ذاکر ہے تو اُس کی آواز اچھی ہو



اور اگر مولوی مقررہ تو دستہ دو چار غلط یا صحیح نکتے یاد ہوں جن پہلے مجمع کو اچھا لگے اور آخر میں جھوٹے یا سچے مصائب پر رولا سکے۔ یہاں نہ علم کی ضرورت ہے نہ عمل کی۔ نہ عقل کی ضرورت ہے اور نہ خرد و دانش کی۔ یاد رکھیں جب تک منبر اور اہل منبر کی اصلاح نہیں ہوگی اس وقت تک قوم کی اصلاح کا خواب کبھی... شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکے گا۔ اور یہ اصلاح اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک قوم کے ارباب بسط و کشادہ تطہیر انتخاب سے کام نہیں لیتے اور حقیقی علماء و فقہاء اور نام نہاد علماء میں تفریق نہیں کرتے۔ اور یہ تطہیر انتخاب اس وقت تک بروئے کار نہیں آ سکتا جب تک قوم میں قوت احتساب پیدا نہیں ہوتی۔ دُعا ہے کہ خدا اسے خواب غفلت سے بیدار ہونے اور اہل منبر کا محاسبہ کرنے کی توفیق دے۔

**آٹھواں ادب: انکابیانِ امید بیم کے درمیان ہو** یعنی نہ تو لوگوں کو اتنا ڈرائیں

کہ لوگوں کو رحمتِ ایزدی سے مایوس کر دیں اور نہ اتنی امید دلائیں کہ لوگوں کو بے خوف کر دیں بلکہ موجب ”

خَيْرُ الْأُمُورِ أَدْسُطُهَا“

اُن کا بیان امید و بیم کے درمیان ہونا چاہیئے۔

**نواں ادب: معصومین کے ارشادات پر اکتفا کرنا:** مخالفین کی روایت نقل کرنے کی بجائے

وہ اپنے پیشوایانِ دین کے فرامین پر اکتفا کریں۔ اور اپنی قوم کی اصلاح کریں۔ موسیٰ ہدین خود عیسیٰ ہدین خود ہے

ہر قوم راست سب سے دینے و قبلہ کا ہے: من قبلہ راست کردم بطریق کلا ہے





۱۰. **طویل فعل و اختصارِ مُخل سے دامن بچانا:** یعنی مجالس خوانی کو نہ تو اتنا طویل دیں

کہ سُنے والے ملول و آزرده خاطر ہو جائیں اور نہ اتنا اختصار کریں کہ کسی کے پتلے کچھ نہ پڑے اسلئے کہ ہر کام کی طرح یہاں بھی اعتدال کی راہ اچھی ہے  
وَحَبِیرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا

**مجالس پڑھانے اور سُنے والوں کے متعلق  
وہ گانہ و طائف کا بیان**

بمنظرِ اختصار ہم یہاں صرف عنوانات پر اکتفا کریں گے اُن کی تشریحات معلوم کرنے کے خواہش مند ہمارے رسالہ ”اصلاح المجالس“ کی طرف رجوع کریں۔

(۲) دوسرا وظیفہ جہاں غیر شرعی امور کا ارتکاب ہو وہاں شرکت نہ کریں

**بہرِ سلا وظیفہ خلوص نیت:**

تیسرا وظیفہ دنیوی خیالات سے فارغ ہو کر مجالس میں شریک ہوں تم؛ چوتھا وظیفہ ان کا ذاتی ترفع ان کو مجالس میں شرکت کرنے سے مانع نہ ہو۔ پانچواں وظیفہ: بطورِ سوگوار مجالس عزائم میں شامل ہوں۔ چھٹا وظیفہ: نجاست کی حالت میں مجالس میں شریک نہ ہوں بلکہ باطنِ بکشت شامل ہوں۔

ساتواں وظیفہ: گریہ و بکا کریں یا کم از کم تباہی کریں۔ آٹھواں وظیفہ: عزا خانہ کو سادہ بنائیں اور سادہ رکھیں۔ نواں وظیفہ مجالس خاتمہ پر کچھ پاک و پاکیزہ تبرک تقسیم کریں نہ کہ نجس اور حرام۔ ارشادِ قدرت ہے۔



يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ  
 دستواں وظیفہ: عملی طور پر اسوہ حسینی و شیعہ شہیری کی عقیدہ قاسمی کریں

مثلاً: افعالِ یزیدی مٹ جائیں مظلوم سے پیدا الفت ہو

اور یہی ان مجالس کے انعقاد کا مقصدِ قضی ہے۔ واللہ الموفق المہدی

ہر سہ طبقات [ پڑھنے، پڑھانے اور سننے والوں ] کا فرض ہے کہ اپنے باہمی  
 تعاون سے ان محافل و مجالس کے اندر ان کی اصلی روح پیدا کرنے کے لیے  
 کدو کاوش کریں اور مناسب تدابیر اختیار فرمائیں اور مجالس کی افادیت کو

حتم ہونے سے بچائیں۔ بالخصوص میان مجلس کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی پسند و ناپسند  
 سے بالاتر ہو کر اسلام و سنی کے مفاد اور حضرت امام حسین کے مقصد اور عزاداری کے فہم کو سامنے رکھیں اور مجلس کے  
 مقررین کا انتخاب کرتے وقت ان کی علمی و فنی اور اخلاق و اطوار و دوسری تمام باتوں پر ترجیح دیں کیونکہ ایسے لوگ  
 ہی امام کی شہادتِ عظمیٰ کے مقاصد اور اہداف بطریقِ احسن بیان کر سکتے ہیں

و عا ہے کہ خداوند عالم قوم میں صحیح شعور پیدا کرے تاکہ وہ تمام  
 عبادات شرعیہ کو بالعموم اور عزاداری سید الشہداء والی عبادت کو بالخصوص  
 شریعتِ مقدسہ کے مطابق بجالائیں تاکہ دین و دنیا میں سرخرو اور کامیاب  
 کا مران ہو سکیں۔ ”وہو الغفور الرحیم“

ایک اور اہم اصلاح  
 مذکورہ بالا اصلاحات کے علاوہ ایک  
 اور اہم اصلاح کی اشد ضرورت ہے

اور وہ ہے مجالس میں پردہ کا خاص اہتمام اور مردوں، عورتوں کے  
 مخلوط اجتماع کا انسداد، پردہ اس قدر اہم ہے کہ مرد و عورت اگرچہ باہم محرم  
 ہی ہوں۔ بیک وقت ایک جگہ اکٹھے نہ سار نہیں پڑھ سکتے مگر یہ کہ ان  
 کے مابین دشمنی کا فاصلہ ہو یا درمیان میں پردہ حائل ہو یا مرد آگے  
 اور عورت پیچھے ہو۔ تو ایک ہی جگہ بلا پردہ مجالس کی عبادت کس طرح ادا



کر سکتے ہیں؟ کیا یہ افسوس کا مقام نہیں ہے کہ چودہ سو سال سے محدثات کے بے روائی پر رٹنے والی قوم کی مجالس میں پردہ کا انتظام نہ ہو؟ سحر شرم ان کو مگر نہیں آتی

لہذا ضرورت اور سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ مجالس میں مجالس خواں اور دوسرے مردوں کے سامنے کوئی عورت نظر نہ آئے اور اس کے ڈاؤ ہی طریقے ہیں۔

(۱) جہاں امام بارگاہ ہیں وہ اس طرح بنائے جائیں کہ مردوں کا حصہ الگ ہو اور عورتوں کا الگ۔ حتیٰ کہ اُن کے آنے جانے کے دروازے بھی الگ ہوں (۲) اور جہاں امام بارگاہ نہ ہو وہاں عارضی طور پر عورتوں کے لیے علیحدہ پردہ کا اہتمام کیا جائے۔

اسی طرح عورتوں کے جلوس کے ساتھ بے پردہ چلنے پر اور بے پردہ سڑکوں کے کنارے کھڑے ہونے پر بھی پابندی لگائی جائے تاکہ نہ عورتوں کی بے پردگی ہو اور نہ ہی قومی وقار مجروح ہو۔ واللہ اعلم۔

## مراجم عزاداری کے متعلق بعض غلط رسوم کا تذکرہ

عزاداری سرکار سید الشہدار کی اہمیت و افادیت کے متعلق سطور بالا میں فی الجملہ تبصرہ کیا جا چکا ہے اور یہ تلخ حقیقت بھی واضح کی جا چکی ہے کہ موجودہ دور میں عزاداری سے وہ تمام منافع و جلیلہ اور نتائج نبیلہ حاصل نہیں ہو سکتے جن کی خاطر عزاداری منائی جاتی ہے اس کی وجہ کچھ پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ اور بعض علل و اسباب کا اجمالی تذکرہ ذیل میں کیا جاتا ہے۔ اگرچہ



یہ موضوع بہت ہی حساس اور نازک اور اس سلسلہ میں ہماری قوم بہت ہی جذباتی ہے۔ مگر حق گوئی کا فریضہ ادا کرتے ہوئے غلط روش پر قوم کو تنبیہ کرنا اور غلط و صحیح میں تمیز قائم کرنے کی تاکید کرنا علماء حق کا فرض ہے جسے اگر وہ لوگوں کی رد و رعایت یا اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ادا نہیں کریں گے تو نہ صرف یہ کہ عند اللہ جوابدہ ہوں گے بلکہ لعنتِ خداوندی میں گرفتار بھی ہونگے۔

ارشادِ قدرت ہے

ان الذین یکتُمون ما انزلنا من البیّنات  
والہدی من بعد ما بینا ہ للناس فی الکتب  
ادلیلک یلعنہم اللہ ویلعنہم اللّٰعینون ؕ  
(اور جو لوگ اسکو چھپاتے ہیں جو کھلی دلیلیں اور ہدایت ان پر نازل کر  
چکے بعد اس کے ہم نے کل آدمیوں کے لیے کتاب میں کھول کر بیان کر  
دیا ہے۔ یقیناً انہی پر اللہ لعنت کرتا ہے اور انہی پر لعنت کر نیوالے لعنت  
کرتے ہیں) (ترجمہ مقبول)

اور جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

اذا ظهرت البدع فی امتی فعلى العالم ان یظهر  
علمہ والا فعلیہ لعنة اللہ

(جب میری امت میں بدعات کا ظہور ہو تو اہل علم کا فرض ہے کہ وہ  
اپنے علم کا اظہار کریں (حق کو آشکار کریں) اور جو ایسا نہیں کریگا اس پر خدا  
تعالیٰ کی لعنت ہوگی۔ (اصول کافی ص ۱۷۷)

اس موجودہ زلزلے میں جو چیزیں عزا داری کی ارکان سمجھی جاتی ہیں  
وہ یہ ہیں۔ (۱) مجالس عزا (۲) علم (۳) تعزیر و دیگر شبیہیں (۴)



ذوالجنح ۵، ماتم ان میں جو جو غلط رسمیں رائج ہیں ذیل میں ہم انکی نشاندہی کا فریضہ ادا کرتے  
دوسرے علماء و فقہاء کا بھی فرض ہے کہ وہ قوم کی واضح راہنمائی کریں اور قوم کا بھی فرض ہے کہ علماء  
کی راہنمائی سے استفادہ کرے۔

(۱) جہاں تک مجالس عزاکا تعلق ہے ان کے اصلاح طلب پہلوؤں پر  
باوجود اختصار کے جامع طریقے پر مبنی طور بالا میں تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اس  
سلسلہ میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲) عَلَمٌ مُبَارَكٌ : یہ علم مبارک جو ہماری قوم بناتی ہے۔ یہ سرکار  
وفا حضرت ابوالفضل العباس کے علم کی شبیہ ہے جو درحقیقت جناب  
رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس علم کی مقدس شبیہ ہے جس کے علمدار  
جناب حیدر کرار تھے۔

الغرض! یہ علم عباس بھی ہے اور علم حسینؑ بھی۔ علم حسنؑ بھی ہے  
اور علم علیؑ بھی یہ علم جعفر طیار بھی اور علم احمد مختار بھی۔ ہر دور میں  
اس علم کے علمدار بدلتے رہے ہیں۔ حقیقت میں علم ایک ہی رہا ہے  
ہر قوم کا علم ہوتا ہے اور ہر جماعت کا (خواہ وہ مذہبی جماعت ہو یا  
سیاسی) جس سے اس کا تشخص واضح ہوتا ہے بالکل اسی طرح۔

عباسی کا علم ہے : قومی نشان ہمارا  
جس سے سرکار وفا ابوالفضل العباس اور ان کے علم کی یاد تازہ کرنا  
ان سرت کی تکمیل کرنا مقصود ہوتی ہے کہ اگر ہم میدانِ کربلا میں ہوتے  
تو یہ علم زمین بوس نہ ہوتا۔ اس کا جواز کسی دلیل کا محتاج نہیں ہے کیونکہ  
اس جواز میں کسی مذہب مسلک کے مذہبی قواعد کی رو سے قطعاً کسی قسم کا کوئی  
اشکال نہیں ہے۔



عبداللہ اور دینی معاملات کے علاوہ کبھی کبھار جائزہ محتاج دلیل نہیں ہوتا بلکہ البتہ کسی چیز کی حرمت محتاج دلیل ہوتی ہے یا دیگر احکام اور جوہر، امتحان اور کراہت اور دلیل و برہان کے محتاج ہوتے ہیں۔  
ارشاد معصوم ہے

كُلُّ شَيْءٍ مُّطْلَقٌ حَتَّى يُوَدَّ فِيهِ ذِمَّةٌ  
ہر چیز جائز ہے جب تک اس کے متعلق کوئی (شرعی) ممانعت وارد نہ ہو۔

برادران اسلامی کے نزدیک بھی

المختاران الاصل في الاشياء الاباحة عند الجمهور  
من الحنفية والشافعية۔

یعنی قول مختار اباحت فی الاشیاء ہے (ملاحظہ ہو شامی)

اس لئے بے شک ہماری قوم چاہے تو سو سو فٹ نہیں ہزار ہزار فٹ کے اونچے علم بنائے تاکہ یہ

اُنچا ہے اپنا علم۔۔۔ بڑھتے رہیں یونہی قدم۔۔۔ حتیٰ علیٰ خیر العمل  
اور مشرق و مغرب تک اس کے پھر یہ لہرائے اور اگر کوئی نادان متعرض  
زبان اعتراض دراز کرے تو اس کے جواب میں عذر

گفتہ را حق را یک بار پڑھ کے اُسے سنا کہ یوں

مگر اس سلسلہ میں صرف ایک بات قابل اصلاح ہے اور وہ ہے علم  
کو سجدہ کرنا۔

غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ہے؛ یہ درست ہے کہ خواص...  
(سمجھدار، دیندار لوگ) ایسا نہیں

کرتے مگر بعض عوام کو دیکھا گیا ہے کہ وہ علم مبارک بلکہ تعزیر و ذوالجناح کو



سجدہ کرتے ہیں اور وہ اُسے سجدہ تعظیمی کا نام دیتے ہیں۔  
 سودا وضع ہو کہ شریعت مقدسہ اسلامیہ میں ہر قسم کا سجدہ تعبیدی ہو  
 یا تعظیمی خالق کائنات کے ساتھ مختص ہے۔ اور کسی بھی مخلوق کے لیے حتیٰ کہ  
 نبی و امام کے لیے بھی جائز نہیں ہے۔

اس موضوع پر پچھنے بڑی تفصیل کے ساتھ "احسن الفوائد  
 فی شرح العقائد" میں بحث کی ہے یہاں اس کا ایک شہ درج  
 کیا جاتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔

فاسجدوا لله واعبدوا  
 (خدا کے لیے سجدہ کرو اور اسی کی عبادت کرو)  
 نیز ارشاد قدرت ہے

وان المساجد لله فلا تدعوا مع الله أحداً  
 (پارہ ۲۹ سورۃ الجن رکوع ۱۵)

(یقیناً سجدہ گاہیں اللہ کے لیے ہیں پس اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو)  
 المساجد سے مراد اعضاء سجدہ ہیں یعنی پیشانی، دونوں ہتھیلیاں  
 دونوں گھٹنے اور پاؤں کے دونوں انگوٹھے (کافی، تفسیر صافی، تفسیر مکی)  
 اور فلا تدعوا مع الله أحداً، کے معنی امام رضا علیہ السلام  
 نے یہ بیان فرماتے ہیں

« فلا تشرکوا مع غیورہ فی سجودکم علیہا »

یعنی فلا تدعوا... کا مطلب یہ ہے کہ ان اعضاء سجدہ پر خدا کے  
 علاوہ کسی اور کا سجدہ کر کے شرک نہ کرو۔ (اربعین شیخ بہائی شرح حدیث)  
 یہ آیت مبارکہ اس بات پر نص صریح ہے کہ ہر قسم کا سجدہ خدا کے



ساتھ مخصوص ہے۔

پورا دفت سرحدیث موجود ہے کوئی ایک روایت بھی غیر اللہ کے سجدہ کرنے کے جواز پر موجود نہیں ہے اور نہ کوئی ایسا واقعہ موجود ہے کہ کسی نبی امام نے کسی شخص سے اپنا سجدہ کرایا ہو۔ یا کسی کرنا چاہا ہو اور انہوں نے اجازت دی ہو؟ اس کے برعکس چہارہ معصومین علیہم السلام کے حالات زندگی میں بیسیوں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ کئی مرتبہ کم عقل و کم علم ارادت مندوں نے ان ذوات مقدسہ کو سجدہ کرنا چاہا (ظاہر ہے کہ وہ سجدہ تعظیمی ہی تھا مگر انہوں نے ان کو ایسا کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی۔ اور ساتھ ہی یہ وضاحت کر دی کہ

فلا تسجد لی واسجد للہ الذی لا یموت  
(مجھے سجدہ نہ کر بلکہ اُس جی و قیوم کو سجدہ کر جس کے لیے موت نہیں ہے)  
(ارشاد رسول مقبول بحوالہ دلیلی و کمنز العمال وغیرہ)

«اسجد للہ ولا تسجد لی»  
اللہ کو سجدہ کر اور مجھے سجدہ نہ کر۔ (ارشاد جناب امیر (عمادالاسلام)  
ج ۱ ص ۳۳۵)

بناب رسول خدا ص کا یہ فرمان بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ اگر غیر خدا کو سجدہ کرنا رہا ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں۔ (اصول کافی ص ۱۰۰)

اس سلسلہ میں اہل زلیخ و ضلال ہمیشہ ملائکہ اور والدین یوسفؑ کے سجدوں سے

ایک مشہور شبہ کا ازالہ

استدلال کیا کرتے ہیں کہ اس کی ثابت ہوتا ہے کہ کسی عظیم الشان مخلوق کو سجدہ



تعظیمی کرنا جائز ہے اس کے متعلق دو گزارشات عرض کرنا ہیں۔  
 پہلی یہ کہ ائمہ طاہرین کی متعدد روایات سے واضح ہوتا ہے کہ جناب آدمؑ  
 کو قبلہ بنایا گیا تھا اور سجدہ خدا کو کرایا گیا تھا۔ چنانچہ علامہ مجلسیؒ حیات القلوب  
 جلد ۱ ص ۴۲ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں امام حسن عسکریؑ سے نقل  
 فرماتے ہیں:

«نبود سجدہ ایشان از برائے آدم بلکه قبلہ ایشان بود از برائے  
 خدا سجدہ می کردند و امر نمود حق تعالیٰ کہ بجانب او رو آورند»  
 یعنی ملائکہ کا سجدہ آدم کے لیے نہ تھا بلکہ سجدہ خدا کو تھا اور حکم خدا سے آدم کو  
 قبلہ بنایا گیا تھا۔ اور والدین برادران یوسفؑ کا سجدہ اسجدہ شکر تھا جو  
 انہوں نے جناب یوسفؑ کو زندہ اور سداقتدار پر قابض دیکھ کر خدا کی بارگاہ  
 میں ادا کیا تھا۔ (ملاحظہ ہو العروة الوثقی)  
 دوسری یہ کہ اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ سجدہ تعظیمی تھا۔ تو جن  
 شریعتوں میں یہ جائز تھا۔ وہ اب منسوخ ہو چکی ہیں۔ لہذا اب ان سے ...  
 استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ علامہ مجلسیؒ حیات القلوب جلد ۱ ص ۲۶ طبع  
 نو لکھنؤ پر مباحث طویلہ کے بعد لکھتے ہیں

«محمّل است کہ سجدہ تحمیت در ائم سابقہ مجوز بودہ باشد و دریں  
 اُمت حرام شدہ باشد و احادیث بسیار بر نہی از سجدہ از برائے غیر  
 خدا وارد شدہ»

یعنی ممکن ہے کہ بعض سابقہ امتوں میں یہ سجدہ تعظیمی جائز ہو۔ مگر اس نسبت  
 (اسلامیہ) میں اسے بہر حال حرام قرار دیدیا گیا ہے اور بہت سے احادیث میں  
 وارد ہے کہ غیر خدا کے لیے سجدہ جائز نہیں ہے۔ علاوہ بریں یہ بات بھی واضح ہے کہ



وہ فاعل حفظہ فاعلہ بالحفظ جدير ولا ینبک مثل خبر  
 ویسے عقلاً بھی اگر دیکھا جائے تو بات بالکل واضح ہے کہ جب کوئی عام  
 عبادت غیر اللہ کے لیے جائز نہیں ہے تو جو افضل عبادت نماز کا افضل رکن  
 ہو (سجدہ) وہ غیر خدا کے لیے کسی طرح جائز ہو سکتا ہے؟

لہذا علم مبارک، تعزیر مبارک، ذوالجناح اور شاہد مقدسہ و مزارات  
 منورہ کو سجدہ تعظیمی کرنے سے اجتناب واجب لازم ہے ہاں اگر مشرف بزیارت  
 ہونے کے بعد اس سعادت عظمیٰ کے حصول پر خالق کا سجدہ شکر ادا کیا جائے  
 تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے بلکہ مستحسن ہے۔

۳۔ تعزیر مبارک؛ شرعی نقطہ نظر سے اس کی اباحت و جواز یعنی اس کا  
 مباح اور جائز ہونا ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا

تر ہے کیونکہ یہ بے جان، روضہ مبارک سرکار سید الشہداء علیہ السلام کی بے  
 جان شبیہ ہے جو بالاتفاق جائز ہے اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ تصویریں  
 دو قسم کی ہوتی ہیں۔ یا تو ذی روح مخلوق کی ہونگی یا غیر ذی روح کی۔ پھر  
 ان دونوں قسموں کی آگے دو دو قسمیں ہیں یا تو وہ تصویر مجسم ہوگی (جسم وار)  
 یا غیر مجسم (جیسے کاغذ پر نقش و نگار)

لہذا اگر یہ تصویر غیر ذی روح کی ہے تو یہ علی الاطلاق بالاتفاق جائز  
 ہے جیسا کہ آیت مبارکہ

یعملون له ما یشاء من محاریب و تماثیل و جفائن  
 کالجواب و قدور و سیات ط کی تفسیر میں وارد ہے کہ (وہ  
 تصویریں جو جنات حضرت سلیمانؑ کے لئے بناتے تھے) مردوں یا عورتوں  
 کی نہ تھیں بلکہ یہ درختوں و مکانوں۔ الغرض غیر ذی روح چیزوں کی تھیں



(کافی وصافی وغیرہ)

اور اگر وہ تصویر ذی روح مخلوق کی ہے اور ہے بھی مجسم تو یہ بالاتفاق حرام ہے اور اگر غیر مجسم ہے تو اس میں فی الجملہ اختلاف ہے اظہر نہیں تو احوط یہ ہے کہ اس سے بھی احتساب کیا جائے

جیسا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مناسبت میں مذکور

ہے۔

نہی ان ینقش شیئ من الحيوان علی الخاتم

کہ اپنے انگ کو گھٹی پر حیوان کی تصویر بنانے کی ممانعت فرمائی

(من لا یحضرہ الفقیہ از قوائین

الشرعیہ فی فقہ الجعفریہ جلد ۲ ص ۱۸)

لہذا اگر کوئی شخص تعزیر کے جواز پر زبان اعتراض دراز کرتا ہے

تو وہ اپنے مذہبی و فقہی قواعد و ضوابط سے اپنی جہالت و لاعلمی کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔ مگر یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اس کے بنانے کی اصلی غرض و غایت کیا ہے؟

ظاہر ہے کہ اس کے بنانے کی اصلی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ مظلوم نینوا کی مزار مقدس کی شبیہ پیش نظر ہے اور واقعات کر بلا کا نقش آنکھوں کے سامنے آجائے اور اس طرح حزن و ملال اور گریہ و بکا میں اضافہ و آزیادہ ہو۔ جو علاوہ باعث اجر و ثواب ہے۔ حساب ہونے کے ایک مقصد اقصیٰ یعنی مظلوم سے الفت اور ظالم سے نفرت تک رسائی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور اس طرح دراصل نظام مصطفیٰ اور انتظام مرتضیٰ کے اجبار کا سامان فراہم کرنا مقصود مطلوب ہے۔



تعزیه سے متعلق غلط رسوم کی نشاندہی  
الغرض اس کے بننے کا  
یہ تو ہرگز مقصد نہیں

ہے کہ (۱) اس کی طرف منہ کر کے زیارت پڑھی جائے جو بالاتفاق قبلہ  
یا اہل قبر مقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی جاتی ہے۔

(ملاحظہ ہو علامہ مجلسی کی بحار الانوار جلد ۲۲ آداب زیارت و مجلس مفجہ  
جناب آقائی سید میرن صاحب لکھنوی مرحوم) مگر یہ کہ وہ تعزیه جانب قبلہ  
رکھا ہو اور رو قبلہ کی نیت سے زیارت پڑھی جائے۔

(۲) یا اس پر منت ممتوتی کے چڑھائے چڑھا کر غیر مسلموں سے اپنے  
آپکو مشابہہ بنایا جائے۔ کیونکہ اسلام میں خدا کے نام کے علاوہ قطعاً کوئی منت  
جائز نہیں ہے ہاں البتہ ہندو اپنے بتوں پر کھانا اور پانی چڑھاتے ہیں۔

(۳) یا اس کے ساتھ عرضیاں باندھ کر یا اس کے حاجات طلب کر کے کھلم  
کھلا شرک کیا جائے۔

(۴) یا اُسے سجدہ کر کے یا رکوع کی طرح جھک کر سلام کر کے شرک جیسے  
ظلم عظیم کا ارتکاب کیا جائے۔ یا

(۵) ایک علاقے سے بڑے تڑکے اشتام کے ساتھ ایک ہی تعزیه کا جلوس  
نکالنے کی بجائے چڑھاؤں کی آمدنی کی غرض فاسد کے ماتحت ہر گلی اور  
ہر کوچ سے تعزیه کا دس پندرہ آدمیوں والا بے رونق جلوس نکالا جائے  
اور اس طرح غیروں کو متاثر کرنے کی بجائے الٹا متنفر کیا جائے۔

(۶) یا تعزیه کے جلوس کے ساتھ ڈھول، شہنا یا اس قسم کے دیگر آلات لہو لعب  
کا استعمال کر کے مہر ماتِ شریعہ کا ارتکاب کیا جائے اور جگ ہنسائی کرائی جائے۔  
(۷) یا علموں اور تعزیوں پر چسپراغ جلائے جائیں۔ آخر اس بات کا مقصد کیا ہے؟



(۸) یا بچوں کو اُسکی ساتھ قید کیا جائے جیسا کہ بعض مائیں اپنے بچوں کو سنت سجادؑ سمجھ کر تعزیہ کے ساتھ بطور قیدی باندھتی ہیں جس کی کوئی بھی کل سیدھی نہیں ہے کیونکہ اولاً تو جیسے دغا کی جا چکی ہے کہ اضطراری فعل کو سنت نبیؐ امام نہیں قرار دیا جاسکتا۔

اور ظاہر ہے کہ امام کی قید اضطراری تھی۔ اور ثانیاً اگر بالفرض اس قید کو سنت امام بھی قرار دیا جائے تو کیا امام علیہ السلام تعزیہ مبارک کے ساتھ قید کیا گیا تھا۔ بہر حال یہ رسم بالکل غلط اور بے جا ہے جس سے اجتناب لازم ہے۔

(۹) اسی طرح کچھ لوگ بچوں کو حضرت امام حسینؑ کا فقیر بناتے ہیں اور اُن سے بھیک منگواتے ہیں یہ بھی محض غلط اور بھل رسم ہے اس کا بھی استیصال ضروری ہے۔

(۱۰) یا تعزیہ مبارک کی تزئین و آرائش پر بے دریغ دولت صرف کی جائے؟ یہ درست ہے کہ اس کے امام عالی مقام کی ذات والا صفات سے بے پناہ عقیدت و ارادت کا اظہار تو ہوتا ہے مگر اس کے اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے اس کا اصل مقصد تو حزن و ملال اور آہ و بکا میں شدت پیدا کر کے ماجور و مشابہ ہونا ہے۔ مگر اس طرح تو آدمی تعزیہ مبارک کی چمک دمک اور اس کی زیبائش و آرائش میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ بھتے ہوئے آنسو بھی رگ جاتے ہیں تو جس کام سے اصل مقصد ہی فوت ہو جائے اس کا فائدہ کیا ہے؟ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر ایک بزرگ اور

**تمت مضمون**  
ہمدرد قوم و ملت مرحوم عالم دین مولانا سید عمار علی صاحب  
اعلیٰ اللہ مقامہ صاحب تفسیر عمدة البیان کا کلام حق ترجمان پیش کر دیا جائے  
جو جملہ اہل ایمان کے لیے بالعموم اور عزاداران سید الشہداء کے لیے بالخصوص



کحل البصر بنانے کے قابل ہے۔  
 جناب موصوف اپنی تفسیر کی جلد نمبر ۶۹ طبع دہلی پر بذیل آیت ونبیہم  
 بشی من الخوف الآتہ رقم طراز ہیں۔

یہ آیت حقیقت میں امام حسینؑ کے حق میں نازل ہوئی ہے اس واسطے  
 کہ جو کچھ آیت میں ہے وہ ان کے حال پر صادق آتا ہے اور دوسرے  
 شخص کو ہم ایسا نہیں کہتے اور یہ معرکہ آنحضرتؐ کا بڑا معرکہ ہے ونا  
 رلانا ان کی مصیبت میں ثواب عظیم رکھتا ہے لیکن اکثر آدمی محرم میں  
 بدعت کر کے ثواب کو ضائع کرتے ہیں بلکہ بجائے بکواتے ہیں اور  
 مرثیوں میں جھوٹی حدیثیں اپنی طرف سے ایجاد کر کے داخل کرتے ہیں  
 اور غلو اور نفوذ کی روایتوں کو مجلسوں میں بیان کر کے لوگوں کے  
 ایمانوں کو فاسد کرتے ہیں۔ اور جو راگ شرع میں ممنوع ہے اس میں  
 مرثیوں کو پڑھتے ہیں اور عورتیں بلند آواز سے مرثیوں کو پڑھتی ہیں اور  
 نامحرم ان کی آواز کو سنتے ہیں۔ ان امور سے مومنین کو اجتناب  
 لازم ہے اور تعزیریں پر محتاج آدمی تو اپنی احتیاج کی عرضیاں باندھتے  
 ہیں یا کاغذ کی روٹی کتر کر باندھتے ہیں۔ اس کے مراد ہے کہ اگر میری  
 آسودگی اور فراغت ہوئی تو میں چاندی کی روٹی گھر کر تعزیہ پر چڑھاؤں  
 گا۔ اور بے اولاد آدمی کا غلہ کاٹ کر کتر کر تعزیہ سے باندھتے  
 ہیں اس ارادہ سے کہ اگر ہمارے ہاں بڑا پیدا ہوا تو ہم چاندی کا  
 لڑکا گھر کر تعزیہ پر چڑھائیں گے۔ اول تو یہ تصویر انسانی ہے اور  
 تصویر کے بنانے سے اجتناب لازم ہے اور سوا اس کے حاجت  
 کا طلب کرنا اور تصویر کے بنانے سے اجتناب لازم ہے اور سوا



اسکی حاجت کا طلب کرنا پروردگار سے چاہیئے کہ وہ قاضی الحاجات ہے نہ  
غیر اس کا۔ ہاں! حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام سے شفاعت کا چاہنا  
کہ خدا تعالیٰ ہماری حاجت کو بر لائے اور ان کے واسطے سے دعا مانگنا  
موجب قضاائے حاجت اور موجب حصول مقصد ہے۔ جیسے کہ حدیث میں  
وارد ہے۔ اور بعض جملہ تعزیر کو سبہ کرتے ہیں۔

یہ طریقہ کفار و مشرکین کا ہے اس پر سب کرنا واجب ہے۔ اور تعزیر و علم  
پر زیارت کا بڑھنا نہ چاہیئے۔ البتہ اگر کر بلا معنی کی طرف منکر کے حضرت  
امام حسینؑ کے روضہ کی نسبت زیارت پڑھے تو مضائقہ نہیں ہے۔

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند

جو انان سعادت مند پند پیر دانا را۔

یہ بات کسی وضاحت کی محتاج  
نہیں ہے کہ شبیہ اس چیز کی بنائی

## ۴: جلوس مہندی اور منج

جاتی ہے۔ جس کی کوئی اصل موجود ہو۔ مثلاً ہمارا علم، سرکارِ وف  
کے علم کی شبیہ ہے۔ ہمارا تعزیر سرکارِ سید الشہداء کے روضہ راقس کی  
شبیہ ہے۔ ہمارا جھولا شہزادہ علی اصغرؑ کے جھولے کی شبیہ ہے۔

وعلیٰ ہذا القیاس ہر شبیہ کی کوئی اصل ہوتی ہے جس کی نقل بنائی جاتی ہے  
مگر معلوم نہیں کہ یہ جلوس مہندی اور گھڑولی بھرنا اور سیج نکالنا کس اصل کی  
شبیہ ہے؟ کیونکہ تمام محقق علماء کا ملین اور مستند مؤرخین کے بیچ مطابقت

میدان کر بلا میں جناب شہزادہ قاسم بن الحسن کے عقد و ازدواج کی کوئی اصلیت اور حقیقت  
نہیں ہے بلکہ یہ یا نکل ایک بے نیبہ قصہ ہے اور اسکی حیثیت ایک افسانہ سے زیادہ نہیں ہے



نویں صدی تک کسی کتاب میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ سب سے پہلے ملا حسین داعظ کاشانی نے نویں صدی میں اسے اپنی کتاب روضۃ الشہداء میں اکثر دس ہزار آیات و واقعات کی طرح حوالہ دے کر درج کیا اور اس کی طرحی نے منتخب میں اور اس کے آقائی و ربندی نے اسرار الشہادۃ میں اور اس کے مزید کچھ برگے بار لگا کر عرب عجم کے روضہ خوانوں نے نیا اور اسی طرح رفتہ رفتہ یہ بے بنیاد قصہ عوام میں مشہور ہو گیا حالانکہ تمام علماء و محققین اس قصہ کے پڑھنے اور سننے کو حرام اور ناجائز سمجھتے ہیں۔ (تفصیل کے لئے ہماری کتاب سعادۃ الدارین فی مقصد الحسینؑ کی طرف رجوع کیا جائے) نیز محدث نوری کی کتاب لوٹو و مرجعہ اور مولانا شاکر حسین امر دہوی کی محباہد اعظم حصہ اول اور شہید مطہری مرحوم کی کتاب ”فسرہ بابائے مطہری بر تحریفات عاشقانہ“ بھی اس سلسلہ میں قابل دید و داد ہیں۔

یا اس موضوع پر لکھے گئے بعض مستقل رسائل جیسے نزہۃ المشتاق اور رسالہ البیان المبرہین ملاحظہ کئے جائیں پس جب عقد کا کوئی اصل واقعہ موجود ہی نہیں تو یہ نقل و شبیہ کس کی ہے؟ عقلانی مقولہ ہے

### ثبت العرش ثما نقش

علاوہ بریں مہندی کا لگانا نوشہ کے لیے صرف جائز ہی ہے کوئی ایسی اسلامی لازمی رسم تو نہیں ہے کہ اگر مہندی گوندھنے کے لیے پانی نہ مل سکے تو میدانِ کربلا میں اسے آنسوؤں سے تر کرنے کا افسانہ گھڑا جائے اور جہاں تک گھڑولی بھرنے کا تعلق ہے تو یہ خالص ہندووانہ رسم ہے جس کا اسلام کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور ”سیدج“ تو ایک ایسا لفظ ہے جو اپنی بہن و بیٹی کی نسبت سنکر ہی طبیعت کو گھن آتی ہے



اور کوئی شریف آدمی اپنی بیٹی اور داماد کی سیج دیکھنا گوارا نہیں کرتا چہ جائیکہ  
عوام کو دکھائے تو جو بات اپنے لیے پسند نہیں کرتے وہ جناب سید  
الشہداء کی بیٹی اور اُن کے فرضی داماد کے متعلق کیونکر پسند کی جاتی ہے؟  
دُختر حسینؑ کی سیج بنانے اور نکالنے والا! عھر  
شرم تم کو مسگر نہیں آتی؟

ہاں اگر بتانا ہے تو جناب شاہزادہ قاسم کے جنازہ کی  
شبیتہ بناؤ اور اسے کاغذھاٹے کر اپنی شتر مٹاؤ۔

## ۱۵۔ جعلی مزارات:

حالے دیکھ جو کچھ پور ہے ہو نیوالا؟ دھرا کیا ہے بھلا عہد کن کی داستانوں میں  
اغیار میں تو یہ رسم بد بہت پرانی اور گہری تھی جعلی قبریں بنانا اور پھر  
اُن کی پرستش کرنا اور کرانا اور اس طرح روٹی کمانا۔ اگرچہ اُن کے علماء بھی  
اس فعل کو جائز نہیں جانتے۔

چنانچہ فاضل بریلوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں۔

”فرضی مزار بنانا اور اس کے ساتھ اصل کا سا معاملہ کرنا ناجائز اور

بدعت ہے“ (فتاویٰ رضویہ جلد ۱ ص ۱۱۵)

مگر اسے قومی بدعتی کہنا چاہیے کہ اُن لوگوں کی دیکھا دیکھی اب کچھ عرصہ  
سے ہماری قوم میں بھی جعلی قبریں بنانے اور پھر اُن کے ساتھ اصلی قبور  
مقدسہ والا معاملہ کرنے کی بدعت کا رجحان پیدا ہو رہا ہے اور جا بجا کہیں  
جناب سیدہ عالمؑ کہیں جناب زینب عالیہؑ کہیں جناب امام زین العابدینؑ  
اور کہیں دوسرے ائمہ طاہرینؑ کے نام پر قومی سرمایہ صرف کر کے قنبر  
و محل تعمیر ہو رہے ہیں۔ اُن ذوات مقدسہ کے اصلی روضہ لمبے مقدسہ کے  
اصلی ڈیزائن منگوا کر انہی کے مطابق نقل کو اصل کے سانچے میں ڈھالنے



کی کوششیں جاری ہیں۔

وقتی طور پر جذباتِ رنج و الم اور احساساتِ حُزن و غم کو ابھارنے اور گریہ و بکا بڑھانے کے لئے اور اصل واقعاتِ کربلا کا نقشہ آنکھوں کے سامنے لانے کے لئے تعزیه کی شکل میں تو یہ شبیہ بنانا جائز ہے (جیسا کہ سابقاً بیان کیا جا چکا ہے) مگر اصل قبر کی مستقل طور پر ایک جعلی قبر کی شکل میں شبیہ بنانے کا کیا جواز ہے؟

اور پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ اس نقل پر اصل والے تمام احکام مرتب کئے جا رہے ہیں۔ اصل مزاراتِ مقدسہ کی طرح یہاں ان نقلی مزارات کی طرف زیارت کے لئے قافلے آ جا رہے ہیں وہاں نمازیں پڑھی جا رہی ہیں دعائیں مانگی جا رہی ہیں۔ اسی کے مواجہہ زیارات پڑھی جا رہی ہیں۔ طواف ہو رہے ہیں۔ مکالمات و مخاطبات کا سلسلہ جاری ہے حالانکہ ان میں سے اکثر امور تو وہ ہیں جن کا اصل قبورِ مقدسہ پر بجالانا بھی جائز نہیں ہے جیسے طواف اور براہِ راست طلبِ حاجت وغیرہ

تا چہ رسد بہ جعلی مزارات

اگر وارثانِ منبر و محراب اپنی مخصوص مصاحبتوں کے پیشِ نظر بلکہ نہی منہارِ زیر پر اور مہرِ بلب رہے تو کل کلاں روضہٴ رسول کی مستقل شبیہ بھی یہیں بن جاتے گی۔ اور جنابِ امیر المؤمنین اور دوسرے ائمہ طاہرین کے مزاراتِ مقدسہ کی شبیہیں بھی یہیں تعمیر ہو جائیں گی۔ اور پھر مدینہ منورہ اور کربلا و نجف کے مقاماتِ مقدسہ پر جانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ بلکہ حالاتِ حاضرہ پر نظر کرتے ہوئے یہ پیش گوئی کرنا چنداں مشکل نہیں کہ اگر بھی لیل و نہار رہے تو پھر ایک نہ ایک دن خانہ کعبہ کی شبیہ بھی بن



جلئے گی۔ اور اس طرح لاکھوں روپوں کی لاگت اور ہزاروں زحمتوں و تکلیفوں سے حجاز، عراق اور ایران اور مصر و شام کے سفروں سے بالکل گلو خلاصی ہو جائے گی۔ اور جو کچھ اجر و ثواب اور روحانی کیف و سرور وہاں حاصل ہوتا تھا وہ سب کچھ یہیں گھر بیٹھے بٹھائے حاصل ہو جائیگا اور نہ بینگ خرچ ہوگی اور نہ پھٹکڑی، کیا یہ سب کچھ قوم کے ذمہ دار طبقہ کو خواب گراں گوش سے بیدار کرنے کے لیے کافی نہیں ہے؟ سحر

نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چیتان کب تک؟

۱۔ اٹھو و گرنہ خشر بیا ہو گا نہ پھر کبھی دو ترو زماہ چال قیامت کی چیل کیا ہے  
بعض حدیثوں میں بھی جعلی مزاروں کی مذمت وارد ہے چنانچہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من ذار قبراً بلا مقبرہ جو شخص کسی قبر کی زیارت کرے جس میں کوئی دفن نہ ہو (انہ کتاب ماتین فی مثل المسین علامہ کنزوری ص ۵۹۵)

**ہائیکے قوم کے ارباب بسط و کشاد سے درو مندانہ اپیل کرتا ہوں**  
کہ ابھی وقت باقی ہے ابھی پانی سر سے اونچا نہیں ہوا اٹھو! اور اس غلط رجحان کی نہ صرف حوصلہ شکنی کرو۔ بلکہ اصل مزارات مقدسہ کے تقدس کی بحالی کی خاطر ہو سکے تو ان جعلی مزارات کو مسمار کر دو۔ تاکہ آئندہ کسی قوی بازیگر کو ہمارے جذبات و احساسات سے غلط فائدہ اٹھانے کی جرأت و ہمت نہ ہو سکے اور آنے والی نسلیں کہیں نقل کو اصل نہ سمجھ بیٹھیں ورنہ تم سب کے سب حکم الحاکمین کی سرکار اور ائمہ کرامین کے دربار میں جواب دہی کے لئے تیار ہو جاؤ۔

مانو نہ مانو جانِ جہاں اختیار ہے : ہم نیک بد حضور کو سمجھائے جائیں  
۴: عزرا خاں اور گھر میں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم  
اور ائمہ ہدی کی جعلی تصویریں رکھنا  
کچھ عرصے سے ہمارے بعض برادر ہمسایہ مالک کے جمالیاتی



وصنیاتی ذوق و شوق کے جذبہ کی تسکین کی خاطر وہاں جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدے علیہم آلاف التحیت والثناء کی جعلی تصویریں کی اشاعت اور ان سے عزا خانوں اور مسکنوں کی زیبائش میں افزائش کرنے کا رجحان و میلان بہت عام ہو گیا ہے اور ان کی دیکھا دیکھی یہاں بھی یہ رجحان روز افزوں ہے۔

حالانکہ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ جس قدر اسلام نے تصویر سازی اور تصویر نوازی کے غلط جذبہ کی حوصلہ شکنی کی ہے۔ اس کی دہرے مذاہب میں نظیر نہیں ملتی۔ مگر سچ ہے سچ جہنمیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں۔

جب یار لوگوں نے دیکھا کہ ان ذوات مقدسہ کی اصلی و واقعی تصویریں تو ملتی نہیں ہیں۔ کیونکہ موجودہ فوٹو گرافی تو ان کے دور میں تھی نہیں کہ کوئی عیار فوٹو گرافر غیر رادی طور پر آگنا فائنا ان کی تصویر کھینچ کر محفوظ کر لیتا۔ اور آنے والی نسلوں تک پہنچاتا۔ باقی رہی مجسمہ سازی یا قلمی تصویر سازی کے طور پر تصویر کشی۔ تو جناب رسول خدا ہوں یا دوسرے ائمہ ہدی وہ اس غیر اسلامی فعل کے لیے کس طرح آمادہ ہو سکتے تھے؟

۷۔ یہی تھے دو حساب سویوں پاک ہو گئے

حیران ہوں پھر معاملہ ہے کس حساب میں؟

تو جھٹ اپنے خیال کی بے مثال قوت کا سہارا لیتے ہوئے خیالی تصویریں بنا ڈالیں۔ اور پھر لگے دیومی دیوتاؤں کی طرح ان کی پوجا پاٹ کرنے کی شریعت مقدسہ اسلامیہ میں ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور نہ ہی ان کی خرید و فروخت جائز ہے چونکہ ادھر ان جعلی تصویلات کی نسبت بہت ہی بڑی برہمستیوں کی طرف ہے لہذا



یہ یقین رکھتے ہوئے بھی کہ یہ من گھڑت اور جعلی و خیالی ہیں۔ اُن کی بے حرمتی کرنے کی جسارت بھی نہیں کی جاسکتی۔ اُدھر ان کے رکھنے اور ان کا بے پناہ احترام کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جاسکتی کہ یہ مداخلت فی الدین ہے۔ لہٰذا اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ ان کو کسی محفوظ جگہ پر دفن کر دیا جائے یا انہیں دریا پیر کر دیا جائے۔ وَاللّٰهُ الْمَوْفِقُ وَ الْهَادِی۔

۷: قدم گاہِ نبی و علی و دیگر تبرکاتِ نبوت و امامت اس میں کوئی شک نہیں

ہے کہ جس چیز کی نسبت جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا ائمہ ہدایہ علیہم السلام کی طرف ہو جائے۔ وہ اس نسبت کی برکت سے لائق تعظیم و تحريم بن جاتی ہے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ وہ نسبت واقعی ہو جیسے ان ذواتِ مقدسہ کے لباس کا کوئی ٹکڑا یا کوئی اور ایسی چیز۔ مگر جب وہ نسبت ہو ہی بے بنیاد اور غلط محض جیسا کہ کئی ایسے مقامات ہیں جہاں پیغمبر اسلام یا ائمہ طاہرین علیہم السلام کے کئی آثار بیان کئے جاتے ہیں جیسے بیت المقدس کے صخرے پر قدم رسول کا نقش، سری نگر میں مومے مبارک، لاہور کی شاہی مسجد میں آنحضرتؐ کے جوتے اور عمامہ وغیرہ۔

یا حیدر آباد سندھ میں مولا علیؑ کا نقش قدم۔ حالانکہ تاریخی طور پر ان باتوں کی کوئی اصابت و حقیقت نہیں ہے۔ اُن میں سے اکثر مقامات تو وہ ہیں جہاں ان حضرات کا تشریف لے جانا قطعاً ثابت ہی نہیں ہے۔ سنین تبرکاتِ نبوت و امامت خاندانِ رسول کے خواص یعنی ائمہ اطہار کے پاس ہوتے ہیں نہ کہ عوام الناس کے پاس۔

علاوہ بریں ان نقوش قدم کا بے ہنگم اور بے ڈول ہونا بھی اس بات



کی قطعی دلیل ہے کہ یہ اُن ہستیوں کے نقوش قدم نہیں ہو سکتے جو جن و جبال اور مناسب اعضاء اور ان کے اعتدال میں فخر یوسفؑ ان ب باتوں سے قطع نظر جو کچھ ہمیشہ ثبوتِ بدمعنی ہوتا تو ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ جو لوگ ان چیزوں کو اصل حقیقت سمجھنے کے دعویدار ہیں وہ ان کا کوئی قطعی ثبوت بنیم عقلا میں پیش کریں ورنہ دعوے بلا دلیل سے دستبردار ہو جائیں اگر دعوے بلا دلیل مقبول کرنے کی رسم چل نکلی۔

تو کل کلاں کوئی طلح آزمایا اور مذہبی دکاندار کسی سانپ کے متعلق یہ دعوے بھی کر دیگا کہ یہ اُس سانپ کی نسل سے ہے جس نے غارِ ثور میں فلاں کو ڈسا تھا۔ اور یہ شیر کا بچہ اُس شیر کی نسل سے ہے جس نے روزِ شہداء سرکار سید الشہداء کی لاشِ اقدس کی حفاظت کی تھی لہٰذا تو آپ اس کا کیا جواب دیں گے ع

پہلیت یارانِ طریقت بعد از یہ تدبیر

الغرض سے ان مختلف آثار کو حقیقی سمجھنا اور پھر بطور تبرک ان کو مسح کرنا اور ان کو چومنا چاٹنا بالکل غلط ہے۔ اور غیر مسلمانوں سے مشابہت سے لہٰذا اس اقتباب لازم ہے اور اس غلط رجحان کی حوصلہ شکنی واجب ہے تاکہ کوئی عیارِ راسخ اسلام کے راہنما کے روپ میں لوگوں کے دین و ایمان پر ڈاکہ نہ ڈال سکے اور اسلام کو بدنام نہ کر سکے۔

ذوالجناح مبارک وہ گھوڑا جسے عرف عام میں ”ذوالجناح“ کہا جاتا ہے (جس کا اصلی نام مرتجز تھا) حضرت

لے جیسا کہ بعض ننگِ قوم ننگِ دین اندنگِ وطن قسم کے لوگوں کے بارے میں سُنی ہیں آیا ہے کہ انہوں نے عرصہ سے تہذیبِ شروع کر رکھا ہے۔ واللہ اعلم



امام حسینؑ روحی و ادراج العالمین لہ الفداء کے راہوار کی شبیہ ہے اور چونکہ یہ ایک جاندار کی جاندار شبیہ ہے اسلئے فقہنی قانون شریعت کے مطابق اسلام کے تمام مکاتب و فرقہ کے نزدیک اس کا جواز لا کلام لبتہا اگر کوئی شخص یا کوئی گروہ اس کے جواز میں کلام کرتا ہے تو جہاں اپنی ضلالت کا ثبوت دیتا ہے وہاں اپنے مذہبی احکام سے اپنی جہالت کا بھی بزبان خود اعلان کرتا ہے۔ مگر یاد رہے کہ علم اور تعزیر کی طرح ذوالجناح کے بنانے کی غرض و غایت بھی یہی ہے کہ ان شعائرِ حسینؑ کو دیکھ کر واقعاتِ کربلا کی یاد کو اس طرح تازہ کیا جائے کہ گویا مجسم شکل میں واقعاتِ کربلا آنکھوں کے سامنے آجائیں اور اس واقعہِ عالمہ کی تشکیل کو دیکھ کر اس کی یاد تازہ ہو جائے کہ امام مظلومؑ کی شہادت کے بعد یہ راہوار اپنا سوار شہید کر کر کس طرح سوگوار و صنع قطع کے ساتھ خیمِ حسینؑ میں شہادت امام کا پیغام لایا تھا اور اُسے دیکھ کر مخدرات عصمتِ طہارت نے کس طرح گریہ و بکا اور کُہرام ماتم بپا کیا تھا؟ اور اس ذریعہ کے غم تازہ ہو جائے اور حُزن و ملال میں شدت اور گریہ و بکا میں حدت پیدا ہو جائے تاکہ اس طریق سے یادگارِ حسینؑ اور شہادتِ حسینؑ کی اصل روح کو زندہ رکھا جاسکے جو کہ ظالم اور اُس کے کردار سے نفرت اور مظلوم اور اس کی رفتار سے الفت کا جذبہ پیدا کر کے اسلام کی بقا اور بنی نوع انسان کی صلاح کا انتظام کرتا ہے۔

اس سلسلہ میں بعض غلط رسوم کا تذکرہ

مگر نہایت افسوس اور قلبی دکھ کے ساتھ کہنا

پڑتا ہے کہ ذوالجناح کے معاملہ میں بھی عوامی حلقوں کی طرف سے بالعموم کچھ اس قسم کی بے راہ روی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے کہ جس اصل مقصد کو تقویت



کی بجائے اُلٹا ضعف و نقصان پہنچتا ہے۔ اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے  
 (۱) جب ایک مرکزی جگہ سے ایک مرکزی ذوالجناح کا جلوس نکالنا اور  
 اُس کے ساتھ انہو و کثیر کا رقت خیز منظر کے ساتھ شریک ہونا حصول مقصد  
 کے لیے زیادہ موثر ہے تو پھر گلی گلی اور کوچہ کوچہ چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کے  
 ساتھ کئی ذوالجناح نکالنے کا کیا مقصد ہے ؟

سبق جب اصل مقصد ایک جگہ ایک ذوالجناح نکالنے سے حاصل ہو  
 سکتا ہے تو پھر ایک قشتہ اور ایک تمام اکٹھے شریک ذوالجناح پر آمد کرنے کا کیا مطلب ہے ؟  
 (۲) جب یہ ذوالجناح امام مظلوم کے مظلوم راہوار کی شبیہ ہے تو پھر  
 لاکھوں روپے خرچ کر کے اسے سونے چاندی کے زیورات پہنانے اور اسے  
 قیمتی کپڑوں سے بنانے سنوارنے کی کیا ضرورت ہے ؟ کیونکہ اس سے گریہ بکا  
 میں اضافہ کرنا مطلوب ہے۔ مال و دولت کی نمائش کرنا مقصود نہیں ہے  
 اس کی وضع قطع اور ہیئت کذائی ایسی مظلومانہ ہونی چاہیے کہ اسے  
 دیکھ کر آدمی بے ساختہ رُسنے پر مجبور ہو جائے۔ جیسا کہ بعض مقامات پر  
 ایسا دیکھا گیا ہے اُس کی تاثیر بے نظیر ہوتی ہے گریہ بکا میں اضافہ ہوتا ہے  
 بخلاف صورت بالا کے کہ اس کے اپنے تمول اور اپنی عقیدت کا ثبوت تو ضرور  
 ملتا ہے مگر اس کے اثر میں خاصی کمی واقع ہو جاتی ہے اور اوقات مظلوم کی  
 مطلوبیت اور اس کے مقصد شہادت پر نظر نہیں پڑتی بلکہ ایک ہیرا پیر کا بیجر کے فنی شہ پائے پر نگاہ پڑتی ہے  
 اور بے ساختہ وادینے کہہ ہی چاہتا ہے اس لئے وہ قسم جو ذوالجناح یا تعزیہ کی بناوٹ اور  
 بناوٹ پرصر کی جاتی ہے وہ غریب سادات و مومنین کی ضرورت یا صرف کی جائے اور وہ زیورات ان  
 غریب سیدائیوں کو دیئے جائیں جسکی شان ویاں غربت کی وجہ سے رکی ہوئی ہیں تاکہ ان کے ہاتھ پیرے ہو سکیں تو  
 اس سر رسید الشہادہ کی روح مقدس خوش ہوگی۔ الشاہدۃ

(۳) جب اس کے بنانے کا مقصد ہی افراط گریہ کا سامان ہیا کرنا ہے تو



اسکے بچے سے بچے گزارنے اُسے کچھ دل نے کھلانے اور باقی ایکے جھٹکے تبرک سمجھ کر  
 خود کھانے، اسکی اوپر چڑھاوے چڑھانے اور اسکے گلے میں عرضیاں باندھنے  
 کا کیا جواز ہے؟ (جیسا کہ کئی جگہ عوام الناس بالخصوص عورتیں ایسا کرتی ہیں) کیا  
 ذوالجناح امام کی یا خدا کی بارگاہ میں یہ عرضیاں پہنچائیگا۔؟  
 بھلا ایسا کام کیوں کیا جائے جس سے جگ ہنسائی ہو؟ غیروں کی نظروں میں  
 مذہب کی رسوائی ہو؟ سب سے بڑھ کر جس اصل مقصد بھی فوت ہو جائے عطر  
 چراکار سے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی؟؟

(۴) جس گھوڑے کو ذوالجناح بنا دیا جائے پھر اس پر کوئی شخص سوار  
 نہیں ہوتا کیونکہ اب یہ امام عالی مقام کی سواری کی طرف منسوب ہو گیا ہے  
 یہ استدلال کس قدر کمزور ہے؟ کیا یہ ایک تاریخی حقیقت نہیں ہے  
 کہ سائل ائمہ طاہرین سے اُن کی سواری کے گھوڑے اور ان کے بدن مقدس  
 سے مس شدہ کپڑے مانگتے تھے اور وہ انہیں عنایت فرماتے تھے۔  
 ظاہر ہے کہ وہ سائل ان سواریوں پر سوار ہونے تھے اور وہ کپڑے پہنتے  
 تھے۔ جب امام کی سواری کے اصل گھوڑے پر سوار ہونا جائز ہے تو صرف  
 نسبت والی سواری پر سوار ہونا کیوں ناجائز ہوگا؟ ہمارا مطلب ہرگز یہ نہیں  
 کہ ضرور ہی کوئی آدمی اس پر سوار ہو۔

بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ ایسا کرنے کو ناجائز نہ ٹھہرایا جائے اور قبل  
 از اسلام بدکوتل "گھوڑوں کی رسم بد زندہ نہ کی جائے۔"

(۵) ثقہ بیانات سے معلوم ہوا ہے کہ بعض مقامات پر ذوالجناح کی موت  
 پر اُسے غسل دیا گیا۔ کفن دیا گیا۔ اور پھر باقاعدہ اہتمام سے دفنایا گیا اگر  
 نسبت کے احترام کی وجہ سے گڑھا کھود کر اُسے دفن کر دیا جائے تو اس میں



میں شرعاً و عرفاً بظاہر کوئی قباحت نہیں ہے مگر اسے غسل دینے اور پھر سے  
گھنٹے یا اس کی باقاعدہ قبر بنانے یا اس پر خچہ بقرہ کرنے کا کیا جواز ہے؟

اور کیا بعض لوگوں کے ایسا کرنے سے پوری قوم کی توہین اور مذہب کی  
تذلیل نہیں ہوتی؟ سچ ہے سہ

چواڑ قوسے یکے بے دانشی کر دے نہ کہ را منزلت ماند نہ میرا

(۶) بعض اوجہل قسم کے لوگ اس مقدس شبیہ کے سامنے سجدہ ریز بھی  
ہوتے ہیں جس کے حرام اور ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔  
مکاتقدم اگر ہماری ان جاہلانہ رسموں کو دیکھتے ہوئے دشمنان اہل بیتؑ اور مخالفین مذہب  
ہم سے ”گھوڑا اور تعزیر پرست قوم“ کہتے ہیں تو اس سے ناراض ہونے اور ان پر نزلہ  
گرانے کی بجائے اپنی اصلاح کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ان کو یہ الزام دینے اور  
ہمیں بدنام کرنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔ واللہ الموفق

**ایک اور اصلاح طلب رسم** بعض عمامہ میں یہ چیز بھی مراسم عزائم میں  
شامل ہے کہ بعض لوگ شتر وغیرہ ملاطین کا اور بعض  
جناب زینب علیہا السلام کا چلتے ہیں بھلا حسیب حال میں مرکز کیلئے عورت اور عورت کے لئے مرد کا لباس  
پہننا حرام ہے تو کسی نامحرم مرد کا مخدراہت کی شبیہ بننا یا کسی مومن کا اپنے آپ کو کسی شقی کے مشابہ بنانا  
کس طرح مباح ہو سکتا ہے! لہذا ایسی منگیلی عزا دارئی سے بلکہ ہمیں رسم سے اجتناب لازم ہے بلکہ  
مذہب کی کمزوری اور قوم کی رسوائی اور جنگ ہنسائی کا باعث ہو۔ واللہ الموفق

**ما تم** اگرچہ امت مسلمہ میں ماتم کے جواز اور عدم جواز میں بہت  
سخت اور قدیمی اختلاف موجود ہے مگر ہم نے تجلیات

صداقت بجواب آفتاب ہدایت میں اور ہماری طرح (بلکہ ہم سے بھی بڑھ  
چڑھ کر) ہمارے بہت سے علماء کرام نے اپنی تقریروں اور تحریریں میں  
یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام چونکہ دین فطرت کا اس لئے وہ فطری باتوں کی  
محافظت نہیں کرتا۔ اور فطرت کا تقاضا ہے کہ کسی مرنے والے کے ساتھ  
کسی زندہ کا جتنا تعلق خاطر ہوتا ہے اتنا ہی اس کی موت سے وہ متاثر ہوتا ہے



یعنی اگر بالکل معمولی سا تعلق ہو۔ تو وہ اُس کی موت کی خبر سن کر صرف آہ کرتا ہے اور اگر اس کے کچھ زیادہ لگاؤ ہو تو پھر کچھ گریہ و بکا بھی کرتا ہے اور اگر اس کے بھی زیادہ قلبی ربط ہو تو پھر دھاڑیں مار کر روتا ہے اور اگر اس سے بھی بڑھ کر دینی یا دنیوی اعتبار سے اس کی محبت و مودت یا عشق ہو تو پھر جس طرح وہ بے ساختہ دھاڑیں مار کر زار و قطار روتا ہے اسی طرح اُن کے ہاتھ بھی اُس کے قابو میں نہیں رہتے بلکہ وہ بے ساختہ کبھی اس کے منہ پر لگتے ہیں۔ اور کبھی سر و سینہ پر پڑتے ہیں۔

جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات حسرت آیات پر شوقان رسول، مخلص صحابہ کرام نے اس کا اُلی مظاہرہ کیا تھا۔

(ملاحظہ ہو سیرۃ ابن ہشام، طبری، کامل، مدارج النبوة اور معارج النبوة وغیرہ) اور دراصل اسی چیز کا نام ”ما تم“ ہے جو اگر اپنے حقیقی مفہوم کے ساتھ ہو تو کوئی صحیح الفطرۃ آدمی اس کے فطری اور جائز و مباح ہونے میں شک و شبہ نہیں کر سکتا۔

اس کے دوسرے عام ناظرین پر بھی خوشگوار اثر پڑتا ہے اور وہ بھی ایسے سوگوار کو دیکھ کر اشکبار ہو جاتے ہیں۔ ویسے بھی متعدد حدیثوں میں وارد ہے۔

”کل جزع وفزع قبیح الا علی الحسین

(ہر قسم کی جزع و فزع قبیح ہے مگر حسین ابن علی علیہ السلام پر)

(فصول مہمہ شیخ حر عاملی)

لہذا جن عمومی روایتوں میں منہ اور رانوں پر ہاتھ مارنے سے مصیبت زدہ شخص کے اجر و ثواب کے ضائع و اکارت ہونے کا تذکرہ پایا جاتا ہے اس کے



اُسے عمومی روایتوں کی تخصیص ہو جاتی ہے (و ما من عام الا قد خص)  
**اس سلسلہ میں بعض غلط رسوم کا تذکرہ** لیکن بدقسمتی سے جس طرح دوسرے مراسم

عزا غلط رسم و رواج سے محفوظ نہیں رہے وہاں یہ فطری عمل بھی غلط رسم و رواج کے خس و خاشاک سے محفوظ نہیں رہ سکا۔ اس میں بعض غلط رسمیں جاری ہو گئیں ہیں جن کا ذیل میں اس خیال کے تحت اجمالاً تذکرہ کیا جاتا ہے کہ شاید ہماری مانتی برادری ان باتوں پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرے۔  
 (۱) غلو ص کے ساتھ سید الشہداء کے غم میں ڈوب کر ماتم کیا جائے۔ اس میں اس بات کی پرواہ نہ کی جائے کہ کس کا ماتم کس کے ساتھ مل کر سید پر پڑھنا ہے اور کس کا بے سنگم طریقہ پر۔ پھر ایسے شخص کو حلقہ ماتم سے نہ نکالا جائے بلکہ اس کے غلو ص کو دیکھ کر اس کی قدر کی جائے۔

(۲) اُجرت لے کر محض رسمی ماتم کرنے سے گریز کیا جائے۔ بجا اس عزا پر تو عرض کر سکتے ہو یا زری ہو ہی تھی مگر اس انقلابی دور میں بعض مقامات کے متعلق یہ افسوسناک انقلابی خبر بھی گوش گزار ہوئی ہے کہ اب ماتم پر بھی موٹے بازیاں بھرتی ہیں (لا قدر اللہ) جو ہر لحاظ سے قابل مذمت فعل ہے۔ ایسے لوگوں کو لڑکھائی کی بجائے جو ملہ شکنی لازم ہے تاکہ اس رسم بد کا استیصال ہو جائے۔

(۳) ڈھول پر ماتم کرنے سے بالکل اجتناب کیا جائے۔ اگرچہ بھمراٹھ جو کہ جوں علم کی روشنی پھیلتی جاتی ہے توں توں غلط رسموں کے بادل چھٹتے جاتے ہیں۔ تاہم بعض مقامات پر اب بھی ڈھول پر سرتال سے ماتم ہوتا ہے۔ جس سے اجتناب لازم ہے ڈھول آلات لہو میں سے ہے جس کا استعمال بہر حال ناجائز و حرام ہے۔ جو شادی کی تقریب میں جائز نہیں وہ عزا داری اور سید الشہداء کی سوگواری میں کس طرح روا ہو سکتا ہے۔ جو کہ شریعت مقدسہ کے احکام و اصول کی پاسداری کے لئے عمل میں آئی تھی لہذا عزا داری کو شاہ شہیدان کی شہادت



کے اعلیٰ و ارفع مقاصد کو اجاگر کرنے کے لئے قائم کی جاتی ہے کس طرح فقید شریعت سے آزاد کیا جاسکتا ہے اور بعض بے توفیق اہل علم کے لئے اس عذر کا کیا جواز ہے؟ کہ جب آپ کسی غلط تعلیمیت کی تفسیر یا کسی غلط رسم کے استیصال کے بارے میں انتشار کیا جائے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ ”من از مادر حسین می نرم“ گویا مادر حسین حق کو سنی اور باطل کو باطل کہنے سے ناراض ہوتی ہیں؟ (معاذ اللہ)

مالکم کیفیت تحکیمات

(۴) بھنگ و چرس وغیرہ منشیات کا استعمال کر کے ماتم نہ کیا جائے کیونکہ شریعت مقدسہ میں یہ چیزیں حرام ہیں اور ان کے استعمال کا کوئی جواز نہیں ہے۔ لہذا اگر سید الشہداء کے مراسم عزاء میں ان چیزوں کا ارتکاب کیا گیا تو فائدہ کی بجائے الٹا ہی نقصان و زیاں ہوگا۔

(۵) مرد و زن کے مخلوط ماتم سے احتراز کیا جائے۔ کیونکہ اس طرح پردہ جیسے اہم اسلامی حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے جس کا ملحوظ رکھنا ہر حال میں ضروری ہے۔ ورنہ اس ماتم کی افادیت تو ختم ہو ہی جائیگی اُلٹا یہ چیز جگ ہنسائی اور ہماری قومی ذلت و رسوائی کا باعث بھگن جانیگی

(۶) زنجیر، تلوار اور قمع کے ماتم کے بارے میں ہم اسے فقہائے شیعہ خیر البریہ میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ حضرات اسے جائز جانتے ہیں اور کچھ حضرات جیسے سرکار آقائی بروجردی ”آقائی علامہ سید

لے چنانچہ سرکار موصوف نے رسالہ عملیہ جامع المسائل اردو دکن طبع لاہور پر رقم طراز ہیں:

”مسئلہ .. اگر کوئی اہم حسین کی تعزیر داری میں منع وغیرہ سے ماتم کرنے میں زنجی ہو جائے جو جسم کے لیے درد رساں ہو تو یہ فعل حرام ہوگا۔ لیکن اگر اس طرح ماتم کیا جائے کہ تعزیر داری کے وقت ہی درد و الم محسوس ہو بعد میں تکلیف نہ ہو۔ جس طرح عموماً سینہ زنی کہتے ہیں جس سے سینہ سیاہ یا سرخ ہو جاتا ہے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔“

اور سرکار عالمی نے اس موضوع پر ایک مکمل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے ”تشریح الشبیہ“ اور آقائی کاظمینی نے اس پر تقریظ لکھ کر اسکی تائید مزید کی ہے۔ (فراجعہ)

ہزار نکتہ باریک تر از موزہ بجا است یا نہ ہر کہ سر بر تاشد قلند کی داند (احقر معنی سہم)



محسن امین عالمی اور علامہ سید مہدی کاظمی علی اللہ مقامہم اور بہت سے دیگر علماء و فقہاء اسے ناجائز جانتے ہیں۔

اسلئے ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ اس قسم کا ماتم کرنے سے پہلے اپنے مرجع تقلید کی طرف رجوع کر کے اس کے جواز اور عدم جواز کا فیصلہ کرا لیا جائے اور پھر اس کے مطابق عمل کیا جائے۔

ویسے ہماری اپنی ناچیز تحقیق کے مطابق جو قرآن و سنت پر مبنی ہے اس کا عدم جواز راجح ہے ناں البتہ اگر کوئی شخص شدتِ غم و الم اور جذباتِ عشق و محبت سے سرشار ہو کر بے خودی کے اس مقام پہ پہنچ جائے کہ اپنے ہوش و حواس سے بیگانہ ہو جائے اور پھر ایسا کوئی کام کر گزے جو ظاہری شریعت کے قواعد و ضوابط کے منافی ہو تو اس پر قسّم شریعت جاری نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں ”شریعتِ عشق“ کی عملداری ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ ط

کہ مذہبِ عشق از مذہبِ احسان است

مگر حجت تک عقل و ہوش سب سے اور اختیار بجا ہے تو اپنے آپ کو ضرر پہنچانے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنے موجب و من مذہبِ کام و اقدام کرنے کی بمقتضائے قواعد و ضوابطِ شرعیہ کوئی گنجائش نہیں ہے۔

”لا تلتفوا بآیدیکم الی التھلک“ اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو“ فرمانِ قدرت ہے  
”لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام“ فرمائیے رسولؐ۔ اور یہ جان جس ذات کی امانت ہے اس کے حقیقی مالک کی طرف سے اس طرح اسکے آلات و ضیاع کی کوئی اجازت نہیں ہے۔ واللہ العالم  
ہاں اگر ہو سکے تو یہ خون ان لوگوں کو دیا جائے جو ہسپتالوں میں موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہیں اور آپ کے خوشی عطیات کے منتظر ہیں۔

من اھل نفسا فقد اھل الناس جمیعاً

ایسے نازک مقامات پر ہمارا عندیہ  
ہم اس چیز کے قائل نہیں ہیں اور  
نہ ہی اس پر عامل۔ کہ اگر کسی عید



میں قوالی ہوتی ہو یا کسی بزرگ کی قبر پر عرس تو مسجد گرا دی جائے یا قبر اکھاڑ دی جائے یا اگر باغ میں خس خاشاک پڑ جائے تو باغ تباہ کر دیا جائے بلکہ اس غلط چیز کا استیصال کرنا چاہیے جس اصل مقصد میں خلل پڑ رہا ہو۔

بنا بریں ہم یہ نہیں کہتے کہ چونکہ علم و تعزیر اور ذوالجناح پر غلط رسوم کا ارتکاب ہوتا ہے تو اصل علم و تعزیر اور ذوالجناح کو ہی حستم کر دیا جائے بلکہ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان غلط رسوم کا استیصال کیا جائے تاکہ مراسم عزاداری کی افادیت میں چارچاند لگ جائیں۔

أَنْ أَرِيدَ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا  
بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ وَاللَّهُ عَلَى  
مَا أَقُولُ وَكِيلٌ

SIBTAIN.COM

سو گنداد رگواہ کی حاجت نہیں مجھے

کیونکہ

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

والحمد لله على احسانه



## پانچواں باب

### ان بدعات اور غلط رسوم کا بیان جو شادی بیاہ سے متعلق ہیں

اس سلسلہ کی بدعات اور غلط رسومات کی نشاندہی کرنے اور ان کے استیصال کی کدو کاوش کرنے سے پہلے ان سب یہ ہے کہ یہاں بڑے اختصار کے ساتھ اسلام میں عقد و ازدواج کی اہمیت اور اس کے شرعی احکام کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر دیا جائے جو اس مبارک موقع پر شریعت مقدسہ اسلامیہ نے پیش کئے ہیں۔

عقد و ازدواج کی اہمیت :- اسلام چونکہ دین فطرت ہے (فطرۃ اللہ) (التي فطر الناس علیہا) اس لیے اس میں رہبانیت (ترک دنیا) نہیں ہے۔ بانی اسلام کا ارشاد ہے

”لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ“

یعنی رہبانیت کا اسلام سے اور اسلام کا رہبانیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی واضح ہے کہ اسلام صرف انسان کی انفرادی زندگی تک محدود نہیں اور یہ عبادتِ معبود کا صرف منجی معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک ایسا مکمل ضابطہ حیات ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اس کے دائرہ کار سے باہر نہیں ہے اور انسان کی اعتقادی، فکری، اخلاقی، تمدنی، تہذیبی، ثقافتی، سیاسی اور معاشی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے



ہے۔ انہی گونا گوں شعبہ ہائے زندگی میں ایک انسان کی عائلی زندگی کا شعبہ بھی ہے یعنی جب خالق حکیم نے انسان میں غریزہ شہوت و ولعت کیا ہے تو اس کی تسکین کے اسباب کی فراہمی کا بھی انتظام کیا ہے اسی کا نام شرعی اسلام میں نکاح ہے (خواہ منقطع ہو یا دائمی)

**نکاح کے فوائد :-** یہ نکاح صرف طبعی ضرورت ہی نہیں بلکہ یہ ایک شرعی ضرورت بھی ہے اور عفت عمومی کی حفاظت

کا بہترین ذریعہ بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں

«النَّكَاحُ مِنْ سُنَّتِي فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي»

نکاح میری سنت ہے جو شخص میری سنت سے روگردانی کرے گا وہ مجھ

سے نہیں۔ (الوسائل)

۲: نکاح کے بغیر مرد و زن جنسی تعلق بدترین گناہ ہے ارشاد قدرت

لَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَ اِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا

زنا کاری کے قریب بھی نہ جاؤ کہ یہ بے حیائی ہے اور بُرائی کا راستہ ہے

۳: نکاح بطریق صحیح بقاء نسل کا ضامن اور اولادِ صالح کی پیدائش کا

واحد ذریعہ ہے۔

۴: زنا سے بچنے کا واحد راستہ ہے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم فرماتے ہیں

«مَنْ تَزَوَّجَ فَقَدْ أَحْرَزَ نِصْفَ دِينِهِ فَلْيَتَّقِ اللَّهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي

جو شخص شادی کر لیتا ہے وہ اپنے آدھے دین کو بچا لیتا ہے اب باقی آدھے

دین میں خدا سے ڈرے (الوافی - الوسائل)

۱۵: بغیر عذر شرعی نکاح نہ کر کے مرنے والوں کو یہ ذیل کہا گیا ہے (الوسائل)



۶: — شادی شدہ آدمی کی دو رکعت نماز کو غیر شادی شدہ کی ستر رکعت سے افضل قرار دیا گیا ہے (ایضاً)

۷: — عورت مرد کا لباس اور مرد عورت کا لباس ہے اس لئے ایک کے لئے دوسرے کا وجود ناگزیر ہے بالخصوص صر  
وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

الغرض! انسانی تمدن کی بنیاد ایک مرد اور ایک عورت کی باہمی شریک  
رفاقت سے وجود میں آتی ہے۔ ان دونوں انسانوں کے ملاپ سے جو پھوٹتا  
سماجی دائرہ بنتا ہے اُسے انسانی کی عائلی زندگی کہا جاتا ہے اور اس کے لیے  
جو ضابطے ہوتے ہیں انہیں ”عائلی نظام“ کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید نے اس معاہدہ ”نکاح کو“ ”میشاقاً غلیظاً“ (پختہ عہد) قرار دیا ہے  
اس معاہدے کے ذریعہ مرد و عورت ہمیشہ کے لیے اپنے اوپر بھاری ذمہ  
داریاں لیتے ہیں جو خالق فطرت نے مرد و عورت کی فطرت کو مد نظر رکھ کر عائد کی  
ہیں۔ مرد اس اجتماعی وحدت کا نگران اعلیٰ ہوتا ہے اور اقتصادیات فراہم  
کرتا ہے اور عورت اس کی زیر ہدایت گھر کا نظم و نسق چلاتی ہے۔  
(الرجال قوامون علی النساء)

چنانچہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ خاوادے کا  
نگہبان مرد ہوتا ہے مگر عورت بھی گھر، شوہر اور بچوں کے بارے میں مسئلہ ہے  
(مجموعہ ورام)

اگر ہر فریق اپنی ان ذمہ داریوں کو سمجھے اور پھر ادا بھی کرے جو اس معاہدہ  
کے نتیجے میں اس پر عائد ہوتی ہیں تو گھر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے اور اگر کوئی  
فریق ان ذمہ داریوں کو سمجھنے یا پھر ادا کرنے کی طرف توجہ نہ دے تو اس سے



گھر جہنم کا نمونہ بن جاتا ہے۔

بنابریں خاندان کی نیک سختی سب سے پہلے مرد و عورت کے باہمی روابط کی خوشگواہی پر موقوف ہے۔

**نشادی بیاہ میں خرد و ہوشمندی کی ضرورت:** عقل مندی اور دانش مندی کا تقاضا یہ ہے

کہ اس پُر خار وادی میں پھونک پھونک کر قدم رکھا جائے اور پوری خرد مندی و ہوشمندی سے کوئی اقدام کیا جائے اور غلط جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی غلط قدم نہ اٹھایا جائے۔ بلکہ اس سلسلہ میں چند امور کو ملحوظ رکھا جائے۔

۱: صرف جمال کی خاطر شادی نہ کی جائے چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اِیَّا کُمْ وَخَضِرَاءَ الدِّمَنِ» اوڑھی کی سبزی سے بچو۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ اوڑھی کی سبزی کیا ہے؟ فرمایا بُرے خاندان کی حسین و جمیل عورت۔

۲: صرف مال کی خاطر بھی شادی نہ کی جائے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو صرف مال و جمال کی خاطر شادی کر لے گا وہ دونوں سے محروم رہے گا اور وہ اپنی محبوب چیز نہیں پاسکے گا اور خدا اس کو اُسی مال کے حوالے کر دے گا اور جو مال کی خاطر کریگا یعنی طبعی و شرعی ضرورت اور سنت نبوی سمجھ کر کریگا خدا کے دونوں سے بہرہ ور کریگا۔ (ایضاً)

۳: بلوغت کے بعد لڑکی لڑکے کی شادی میں جلدی کی جائے آج جنسیات کے ماہرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نوجوانوں کے اکثر و بیشتر جنسی مسائل کا حل انہیں جلد از جلد رشتہ عقد و ازدواج میں منسلک کرنے کے اندر پوشیدہ ہے لڑکی پھل کی مانند ہے جب پھل پک جائے تو توڑ کر اسے محفوظ کر لینا چاہیے







کلمہ پڑھ کر انہیں بدنام کرنے کا کیا حق ہے ؟ بلکہ

ہ  
بیفگن پر وہ نامعلوم گروہ کہ یاراں دیگرے رامی پرستند  
۶: — ناپچ گانا اور راگ درنگ وغیرہ محرمات شرعیہ سے مکمل اجتناب  
لازم ہے ان غیر شرعی بلکہ غیر شریفانہ حرکات کی حرمت اور ان کی تباہ کاریوں  
پر آئندہ کسی مناسب مقام پر تبصرہ کیا جائیگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

## غفلت از دواج کے معاملہ میں غلط رسوم و قیود کا تذکرہ

۱:۔ بہت دیر سے شادی کرنا۔ ابھی اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ لڑکی  
لڑکا جب ہی بالغ ہوں۔ تو ان کے  
والدین اور سرپرستوں کو سب سے پہلے مناسب جگہ پر ان کی شادی کا انتظام  
کر دینا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں انڈیا ہرین کے علاوہ خود بانی اسلام کا  
اسوۂ حسنہ امت کے لیے مشعل ہدایت ہے کہ جب ہی خاتون قیامت  
نے بلوغت کے سن و سال میں قدم رکھا تو آنحضرتؐ نے ایک لمحہ ضائع  
کئے بغیر جناب امیر المومنینؑ کے ساتھ ان کی شادی خانہ آبادی کر دی مگر ہمارے  
ہاں بہت دیر سے (بالخصوص لڑکیوں کی) شادیاں کرنے کی غلط رسم جاری  
ہوئی ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو لڑکیاں شریف و نجیب ہوتی ہیں  
وہ تو زندہ درگور ہو جاتی ہیں۔

۲۔ دور جاہلیت اور اس نام نہاد تہذیب تمدن کے دور میں فرق صرف  
اس قدر ہے کہ اس دور میں قبرستان میں اس مظلوم طبقہ کو زندہ درگور  
کیا جاتا تھا۔ اور آج ظالم والدین کا گھر اس مظلوم گروہ کا قبرستان



ہوتا ہے۔ وہیں پیدا ہوتی ہیں اور پھر وہیں سے ان کا جازہ نکلتا ہے۔  
قرآن میں ان زندہ درگور ہونے والی مظلوم لڑکیوں کی داستان خوب لکھی  
مذکور ہے۔

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ

یہ زندہ درگور ہونے والی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم کی پاداش  
میں قتل کی گئی ہے۔

بعید نہیں کہ آج کی مظلوم لڑکی سے بھی خدائے عادل بروز قیامت  
سوال کرے کہ کس جرم کی سزائیں اس کی زندگی تباہ کی گئی ہے اور لڑکی  
اپنے ظالم ماں باپ کی ان نفسوں میں شکایت کرے کہ میرا جرم اس کے سوا  
اور کوئی نہیں تھا کہ تو نے مجھے لڑکی بنایا تھا ایسے ظالم ماں باپ کو روز  
رستخیز اس تیز و تند سوال کا جواب دینے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔  
اور جو لڑکیاں شریف و نجیب نہیں ہوتیں تو وہ ایسے گل کھلاتی ہیں  
کہ الامان والحفیظ! — ان میں سے کچھ تو اس بازار کی زینت بن جاتی  
ہیں کچھ اغوار ہو جاتی ہیں اور کچھ اس بازار میں رہ کر کنواری ماہی بن جاتی  
ہیں۔ بھلا جس تمدن کے اندر شادی بیاہ میں اس قدر تاخیر کی جاتی ہو کہ  
تیس تیس چالیس چالیس سال تک لڑکے لڑکیاں غیر شادی شدہ ہوں وہاں  
اس کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے کہ انسان جنسی ہیجانات کا شکار ہو کر رہ  
جائے۔ اور غلط راہ روی سے بچنے کی قوت کمزور ہو جائے اور نتیجتاً پاک  
دامنی تار تار ہو کر رہ جائے۔

اب نوبت بایں جا رسیدہ کہ شرم و حیا اور پاکدامنی جو کبھی انسان کی زیبا  
میں افزائش کر کے اس کے روحانی حسن و جمال میں چار چاند لگاتی تھی۔ مغرب



تو اس کا جنازہ مدت ہوئی نکل گیا تھا۔ اب رفتہ رفتہ مشرق بھی اس کی لپیٹ میں آتا جا رہا ہے اور حیار و شرم ایک ناپسندیدہ عنصر بنتی جا رہی ہے۔

آج نوجوان اپنے گناہوں پر اتراتے ہیں اور اس طرح ایک غلطی کی وجہ سے کئی والدین کی شرافت اور عزت کا روز بروز جنازہ نکل رہا ہے۔ اور ناجائز بچوں کی تعداد میں برا بھلا اضافہ ہو رہا ہے اور اس طرح بالواسطہ دشمنان آل محمد کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

عاقلاً را اشارتے کافی ست

اس تاخیر کے علل و اسباب | آئیے ذیل میں دیر سے شادی کرنے کے علل و اسباب کا کھوج لگائیں کہ کن وجوہ کی

بنا پر یہ خرابی جڑ پکڑ رہی ہے؟ جہاں تک ہم نے حالات کا یہ نظر غائر جائزہ لیا ہے وہیں بالعموم اس کے درج ذیل علل و اسباب معلوم ہوئے ہیں۔

۱: اپنی ہی بوادری میں شادی کرنیکی غلط رسم :-

ہندوؤں کے ساتھ طویل میل جول کی وجہ سے بدقسمتی سے مسلمان بھی ذات پات کے چکر میں پڑ گئے اور اسلام جن بتوں کو توڑنے کے لیے آیا تھا آج اُسی کے کلمہ گو اُن کی پرستش کر رہے ہیں اسلام میں جس طرح افکار و عقائد کی بنیاد توحید پر رکھی گئی ہے۔ اسی طرح اسلام معاشرے کی بنیاد بھی عدالت پر رکھی گئی ہے۔

اسلام کی نگاہ میں انسانیت ایک بہت بڑے معاشرے کا نام ہے اور تمام افراد انسانی اس عالمگیر معاشرے کے اعضاء ہیں۔ بنا بریں اسلام ہر اُس چیز کو ختم کرتا ہے جو اس عالمگیر انسانی معاشرے کی تشکیل میں سدّیہ ہو۔ وہ خواہ زبان ہو یا نسل، رنگ ہو یا وطن۔



خداوند عالم آسمان وزمین کی خلقت کی طرح رنگ و زبان کے اختلاف کو بھی اپنی قدرت کی نشانیاں تو قرار دیتا ہے (سورہ روم آیت ۲۷) مگر ان چیزوں کو کسی کو کسی پر برتری کی بنیاد قرار نہیں دیتا۔ بلکہ وہ تقویٰ و پرہیزگاری اور علم و عمل کی گرانباری کو معیار فضیلت قرار دیتا ہے۔  
(ان اکرمکم عند اللہ اتقکم)  
(یعنی خدا کے نزدیک تم میں سے سب سے بڑا مکرم و محترم وہ ہے جو سب سے بڑا متقی و پرہیزگار ہے)

ارشاد قدرت ہے  
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ  
(اے لوگو! اس خدا کی مخالفت سے پرہیز کرو جس نے تم سب کو ایک نفس (آدم) سے پیدا کیا)  
(سورہ نسا آیت ۱)

پیغمبر اسلام حجۃ الوداع کے تاریخی خطبہ میں فرماتے ہیں  
« لا فضل لعربی علی عجمی ولا لہاشمی علی غیرہاشمی

ولا لابین علی اسود الا بالتقویٰ »  
(کسی عربی کو کسی عجمی پر کسی ہاشمی کو کسی غیر ہاشمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ اور پرہیزگاری کے ساتھ) (متفق علیہ)  
کہیں فرلتے ہیں

« کلکم من آدم وادم من تراپ »

تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔

(نعم وللسادات اکرام مقامہم لانتسابہم الی النبی والوصی علیہما السلام)  
« اناس من جہۃ التمثال کفاء بنہ ابوہم آدم والامم خوار (دیوان حضرت امیر)



اسلام نے اسی وحدت کے ذریعہ سے تمام نوع انسانی کو متحد کیا ہے  
اور ہر قسم کے اختلاف و افتراق کی جڑ کاٹ دی ہے۔ قرآن کہتا ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ

(سورۃ حجرات آیت ۱۰)

”مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں لہذا اپنے بھائیوں میں صلح و صفائی  
رکھو“

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔ ایماندار معاشرے کے افراد  
مہر و محبت کے اعتبار سے ایک بدن کی طرح ہیں جب بدن کے کسی حصہ میں  
تکلیف ہو تو سارے اعضا اس کے متاثر ہوتے ہیں اور اظہارِ ہمدردی کرتے  
ہیں۔ اسی طرح اگر اسلامی برادری کا کوئی فرد رنج و الم میں گرفتار ہو تو معاشرے  
کے تمام افراد پر لازم ہے اس کے دکھ میں شریک ہوں۔ اور اس کی امداد  
کریں۔ (سفینۃ البحار ص ۱ ج ۱)

مگر آج سادات کی دیکھا دیکھی ہر قوم اپنی قوم کے مساوی دوسری قوم  
میں رشتہ کرنے کے لیے تیار نہیں ہے اور بعض اوقات چونکہ قوم میں لڑکا  
نہیں ہوتا۔ یا ہوتا ہے مگر بہت چھوٹا۔ تو اس کی بلوغت کے انتظار میں لڑکی  
کی عمر تباہ ہو جاتی ہے حالانکہ بشریعت مقدسہ کا حکم یہ ہے کہ

اِذَا جَاءَكُمْ مِنْ نَرَضُونَ دِيْنَهُ وَخَلْقَهُ فَرُوجُهُ وَالَا تَكُنْ فِتْنَةً  
وَفَسَادٌ كَبِيرٌ

”جب تم سے ایسا شخص رشتہ طلب کرے جس کا دین و اخلاق پسندیدہ ہو  
تو اسے رشتہ دے دو۔ ورنہ بہت بڑا فتنہ و فساد پیدا ہوگا“

(مسائل الشیعہ)



حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی سے ایک نوٹمن جولا  
نے رشتہ طلب کیا اور اُس نے اُس کے جولا سے پن کی وجہ سے رشتہ دینے  
سے انکار کر دیا۔ اُس شخص نے امام کی خدمت میں شکایت کر دی  
امام نے لڑکی کے والد کو بلا کر (تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا) کہ اگر یہ شخص (جولا)  
اسی طرح ایمان پر مرعباتے تو کیا خدا اُسے جنت میں حور العین دے گا۔

اُس شخص نے عرض کیا ہاں، امام نے فرمایا جو شخص حور العین کا کفو ہو  
سکتا ہے۔ کیا وہ تیری لڑکی کا کفو نہیں بن سکتا۔ (ایضاً)  
زینب بنت جحش دختر امیرہ بنت عبدالمطلب کا عقد زید سے اذلفا کا عقد  
جویمبر سے اور ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب کا مقداد بن اسود سے  
عقد و ازدواج اسلامی اخوت و مسادات کے شاہکار ہیں۔ لیکن  
”ما اکثر العبد وما اقل الاعتبار“

۵ کاخ جہاں پُراست ز ذکر گزشتگان

لیکن کسے کہ گوش نہد ایں صدا کم است  
اسلام میں اس تفریق کا بیج حضرت ثنانی نے بویا ہے جس  
نے حکم دیا تھا کہ قریش تمام عرب میں تزویج کریں مگر عام عرب قریش  
میں تزویج نہ کریں۔ اور عرب تمام عجم، موالی اور غلاموں میں تزویج  
کریں۔ مگر عجم، موالی اور غلام عربوں میں تزویج نہ کریں۔  
(الاستغاثہ فی بدع الثلاثہ)



۲۔ جہیز و حق مہر وغیرہ اخراجات کی کثرت و گرانبازی اکثر و بیشتر لڑکی لڑکے کی زندگی و سیلے بھی تباہ ہو جاتی ہے اور ان کا بروقت نکاح دہیاہ نہیں ہو سکتا۔ کہ لڑکی کے والدین کے پاس بھاری بھر کم جہیز دینے کے لیے رقم موجود نہیں ہوتی یا لڑکے کے والدین کے پاس بھاری بھر کم حق مہر ادا کرنے کی طاقت نہیں ہوتی یا پرتکلف ضیافت کی قدرت نہیں ہوتی۔

اور اگر محسوساً جہیز دیں تو برادری میں ناک کٹتی ہے یا اگر حق مہر محسوساً مقرر کیا جائے تو چودھراہٹ میں فرق پڑتا ہے۔ اور نام و نمود میں کمی واقع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ اکثر اوقات یہ نکلتا ہے کہ ہر دو فریق کو قرضہ کی لعنت میں گرفتار ہونا پڑتا ہے یا گھر کا سادو سامان فروخت کرنا پڑتا ہے یا جائیداد گروہی رکھنا پڑتی ہے اور پھر ان باتوں کا خمیازہ مدت العمر بھگتنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے علاقوں میں لڑکی کی پیدائش کو ایک مصیبت سمجھا جاتا ہے کیونکہ بھاری بھر کم جہیز کو خاندان کی عزت کا مسئلہ سمجھ کر اور اپنے نام و نمود و نمائش کی خاطر اپنی نیشیت سے بڑھ کر اس قدر زیادہ جہیز دیتے ہیں کہ زندگی بھر قرض اور معاشی پریشانی میں گرفتار رہتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ شادی کے موقع پر حدود و مشرعیات کے اندر



رہ کر خوشی کا اظہار کرنا، رشتہ داروں اور تعلق داروں کے لیے دعوتِ ولیمہ کا اہتمام کرنا اور خوشی کے اس موقع پر غریب و مساکین کی امداد کرنا ایک جائز اور مناسب بلکہ سنت امر ہے مگر عقلمندی یہ ہے کہ کسی حال میں بھی اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا جائے اور پاؤں پھیلانے سے پہلے اپنی چادر دیکھ لی جائے اور جھوٹے وقار اور غلط نام و نمود کی خاطر روپیہ پیسہ برباد نہ کیا جائے اور فضول خرچی کی لعنت سے دامن کو بچایا جائے۔

**اسراف اور فضول خرچی کی مذمت :-** قرآن و حدیث اسراف و فضول خرچی کی مذمت سے لبریز

نظر آتے ہیں ارشادِ قدرت ہے۔

گُلُوا وَاشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوا اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ  
(کھاؤ و پیو۔ مگر اسراف نہ کرو۔ کیونکہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مال و حقیقت خدا کا مال ہے اسے بطور امانت کچھ لوگوں کے پاس رکھا ہے اور اس نے صرف میانہ روی سے خرچ کرنے کو روا رکھا ہے کہ میانہ روی سے کھائیں پئیں۔ میانہ روی سے پہنیں، میانہ روی سے نکاح کریں۔ میانہ روی سے سوار ہوں اور باقی ماندہ فقراء و مساکین مؤمنین کی اصلاح احوال پر خرچ کریں جو شخص ایسا کرے گا اس کا کھانا پینا، پہنا، نکاح کرنا اور سوار ہونا حلال ہوگا۔ اور جو اس سے تجاوز کرے گا تو وہ مال اس پر حرام ہوگا الخ

(تفسیر برہان)

سورۃ النعام میں ہے

لَا تُسْرِفُوا اِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ۔



را سراف نہ کرو کیونکہ خدا اسراف کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا (اس کی تفسیر میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک شخص کھیت کاٹتے (یا ڈھیری اٹھاتے) وقت دونوں کف دست سے خیرات کرے۔ یہ بھی اسراف ہے بلکہ ایک ہاتھ سے خیرات کرنی چاہیے (تفسیر صافی)

خدا نے قرآن میں فرعون کو مسرف اور فضول خرچی کرنے والوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔

ان فرعون علی فی الارض وانه لمن المسررفین (سورہ یونس)  
لا تبذر تبذیراً ان المبذرفین كانوا اخوان الشیاطین (سورہ نجا السریط)

اسراف و تبذیر کا باہمی منسرق نام ہے جبکہ اسراف بر محل مگر ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔ (مجمع البحرین)

خدا نے سورہ مؤمن میں اسراف کرنے والوں کو جہنمی قرار دیا ہے ارشاد

فرمایا

ان المسررفین هم اصحاب النار (ط ۵)

(اسراف کرنے والے جہنمی ہیں)

کئی احادیث میں وارد ہے کہ چند قسم کے لوگ ایسے ہیں جن کی دُعا قبول نہیں ہوتی اُن میں سے ایک وہ شخص ہے جس کو خدا مال و دولت عطا فرمائے اور وہ اسے فضول خرچی میں ضائع کر دے اور پھر خدا سے کہے "خدا یا مجھے رزق دے" متعدد احادیث میں وارد ہے ما افتقر من اقتصد۔

"جو شخص میانہ روی و کفایت شعاری سے کام لیتا ہے وہ کبھی فقیر و



نادار نہیں ہوتا۔

(الکافی)

بلکہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ جو شخص میانہ روی سے کام لے گا میں ضامن ہوں کہ وہ کبھی فقیر نہ ہوگا۔ (وسائل الشیعہ)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مومن کی تین علامتیں ہیں  
۱۔ صحیح اندازے کے مطابق خرچ کرنا ۲۔ مصیبت پر صبر کرنا ۳۔ دین میں سوجھ بوجھ رکھنا۔ ۴۔  
(ایضاً)

قصہ درفتہ و غنا از کف مدہ

عدل در قہر و رخصت از کف مدہ۔ (اقبال)

خلاصہ یہ کہ فضول خرچی ایک بہت بڑی معاشرتی اور اقتصادی بُرائی ہے جو نہ صرف افراد کی بلکہ پوری قوم کی اقتصادی حالت پر بُرا اثر ڈالتی ہے اور کئی دوسری بُرائیوں کو جنم دیتی ہے اسلئے اس کا انسداد ضروری ہے ہم مسلمان ہیں ہمیں قیصر و کسریٰ اور دنیا کے جابر و جائز حکمرانوں کے نقش قدم پر نہیں بلکہ بانی اسلام کے نقش قدم پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے  
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(رسول خدا کی سیرت و کردار میں تمہارے لیے بہترین نمونہ عمل موجود ہے)

کیونکہ ع

نبی کا طرز زندگی منافقت کی موت ہے

لہذا ہمیں یہ نہیں دیکھنا چاہیئے کہ قیصر و کسریٰ نے اپنی شہزادیوں کی شادیاں کس دھوم دھام سے کیں بلکہ ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ والی کونین نے شہزادی شرب کی شادی کس سادگی سے کی؟ اگر آنحضرتؐ چاہتے تو اپنی لخت جگر بیٹی کو دنیا کے ریشم و دیبا کے کپڑے، دنیا بھر کے زیور اور دنیا بھر کا سامان آرائش و آسائش



بلکہ خاک کو اکیس بنا کر جہیز میں دے سکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ دیا تو کیا؟  
 (۱) ایک بستر (جس میں کپاس کی بجائے لیف خرما بھرا ہوا تھا) بچھانے کے لیے  
 (۲) ایک چچی اٹا پیسنے کے لیے (۳) ایک چرنہ سوت کالتنے کے لیے (۴) مٹی  
 کے چند برتن گھر کے استعمال کے لیے (۵) چند موٹے جھوٹے کپڑے تن بدن  
 ڈھانکنے کے لیے۔ (عاشق بحار الانوار)

کیوں؟ صرف اسلئے کہ امت کے غریب نادار لوگوں کے لیے نمونہ عمل  
 پیش کیا جائے اور ان کی لمبی کوکھنے سے اور اس طرح لڑکیوں کی زندگی کو  
 تباہی و بربادی سے بچایا جائے مگر

جنہیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

تو اگر شہنشاہ دین و دنیا کی یہ سادہ اور مختصر جہیز دینے سے توہین

نہیں ہوتی تو ہماری کیوں توہین ہوتی ہے سادہ جہیز دینے سے اے

اے مخفی نہ رہے کہ جہیز کے متعلق ہم نے ان سطور میں جو کچھ لکھا ہے کہ جہیز  
 مختصر اور سادہ دینا چاہیے جس طرح کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 اپنی شہزادی کو بنین کو دیا تھا۔ یہ سطحی اور روایتی انداز فکر کا نتیجہ تھا لیکن اگر  
 یہ نظر غائر اس مسئلہ کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ جہیز کا سرے سے  
 اسلام میں کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد شادیاں کیں مگر تاریخ میں  
 کسی ام المومنین کا جہیز لانا نہیں ملتا۔ اور نہ ہی جناب رسول خدا ﷺ نے  
 اپنی شہزادیوں کو جہیز دینا ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ کرام میں اس کی کوئی مثال  
 ملتی ہے۔ لے دے کے جناب رسول خدا رسالت مآب کا اپنی خاتونِ جنت بیٹی



کاش کہ ہم آنحضرتؐ کی حیات طیبہ سیرت مقدسہ کے اسی ایک پہلو کو بھی اپنا لیتے تو معاشرہ کی ہزاروں بلکہ لاکھوں بیٹیاں ہاتھ پیلے ہونے کی حسرت میں بوڑھی نہ ہوتیں اور ان کے ماں باپ اس غم میں کڑھ کڑھ کر بیمار اور شکن بسترنہ بنتے۔ مگر افسوس کہ جہیز اور بھروسہ کی غیر ضروری نمائش اور شادی کے کم توڑ اخراجات نے لاکھوں گھر تباہ کر دیئے ہیں مگر اب تو ایک اور مصیبت ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر لڑکی والے سادگی کا مظاہرہ کرنا بھی چاہیں تو کر نہیں سکتے کیونکہ اب تو لڑکے والے جہیز کی فہرستیں خود مہیا کر دیتے ہیں کہ یہ یہ چیزیں ضرور ہونی چاہئیں۔

اس فہرست میں اگر بالفرض کار نہ ہو تو فریج اور ٹی وی سیٹ ڈائری کنڈیشنز بلکہ وی سی آر تو ضروری ہوتا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی۔

(حاشیہ بقیہ از صفحہ گزشتہ)

کو مذکورہ بالا مختصر سامان دنیا ملتا ہے جس کے شروع شروع سے استدلال کیا جاتا ہے لیکن اگر اس کی حقیقت پر مکتوڑا سا غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے کچھ نہیں دیا تھا اور یہ جو کچھ دیا تھا یہ مخدومہ کائنات کے حق مہر (بسلخ پانچ سو درہم) جو جناب امیر علیہ السلام نے اپنی زرہ فروخت کر کے پیشگی ادا کر دیا تھا) کی رقم سے آنحضرتؐ نے بحیثیت علیؑ دتبولؑ کے ولی اور سرپرست ہونے کے بی بی عالم کو اپنا نیا گھر بسانے اور اس کی ضرورتیں کو پورا فرمانے کے لیے خرید کر بوقت رخصت دیدیا تھا۔ تو گو بارقم بھی بی بی عالم کی اور سامان بھی بی بی عالم کا جیسا کہ اس امر کی صراحت تمام متعلقہ روایات کے اندر



اس لیے رٹ کے والوں کو بھی خوفِ خدا کرنا چاہیے اور رٹ کی والوں کی مجبوریوں سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔

**الغرض** یہ خیال رکھنا چاہیے کہ رٹ کی رٹ کے کی باہمی شادی ہو، سامانِ و جائیداد کی شادی نہ ہو جیسا کہ آجکل ایسی بعض شادیاں دیکھنے اور سُننے میں آرہی ہیں کہ دولہا ماشاء اللہ ستر سال کا اور دلہن چودہ یا پندرہ سال کی یا اس کے برعکس دلہن ساٹھ ستر کی اور دولہا پندرہ بیس سال کا۔ کیونکہ اس عقد و ازدواج سے مقصد صرف دولت و ثروت کا حصول ہوتا ہے کوئی اور غرض و غایت پیش نظر نہیں ہوتی۔

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے ؟

لطف یہ ہے کہ جو لوگ تعلیم یافتہ ہیں اور ان غلط رسموں کی حماقت و نقصانات سے بھی بخوبی واقف ہیں وہ بھی انہی رسوم و قیود پر عمل کئے جاتے ہیں محض اسلئے کہ اگر انہوں نے ان فضول خرچیوں کی چھوڑ دیا تو لوگ ان کو کجخوئی کا طعنہ دیں گے۔ حالانکہ ایک مومن کو راد حق میں کسی ملامت گو کی ملامت کی پروا نہیں کرنا چاہیے۔ خدا فرماتا ہے۔

لَا يَخَافُونَ فِي اللَّهِ لَوْمَةً لَّائِمَةً

(وہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کرتے)

۱۳۔ حق مہر مقرر کرنے میں میانہ روی کا بیان :- دیگر امور کی طرح زر مہر میں بھی میانہ روی کا

دامنِ ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ بس کی ایسی کوئی حد و مقدار مقرر نہیں ہے جس میں کمی بیشی نہ کی جاسکتی ہو۔ بلکہ اس کا تعلق زوجین یا ان کے اولیاء کی صوابدید پر منحصر ہے (جبکہ زوجین صغیر سن ہوں یا مجنون یا مملوک ہوں) جو کم از کم



اتنا ہونا چاہیئے کہ عرف و عادت میں اسے مال کہا جاسکے۔  
 ہاں بعض اخبار و آثار کی بنا پر دسٹل درہم سے کم ہو تو مکروہ ہے مگر  
 زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ (گو اس کی مذمت وارد ہوئی ہے) مگر پاؤں  
 پھیلانے سے پہلے اپنی چادر دیکھ لینی چاہیئے آخر اسے ادا کرنا ہے ایسا نہ ہو  
 کہ نام و نمود کی خاطر اس قدر زیادہ مقرر کیا جائے کہ جس کی ادائیگی جوئے شیر  
 لانے سے بھی زیادہ مشکل ہو۔

جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے کہ بعض لوگ صرف بطور نمائش کئی کئی لاکھ روپے  
 مقرر کر دیتے ہیں مگر ادائیگی کی نیت ہی نہیں ہوتی۔ — ایک حدیث  
 میں ایسے نکاح کو زنا کا نام دیا گیا ہے۔ (وسائل الشیعہ)

البتہ افضل یہ ہے کہ ”مہر السنۃ“ مقرر کیا جائے جو کہ پانچ سو درہم ہے  
 یہی حق مہر جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواجِ مکرمات کا مقرر  
 کیا تھا اور وہی حق مہر جناب امیر نے جناب خاتونِ قیامت کا معین کیا تھا۔  
 اور چونکہ بنا بر تحقیق ایک درہم ساڑھے تین ماشے چاندی کا ہوتا ہے۔ اس طرح  
 اس حق مہر کی مجموعی تعداد ساڑھے تیرہ سو ماشے بنتی ہے۔ جو ایک سیر تین پاؤں  
 ایک چھٹانک اور دس ماشے چاندی کے مساوی ہے لہذا اتنی چاندی یا اس  
 مقدار کی رائج الوقت قیمت نزد حق مہر مقرر کرنی چاہیئے (قوانین الشرعیہ)  
 آج اسی مہر اور شادی کے انہی ناقابلِ برداشت مصارف نے بعض لہجوں  
 کے اندر شادی نہ کرنے کا رجحان پیدا کر دیا ہے اور وہ بے ماہِ نوی کا شکار  
 ہو رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام ان چیزوں کا مخالف ہے اور وہ اس سلسلہ  
 میں آسان سے آسان فارمولا پیش کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حق مہر ایک خالی خلی بے جان مندرجہ ہی رسم نہیں بلکہ



مہر کا اہم مقصد عورت کو کچھ معاشی تحفظ دینا ہے اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ مہر اتنا ہو کہ شوہر باسانی ادا کر سکے مگر بد قسمتی سے تحفظ کے اس نظریہ سے غلط مطلب اخذ کرتے ہوئے اس کا مطلب یہ لیا گیا کہ مہر کی ادائیگی اس قدر مشکل بنا دی جائے کہ شوہر کبھی عورت کو طلاق نہ دے سکے۔

یہی وجہ ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ شوہر چار پانچ ہزار روپے ادا کرنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتا تاہم پچاس پچاس ہزار حق مہر مقرر کر دیا جاتا ہے محض اس لئے کہ وہ ادائیگی کی مشکل کے پیش نظر طلاق نہ دے سکے۔ حالانکہ اس غلط رسم ایک انتہائی غلط پہلو یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے بعض اوقات ازدواجی زندگی میں زہر گھل جاتا ہے۔

اور یہ زیادہ حق مہر فائدہ کی بجائے عورت کے لیے الٹا نقصان و زیان کا باعث بن جاتا ہے کیونکہ کبھی ایسے حالات بھی پیدا ہو جاتے ہیں کہ خانگی ... مشکلات سے گلو خلاصی کرانے کے لیے طلاق عورت کے لیے نہ صرف مفید بلکہ ضروری ہو جاتی ہے مگر حق مہر کی کثرت کی وجہ سے شوہر کسی قیمت پر طلاق نہیں دیتا۔

ان حالات میں عورت کے لیے دو ہی راستے ہیں یا پھر زندگی بھر کڑھتی رہے اور مصیبت کی زندگی گزارتی رہے۔ یا پھر تمام حق مہر سے دست بردار ہو کر اور طلاق لے کر خالی ہاتھ واپس اپنے میکے جائے۔

بہر حال چونکہ ہر معاملہ میں افراط و تفریط مذموم ہوتی ہے لہذا جس طرح

حق مہر میں افراط غلط ہے اسی طرح اس قدر تفریط بھی قابل مدح نہیں

بلکہ قابل مذمت ہے کہ مہنگائی اور گرانی اور روپے کی بے وقعتی کے اس دور

میں بھی پندرہ پچیس یا تیس یا ایک سو پانچ روپے حق مہر مقرر کیا جائے۔ اور پھر قسم



بالائے ستم یہ کہ اُسے شرعی حق مہر کا نام دیا جائے گو یا کہ اس کی کم یا زیادہ مقدار غیر شرعی ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے۔

ابھی اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی ازدواج کا حق مہر پانچ سو درہم مقرر کیا تھا۔ اور اسی طرح حضرت امیر المومنین نے بھی جناب خاتون قیامت کا حق مہر پانچ سو درہم ادا کیا تھا۔ اس لیے اسی مقدار کو ”مہر الشنتہ“ کہا جاتا ہے اگر اتنا مقرر کیا جائے تو افضل ہے ورنہ شخص اپنی پوزیشن کے مطابق کم و بیش مقرر کر سکتا ہے مثلاً جن لوگوں کی مالی پوزیشن اچھی ہے اگر وہ پچیس، تیس روپے حق مہر مقرر کریں تو جہاں یہ بات ان کے مرتبہ اور بیوی کے وقار کے خلاف ہوگی۔ وہاں اس بیوی کو کوئی تحفظ بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ جو حق مہر کا اصل مقصد ہے۔ اس لیے ہر معاملہ کی طرح یہاں بھی میانہ روی اچھی اور قابل تعریف ہے۔

وَحَيْرُ الْأُمُورِ أَدْسُطُهَا

دعوتِ ولیمہ میں سادگی کا تذکرہ :- اسی طرح دعوتِ ولیمہ میں بھی اگر سادگی سے کام لیا جائے صرف

سنت سمجھ کر سادہ سی دعوت کا اہتمام کیا جائے نہ کہ اپنے جاہ و جلال اور کثرتِ مال و منال کا مظاہرہ کرنے کے لیے۔ تو یقیناً کئی معاشرتی روگوں کا تریاق ہو جائے گا۔ واللہ الموفق۔

نیز محقق نہ رہے کہ متعدد روایات میں وارد ہے کہ ولیمہ ایک دن ہے ہاں دوسرے دن مکرمیت (بزرگی و نیکی ہے) اور تیسرے دن ریا دسمہ ہے (خصالِ شیخ صدوق)



سادگی کا ایک فائدہ :- طبقاتی غیر شرعی امتیازات کو مٹانے کے لیے بھی شادی کی تقریبات میں سادگی اختیار

کرنا ضروری ہے اور اس کا آغاز بھی بااثر اور باثروت لوگوں کو کرنا چاہیے تاکہ معاشرہ پر اس کا خوشگوار اثر پڑے۔ اگر غریب طبقہ کو بیکار تو اس کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ بلکہ لوگ یہی کہیں گے کہ یہ اسلئے ایسا کر رہا ہے کہ اخراجات کر نہیں سکتا۔

۴: زیادہ تعلیم کا کھڑا کرنا :- لڑکیوں کو بقدر ضرورت دینی تعلیم دلوانا واجبات میں سے ہے

مگر دنیوی تعلیم بھی فی الجملہ ممنوع نہیں ہے جائز ہے بلکہ کسی حد تک فی زمانہ ضروری بھی ہے مگر نہ اس حد تک کہ جس حد تک بعض مغرب زدہ لوگوں کو جنون ہے کہ پہلے پرائمری اسکے بعد مڈل پھر میٹرک، میٹرک کے بعد ایف اے اور بی اے۔ اسکے بعد ایم اے اور ڈبل ایم اے پھر ڈاکٹریٹ (پی۔ ایچ ڈی) بالعموم اس باکی تعلیم دلوانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس قدر تعلیم زیادہ ہوگی اتنا ہی زیادہ اچھی جگہ رشتہ ہوگا۔

مگر عموماً نتیجہ اس کے برعکس نکلتا ہے۔ قریبیابی اے کرنے تک تو مختلف مقامات سے رشتے آتے ہیں مگر ادھر سے تعلیم نامکمل ہونے کا عذر کر کے مسلسل انکار پھر جب ایم اے اور ڈبل ایم اے اور پھر مخصوص کورسز کا چکر چلتا ہے تو بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بال سفید ہونے لگ جاتے ہیں اور آنکھوں پر دبیز شیشوں والی عینک لگ جاتی ہے تو وہی لوگ جو پہلے مسو جان سے قربان ہوتے تھے اب دُور بھل گئے ہیں اور جب ماں باپ کی آنکھیں کھلتی ہیں تو پانی سر سے اُونچا ہو چکا ہوتا ہے۔



اب ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ جب لڑکی ایم۔ اے۔ ہے تو لڑکا  
ڈبل ایم۔ اے یا کم از کم ایم۔ اے تو ہونا چاہیے اور ساتھ ہی بہت بڑا فسر  
بھی۔ مگر جب خوابوں کی تعبیر برعکس ظاہر ہوتی ہے تو پھر یا تو دفتر کی  
فائلوں سے (اگر ملازمت مل گئی) یا عام کتابوں اور رسالوں سے یا پھر گھر  
کی چار دیواری سے شادی ہو جاتی ہے (اگر ملازمت نہ مل سکے) یا پھر باہر  
مجبوری کم تعلیم یافتہ لڑکوں سے ہوتی ہے۔ جس کا نتیجہ اکثر و بیشتر قابل رشک  
نہیں ہوتا۔ بلکہ افسوسناک ہی ہوتا ہے۔

اس سے نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ کی طرح تعلیم میں  
بھی اعتدال کی راہ اچھی ہے اور اگر بعض حالات میں لڑکی تعلیم ناگزیر ہو تو  
اشارہ تعلیم میں مناسب وقت پر شادی کر دینی چاہیے یا کم از کم مناسب جگہ پر  
نسبت چکی کر دینی چاہیے تاکہ بعد میں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

۵: ذاتی تفوق کے غلط جذبہ کی کارفرمائی :- زمانہ جاہلیت میں لڑکیوں  
کو زندہ درگور کرنے کی

ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بعض خاندانوں کے لوگ کسی بھی شخص کو خواہ وہ جتنے  
بڑے خاندان کا چشم چراغ ہوتا تھا۔ اپنی لڑکیوں کا کفو یا ہمسر نہیں جانتے تھے  
آج اس تمدن و ترقی یافتہ دور میں بھی شیطان نے بعض لوگوں کے  
ذہنوں میں گھونسلے بنا کر یہ اندھے دے رکھے ہیں کہ وہ بڑے لوگ ہیں  
کوئی اُن کا کفو و ہمسر نہیں ہے۔ اسلئے وہ اُٹھتے بیٹھتے زبان حال مقل  
سے برابر یہی راگ الاپتے رہتے ہیں۔ کہ

”ہمچوں کا دیگرے نیست“

حالانکہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ اُن کی یہ سوچ اسلامی نہیں ہے بلکہ جاہلی ہے



اور زمانہ جاہلیت کی باقیات سے ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ عقد نکاح میں "کفایت" شرط ہے مگر اس کا مفہوم وہ نہیں ہے جو عام لوگ سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم وہ ہے جو ائمہ اہل بیتؑ کے اخبار اور علماء ابرار کے انظار کے بحار میں غواصی کرنے سے واضح و آشکار ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر لڑکی مومنہ ہے تو اس کے کفو ہیں ایمان معتبر ہے۔ اور اگر لڑکا مومن ہے تو اس کے کفو میں صرف اسلام کافی ہے۔ — خلاصہ یہ کہ مومنہ لڑکی کا عقد صرف مومن لڑکے کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ ہاں مومن لڑکے کا عقد مومنہ و مسلمہ دونوں سے ہو سکتا ہے جیسا کہ متعدد روایات میں وارد ہے

”العارفة لا توضع الا عند عارف“

(مومنہ لڑکی صرف مومن لڑکے کے حوالہ عقد میں دی جائے)

(کتب اربعہ)

مزید برآں لڑکے کے ذاتی اخلاق و اطوار درست اور اس کا دین و مذاہب پسندیدہ ہونا چاہیئے و بس! جیسا کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کا ارشاد ہے و اذا جاءكم من ترضون خلقه و دینہ فزوجهوا لا تفسدوا تکی فی الارض فتنہ و فساد کبیر (وسائل الشیعہ)

ہاں زیادہ سے زیادہ اگر لڑکی کے خاندان والوں کی پوزیشن اور ان کے رہن سہن اور ان کی طرزِ بود و ماند کے مطابق لڑکے والوں کی مالی حیثیت اور رہن سہن کا بھی کچھ لحاظ کر لیا جائے تو اس میں کوئی خاص قباحت نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا کفو وہ ہے جو عقیقت و پارسا ہو۔ اور اس کے پاس یسار ہو یعنی



کھاتا پیتا ہو محتاج نہ ہو۔  
 اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ اغوا و شیطان اور بلبلین ابلیس کے سوا کچھ  
 بھی نہیں ہے۔ بھلا جو شخص دوسروں کی لڑکیوں سے شادی بیاہ کر سکتا ہے  
 وہ اپنی لڑکیاں دوسروں کو کیوں نہیں دے سکتا۔ ۹۹

ان هذا الاقسمۃ ضیضی

خدا نے قہار نے اسلام کے ذریعہ سے جاہلی کبر و نخوت کا خاتمہ کر دیا ہے  
 پس جو مومن ہے وہ صاحب عزت و عظمت ہے اور جو کافر و مشرک  
 ہے وہ صاحب ذلت و نجبت ہے۔

« کائنات من کان (لله العزۃ ولسوله وللمؤمنین)

اس کے علاوہ صح

جو کچھ بھی ہے وہ ثمرہ و ہم و خیال ہے

رنگ و شکل اور وطن و نسل کے جن بتوں کو آج اسلام کے دعویٰ پر اپنی  
 دکانوں میں سجائے بیٹھے ہیں

ان کو اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے اپنی مساویانہ و عادلانہ تعلیمات  
 سے پاش پاش کر دیا تھا۔ بانی اسلام صلی اللہ علیہ آلم وسلم کے الفاظ آج  
 بھی فضائے عالم میں گونج رہے ہیں کہ

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لہاشمی علی غیرہاشمی ولا لابین

علی اسود الا بالتقویٰ۔

یعنی کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی ہاشمی کو غیر ہاشمی پر اور کسی گورے کو کسی کالے  
 پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقوٰے و پرہیزگاری کے۔  
 (ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم)



اسلام تو ذات پات کی تفریق ختم کر کے اور نوع انسانی کو متحد کر کے ایک عالم گیر نظام معاشرت قائم کرنا چاہتا ہے اسلئے انسانی نوع کو صرف دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ مسلم اور (۲) غیر مسلم  
اسکے علاوہ سب تفریقیں اور تقسیمیں ختم کر دی ہیں۔  
(نعم واللسادات الکرام مقامہم واکرامہم)  
اور تمام کائنات کے مسلمانوں کو اسلامی و ایمانی اخوت اور بھائی پیارہ کی سلک میں منسلک کر دیا ہے

(انما المؤمنون اخوة)

آج مسلمانوں میں بدقسمتی سے یہ ذات پات کی جو تفریق پائی جاتی ہے (اور بعض مقامات پر تو بڑی شدت سے پائی جاتی ہے) یہ سب غیر اسلامی... بالخصوص ہندوؤں کی تعلیم اور صدیوں تک اُن کے ساتھ رہنے سہنے اور ان کی تہذیب سے متاثر ہونے کا نتیجہ ہے۔ جن کے معاشرہ کی اسکس ذات پات کی تفریق پر قائم ہے۔ اور انگریزوں نے بھی اپنے مخصوص مفادات کی خاطر اسی غیر اسلامی نظریہ کی آبیاری کی ہے۔

بہر حال اسلام میں برہمنوں اور پادریوں جیسی طبقہ بندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا اسلامی نقطہ نظر سے اپنی ذات اور برادری سے باہر شادی بیاہ کرنا نہ محبوب ہے اور نہ ہی بے عزتی اور بدنامی کا باعث۔ اس تفریق کے نتیجہ میں معاشرہ میں بہت سی خرابیاں رونما ہوتی ہیں اور بہت سی بے جوڑ شادیوں کے باعث کئی زندگیاں تباہ ہوتی ہیں لہذا مسلمانوں کو چاہیے کہ نہ صرف اپنے قول و قرار سے بلکہ اپنے عمل و کردار سے اس تفریق کی حوصلہ شکنی کریں



تاکہ اسلامی معاشرہ اس کثافت سے پاک و صاف ہو جائے۔

اگر ڈاکٹری نقطہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو ایک ہی خاندان میں شادی بیاہ کرنے سے کئی جسمانی عارضے لاحق ہو سکتے ہیں لہذا اس لحاظ سے بھی خون بدلتی کی ضرورت ہے۔ نیز خاندان سے باہر مناسب جگہ رشتہ کرنا صلہ رحمی کے بھی منافی نہیں ہے جیسا کہ کچھ لوگ خیال کرتے ہیں۔

اب ذیل میں اس سلسلہ  
شادی بیاہ کی دوسری غلط رسموں کا بیان ہے۔ کی بعض دوسری قبیح  
و شنیع رسموں کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن سے اہل اسلام و ایمان کو اجتناب کرنا  
واجب لازم ہے کیونکہ ان سے اسلامی معاشرہ تباہ و برباد ہو رہا ہے۔

### ۱) غنا و سرود :

نام نہاد اسلامی معاشرہ میں شادی بیاہ کے موقع پر جن غیر شرعی حرکات کا بے دریغ ارتکاب کیا جاتا ہے۔ ان میں سرفہرست غنا و سرود اور ثقافت کے نام سے رقص و سرور کی محفلیں جمانا ہے۔ جن سے معاشرہ تباہ ہوتا ہے اور بچاؤنا ہموار ذہن تیار ہوتا ہے۔ اولاً تو بھاری بھر کم رقصیں دیکر (جو لڑکے تہذیب سے ان الہبذین کا نواخوان الشیاطین)

گلنے والے اور گلنے والیاں بلوائی حاتی ہیں اور محافل رقص و سرور کا اہتمام کے شیطان کو خوش کیا جاتا ہے اور خدا و رسول کی لعنت مولا لی جاتی ہے۔ اور ثانیاً اگر کسی وجہ سے یہ اہتمام نہ ہو سکے۔ تو پھر ریڈیو یا چنیجر پر فحش فلمی گانوں کی اس طرح بلند آواز سے ریکارڈنگ کی جاتی ہے کہ کئی محلوں تک لوگوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔۔۔ حالانکہ شریعت مقدسہ اسلامیہ میں گانا بجانا بالکل حرام ہے اور اس کی حرمت اس طرح ذاتی اور مغلط ہے کہ تخصیص کے



قابل بھی نہیں ہے بطور نمونہ مشتے از خروارے دو چار آیات و روایات پیش کئے جاتے ہیں۔

۱) ارشاد قدرت ہے

”وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ“ (پارہ رکعت ۱ سورج)

(قول زور سے اجتناب (پرہیز) کرو)

اس آیت مبارکہ میں وارد شدہ لفظ قول زور کی تفسیر میں روایات مستفیضہ وارد ہوئے ہیں کہ اس کے مراد غنا (گانا) ہے (کافی، تفسیر صانی، قمی اور برہان غیرہ) اسی طرح آیت مبارکہ ”وَالَّذِينَ لَا يَشْعُرُونَ الزُّورَ“ جس میں خداوند عالم اہل ایمان کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ ”زور“ کے مقام پر حاضر نہیں ہوتے۔ بسند صحیح محمد بن مسلم حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو وہاں حاضر نہیں ہوتے جہاں گانا گایا جائے (تفسیر برہان، صانی، نور الثقلین وغیرہا)

۲) بسند صحیح زبیر شحام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آنجناب نے فرمایا

”در بیت الغنا لا یؤمن فیہ الضبیعة ولا تجاب فیہ الدعوة ولا یدخل الملک“ جس جگہ گانا گایا جائے۔ وہ جگہ ناگہانی مصیبت سے محفوظ نہیں ہوتی نہ وہاں کوئی دعا قبول ہوتی ہے اور نہ ہی وہاں کوئی فرشتہ قدم رکھتا ہے۔“ (کافی)

(۲) نیز انہی حضرت سے مروی ہے فرمایا

”در مجلس الغنا لا ینظر اللہ الی اہلہ“

”جس محفل و مجلس میں غنا کا ارتکاب کیا جائے خدا تعالیٰ اس کے اہل کی طرف نظر رحمت نہیں کرتا“ (قرب الاسناد، دو سائل)



(۳) امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں

« الغنا رما اذ عدا لہ علیہ السلام »

(غنا اُن (کبر) گناہوں میں سے ہے جن پر خدا نے جہنم کی دھمکی دی ہے)  
(کافی صافی)

الغرض اس سلسلہ کے روایات حدیثات تک پہنچے ہوئے ہیں۔

« اگر درخانہ کس است یک حرف بس است »

« وفیہ کفایتہ لمن لہ ادنی درایتہ » لان العاقل یکفیہ الاشارة  
مخفی نہ رہے کہ علماء محققین کی تحقیق یہ ہے کہ فقیہ کا کام  
۱۱۔ ایضاً :- صرف حکم شرعی بیان کرنا ہے مثلاً یہ کہ شراب حرام ہے

غنا حرام ہے، سود حرام ہے وغیرہ وغیرہ۔

باقی رہی اس حکم کے موضوع کی تشخیص کہ شراب کیا ہے؟ غنا کیا ہے؟  
اور سود کیا ہے؟ یہ اس کا کام نہیں ہے بلکہ اس سلسلہ میں اس چیز کے جاننے  
دلوں کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ بنا بریں غنا کیا ہے؟ کس قسم کی  
آواز ہے؟ دیگر موضوعات کی طرح اس کے موضوع کی تعیین کے سلسلہ میں  
بھی عرف خاص (گانے بجانے والے لوگوں) کی طرف رجوع کیا جائے گا لہذا  
یہ لوگ جس مخصوص آواز کو راگ قرار دیں گے وہ حرام ہوگی اور اسے اجتناب  
(قانون الشرع)  
واجب ہوگا۔

آج ملک کا ادنیٰ طبقت

(۲) اوپر سے طبقہ کی روش و رفتار پر تنقید (افسوس اٹلی اور سربیا)

ثقافت کے نام پر رقص و سرود کی محفلیں جمانے اور اس کا جواز یہ پیش کرتا ہوں  
کہ عصر رواں میں ہر انسان کو بہت کام کرنا پڑتا ہے اسلئے اسے تھکاوٹ و



نفاہت دُور کرنے کے لیے تفریح کی ضرورت ہے مگر اُسے یہ نہ بھولنا چاہیے کہ یہ طبقہ مسلمان کہلاتا ہے اور اسلام میں اُسے صرف اُس تفریح کی اجازت مل سکتی ہے جو اخلاق و اسلام کے خلاف نہ ہو۔

اگر کسی محفل میں کوئی حسینہ بن سنور کو طبلے کی تھاپ پر میحان انگیز گیت گا رہی ہو اور سامعین کو اشاروں اور مسکراہٹوں سے گناہ کی دعوت دے رہی ہو تو کیا اسلام کا مزاج اسے گوارا کر سکتا ہے؟

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ یہ لوگ جانتے ہوئے بھی کہ تقدیر احم کی آخری منزل طاؤس و رباب ہے، تاہم وہ اس انجام بد کی طرف سر پیٹ بھاگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ان سے ثقافتی محفلوں کا ایک اور بڑا نقصان ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کوئی بنگلوں میں رہنے کا عادی ہو جائے تو اُسے جھونپڑیوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔ پلاؤ حلوہ نصیب ہو تو دال کی قدر نہیں رہتی۔ اگر آپ تفریح کے لیے ملک کی حسیناؤں کو سٹیج پر بچانے لگیں گے تو قوم کا مزاج بگڑ جائیگا اور آپ کے تمام عملی مشاغل یعنی مذاکرے، مشاعرے اور مباحثے سونے پڑ جائیں گے جب لوگ رقص و نغمہ کے عادی ہو جاتے ہیں تو پھر وہ نہ فلسفیوں کی بات سنستے ہیں اور نہ داعظ و معلم کی۔ دیگر اشیاء کی طرح قومی زندگی کے بھی مختلف مدارج ہیں بچپن، شباب، پیری۔ — طاؤس و رباب کی منزل پیری میں آتی ہے لیکن جس نسل کا آغاز ہی رقص و سرود سے ہو۔ ع

آغاز ہو یہ جس کا انجام خدا جانے۔

یہی وجہ ہے کہ آج مئے خانے، رقص خانے، اور سینما آباد ہوئے ہیں اور علم و ادب کی محفلیں اُجڑ رہی ہیں۔ <sup>از کتاب</sup> رزمِ ایمان سنجیدانی، ان فی خالک لآیات



۳: آلات لہو و لعب کا استعمال کرنا۔  
جیسا کہ ابھی اوپر واضح کیا جا چکا ہے کہ غنائی

نفس حرام ہے۔ اس کی حرمت کسی آلہ لہو و لعب کے ساتھ مشروط نہیں ہے مگر شادی بیاہ کے مواقع پر بالعموم یہ ہوتا ہے کہ راگ و رنگ کے ساتھ آلات لہو و لعب جیسے ڈھول، طبلہ، سازنگی اور چنگ و رباب اور ہینڈ باجے بھی بے تحاشا استعمال کیے جاتے ہیں جس سے اس فعل حرام کی حرمت دوگنی ہو جاتی ہے۔

۱) جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا کہ حضرت آدم کی دنیا پر ابلیس و قابیل نے شتمات کی (خوشی منائی) اور آلات لہو و لعب استعمال کیے پس اس وقت دنیا میں اس قسم کے جتنے آلات موجود ہیں جن سے لوگ لذت اندوز ہوتے ہیں وہ اُسی کی یادگار ہیں۔ (کافی)

۲) حضرت ابا جعفر صادق علیہ السلام اپنے آبا و اجداد ہرین کے سلسلہ سند سے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں فرمایا میں تم کو ناج، سننے اور ڈھول ڈھولک سے منع کرتا ہوں کیونکہ خدا نے مجھے ان چیزوں کے مٹانے کے لیے بھیجا ہے۔ (کافی - وسائل)

۳) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس شخص پر خدا کسی نعمت کا انعام کرے اور وہ اس وقت بزمِ رائے (استعمال کرے تو اس نے اس نعمت کا کفران کیا ہے۔ (اصلاح الرسوم جو نہ پوری)

کس قدر مستم ظریفی ہے کہ خدا نعمت اوزاد سے نوازے۔ انہیں پیمان چڑھائے پھر ان کی شادی و بیاہ کی خوشی دکھائے اور بجائے اس کے کہ اس کی



ان نعمتوں کا شکریہ ادا کیا جائے۔ اٹنا کفرانِ نعمت کرتے ہوئے سنتِ ایلیس کا  
 اختیار کر کے اسے خوش کیا جائے اور پھر نہ صرف یہ کہ دعوائے اسلام کیا جائے  
 بلکہ محبتِ اہل بیت کا دُغم بھرا جائے ؟

ع فلیبک علی الاسلام من کان باکینا ؕ

ایسا کرنے والوں کو یہ حقیقت بھی ہرگز نہیں بھولنی چاہیے کہ جو خدا کوئی  
 نعمت دے سکتا ہے وہ کفرانِ نعمت کرنے سے واپس بھی لے سکتا ہے  
 چنانچہ فرماتا ہے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي

(پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم رکوع ۵)

لَشَدِيدٌ ؕ

تم اگر میری نعمتوں کا شکریہ ادا کر دو گے تو میں نعمتوں میں اضافہ کروں گا اور  
 اگر تم نے کفرانِ نعمت کیا تو یاد رکھو میرا عذاب بڑا سخت ہے )

لہذا ان لوگوں کو چاہیے کہ خدا کے قہرِ غضب کو دعوت دینے سے اجتناب

کریں کیونکہ علی

سخت ہیں قدرت کی تعزیریں

(۴) امام عالی مقام فرماتے ہیں جس گھر میں شراب، طہنور، دف یا نرد

ہو وہاں رحمت کے فرشتے قدم نہیں رکھتے، اور نہ ہی اس گھر والوں کی

دعا قبول ہوتی ہے نیز ان سے برکت اٹھ جاتی ہے۔

(خصال شیخ صدوق)

دعا ہے کہ خداوند عالم تمام اہل اسلام و ایمان کو اس لعنت سے کلی نجات

عطا فرمائے۔ انہ علی کل شئی تدیر۔



۴۔ آتش بازی چھوڑنا: اس رسم بد میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ اس نے اکثر و بیشتر آتش بازی چھوڑنے والوں یا دوسروں

کو جان کا خطرہ رہتا ہے (جس کی کئی شواہد موجود ہیں) اور ارشاد قدرت ہے

لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

(کہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو)

اور دوسری خرابی یہ ہے کہ اس سے بلا مقصد مال و منال ضائع و برباد ہوتا

ہے جو کہ اسراف بلکہ تبذیر کے زمرہ میں آتا ہے جو کہ بالاتفاق حرام ہے

ارشاد قدرت ہے

ان المبدرين كانوا اخوان الشياطين

(کہ تبذیر کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں)

لہذا اس رسم بد کا بھی استیصال ضروری ہے۔

(۵) گانا باندھنا (۶) گھڑی بھرنے (۷) چھوٹی (گھڑی کی ڈھکنی) توڑنا۔

(۸) لوٹاٹھ میں رکھنا (۹) سہرا باندھنا (۱۰) لڑکی والے گھر یا شہر یا محلہ کی لڑکیوں

کا جمع ہو کر گانا بجانا اور فحش حرکات کرنا۔ (۱۱) کھڑے ہو کر کھانا کھانا (۱۲)

شوال کے مہینے میں شادی نہ کرنا۔

یہ سب کی سب ہندوانہ رسمیں ہیں۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے ساتھ ان

کا دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ بموجب

ہر گھر کہ کہتے ہو مسلمان شہر

اب یہ چیزیں نام نہاد اسلامی کلچر کا حصہ بن گئی ہیں ارشاد قدرت ہے

لَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَنَنَسِكُمْ إِلَى النَّارِ ۚ وَالْعَمَلُ السَّيِّئُ

نہ کرو۔ مگر نہ تمہیں جہنم کی آگ چھوئے گی)



اور حدیث قدسی میں وارد ہے کہ خالق حکیم نے اپنے نبی خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا

قُلْ لِعِبَادِي لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا كَلَّ اَعْدَاؤِيْ وَلَا تَلْبِسُوْا مِلَّ اَعْدَاؤِيْ  
وَالَا تَكُوْنُوْا اَعْدَاؤِيْ كَمَا هُمْ اَعْدَاؤِيْ۔

(میرے بندوں سے کہو کہ میرے دشمنوں کے طریقہ پر کھانا نہ کھائیں اور میرے دشمنوں والا لباس نہ پہنیں ورنہ یہ بھی اسی طرح میرے دشمن بن جائیں گے۔)  
(جواہر سنہ در احادیث قدسیہ)

اور بانی اسلام فرماتے ہیں

مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ

(جو شخص اپنے آپ کو کسی قوم کے ساتھ مشابہ کرتا ہے تو وہ اسی قوم کا فرد شمار ہوتا ہے۔)  
(متفق علیہ)

لہذا تمام اہل ایمان کو بالعموم اور ان کی نسل نو کو بالخصوص چاہیے کہ توہمات اور ان پرانی رسومات کو پرکھ کر بلا براہمیت نہ دیں اور یقین رکھیں کہ

وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

صحیح شرعی طریقہ پر شادی بیاہ کریں تاکہ ان پر یہ شعر صادق نہ آئے کہ

۱۔ دُفِعَ بَيْنَ قَوْمٍ هُنَا فِي مَنَاسِكِهِمْ يَسْلَمَانِ هُنَا جَهَنَّمِيَّانِ كَيْفَ تَزْنِي عَاهِدَةٌ

بلکہ ان کو چاہیے کہ یہ نعرہ مستانہ لگا کر کہے

ہم موحّد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم : ملتیں جٹ گئیں اجسزا را ایمان ہو گئیں

تمام غلط رسوم کی بساط الٹ دیں تاکہ ہمیشہ کے لیے حق کا بول بالا اور باطل کا منہ کالا ہو جائے۔ وَ مِنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَ مَا يَدْخُلُهَا نَارُ



حَلِیًّا، اِنْیْهَا وَلَہٗ عَذَابٌ مُّہِیْنٌ ۝

۱۳: وٹہ سٹہ کی شادی اور اس کی خرابیاں: اکثر مسلمان قومن

اور ہمارے ملک کے اکثر علاقوں میں وٹہ سٹہ کی شادی کی قبیح رسم جاری ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہے تو ضروری ہے کہ اس لڑکی کے بدلے اپنے خاندان کی کسی لڑکی (بہن، بیٹی یا کسی رشتہ دار) کی شادی اس لڑکی کے خاندان کے کسی لڑکے (باپ، بھائی یا کسی رشتہ دار) سے کر دے۔ اگر تو اس سلسلہ میں ان لڑکیوں کا عیال کوئی حق مہر مقرر نہ کیا جائے۔ بلکہ یہ اس کے بدلے اور وہ اس کے عوض ہو۔ تو اسے شریعت کی زبان میں ”عقد شغار“ کہتے ہیں جو حرام ہونے کے علاوہ باطل بھی ہے اور اگر ان کا حق مہر الگ الگ مقرر کیا جائے تو گو اس صورت میں یہ عقد ازدواج حرام تو نہیں ہے مگر پھر بھی معیوب ضرور ہے۔ اور کئی قسم کی خرابیوں اور بربادیوں کا موجب ہے مثلاً اس میں یہ ہوتا ہے کہ

(الف) اس رسم بد کی وجہ سے بعض اوقات جوان یا بہت کم سن لڑکیاں بوڑھے مردوں سے بیاہ دی جاتی ہیں یا جوان عورتوں کی شادیاں کم سن بچوں سے کر دی جاتی ہیں۔ اور پھر اس قسم کی بے جوڑ شادیاں ازدواجی زندگی کو ناکام و نامراد بنانے میں جو کردار ادا کرتی ہیں وہ ”عجاں را چہ بیاں کا مصداق ہے۔

(ب) اس رسم بد کا دوسرا تاریک اور تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ اس صورت میں اگر ایک شخص جائز یا ناجائز طریقہ پر اپنی بیوی سے بدسلوکی کرتا ہو یا اُسے طلاق دیدیتا ہے تو دوسرا شخص محض انتقامی طور پر اپنی بیوی سے بدسلوکی کرتا ہے یا اُسے طلاق دیکر اُس کی زندگی کو تباہ کر دیتا ہے اور اگر



وہ کسی وجہ سے ایسا نہ کرے اور نہ کرنا چاہے تو گھڑالوں کی طرف سے اس کے  
ایسا پُر زور مطالبہ کیا جاتا ہے کہ جسے وہ ٹھکرا نہیں سکتا۔  
الغرض سے اس غلط رسم کی وجہ سے دونوں لڑکیوں کی زندگی تباہ ہو جاتی

ہے۔

(ج) اور پھر اس طرح دو خاندانوں میں ایسی مستقل دشمنی کی بنیاد قائم  
ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس رسم بد کا استیصال ضروری ہے۔ بلکہ لڑکیوں اور لڑکوں  
کے رشتے دٹے دٹے کے بغیر مناسب ہوزوں مقامات پر کر دینے چاہئیں۔  
(واللہ الموفق)

بعض قبائل میں نہ مانہ

(۱۲) قیمت لیکن بیٹی یا بہن کی شادی کو نا۔ جاہلیت کی یہ قسم

رسم اب تک جاری ہے کہ اگر کوئی رشتہ کے بدلے رشتہ نہ دے سکے  
تو پھر اس کی اپنی بہن بیٹی کی قیمت وصول کی جاتی ہے جو لڑکی لڑکے کی عمر  
اور شکل و صورت وغیرہ دیگر خصوصیات کو مد نظر رکھ کر کم و بیش ہوتی ہے  
مثلاً جوان لڑکا جوان لڑکی سے شادی کرنا چاہے تو قیمت کم ہوگی  
اور اگر زیادہ عمر کا مرد کسی جوان دو تیرہ سے شادی کرنا چاہے تو قیمت  
زیادہ ادا کرنا پڑے گی۔

وعلیٰ ہذا القیاس! خوب صورت لڑکی کی زیادہ اور بد صورت کی کم اور  
لڑکے میں اس کے برعکس قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ اسی طرح اس کے  
باکرہ یا بیوہ یا مطلقہ ہونے کی حیثیت کو مد نظر رکھ کر اس کی قیمت کا  
تعین کیا جاتا ہے۔

حالانکہ شرعی نقطہ نظر سے آزاد مرد اور آزاد عورت کی خرید و فروخت



مطلقاً حرام ہے لہذا اسلام کے دعویدار اور ایمان کے علمبردار کے لیے اس بُری رسم سے اجتناب کرنا لازم ہے اسی طرح لڑکے والوں سے لڑکی کی شادی کا خرچہ وصول کرنا بھی معیوب رسم ہے جو بعض علاقوں میں جاری ہے۔ جو بالکل نامناسب ہے کیونکہ اس سے جہاں لڑکی والوں کی کینگی ظاہر ہوتی ہے وہاں لڑکے پر بہت زیادہ بوجھ بھی پڑتا ہے جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ لڑکی ایک زر خرید لونڈی سمجھی جاتی ہے اور بیوی شوہر کی لونڈی بن کر رہ جاتی ہے۔ جس کا انجام بد یہ ہوتا ہے کہ اگر اس کا شوہر مر جائے تو اس کی بیوہ کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ متوفی کے بھائی سے لازماً شادی کرے۔

اس طرح متوفی کی دوسری جائداد کی طرح اس کی بیوہ بھی اس کے وارثوں کو مل جاتی ہے۔ اور اگر متوفی کا کوئی بھائی نہ ہو تو پھر اسے کسی کے حوالہ عقد میں دیکر اس کی اپنی ادا کردہ قیمت وصول کر لی جاتی ہے۔ یہ ہے اس رسم بد کا بد انجام اور وہ تھا آغاز۔ جسے ”ویور“ کہا جاتا ہے لہذا اس رسم بد کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔

(۱۵) **قرآن سے شادی کرنا** ذات پات کی غیر شرعی تقسیم اور اپنی ہی ذات میں شادی کرنے میں حد

زیادہ شدت اور مبالغہ آرائی کے غلط نتائج اور بُرے ثمرات کی بدترین مثال قرآن سے شادی کرنے کی رسم بد ہے جو سندھ کے بعض خاندانوں میں جاری ہے کہ اگر انہیں اپنی ذات میں کوئی اچھا لڑکا نہیں ملتا تو پھر اس لڑکی کی شادی قرآن سے کر دیتے ہیں یعنی اُسے باقاعدہ طور پر دلہن بنا کر اور اس کے ہاتھ میں قرآن تھاکر اس کے کہتے ہیں کہ بس تمہاری شادی اب قرآن سے ہو گئی



اپنی عزت و ناموس کی حفاظت تمہارا فرض ہے اس احمقانہ اور جاہلانہ رسم کا ایک تاریک ترین پہلو یہ بھی ہے کہ اگر اس فرضی شادی کے بعد کوئی موزوں و مناسب رشتہ مل بھی جائے تب بھی اس لڑکی کی شادی نہیں ہو سکتی کیونکہ قرآن سے شادی کرنے کے بعد اب کسی انسان سے شادی کرنے کا کوئی امکان نہیں ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس رسم بار میں توہین قرآن کے علاوہ لڑکی پر وہ سخت ظلم ہے کہ جس کی اسلام کسی طرح بھی اجازت نہیں دیتا ہے ہر عقل و دانش باید گریست۔

۱۶: غیر مشروط تعدد ازواج: اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام نے مرد کو مخصوص حکم و مصالح اور مختلف علل

و اسباب کے تحت بیک وقت چار شادیاں کرنے کی اجازت دی ہے مگر اس کو عدل و انصاف کے ساتھ مشروط کرتے ہوئے وضاحت کر دی ہے کہ (وان لم تعدلوا فواحدة) کہ اگر عدل و انصاف نہ کر سکو تو پھر ایک ہی بیوی پر اکتفا کرے۔ مگر افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض نیم مذہبی، کم تعلیم یافتہ طبقوں اور بالخصوص بعض زمینداروں اور ہوس پرست امیروں نے اس شرط کو نظر انداز کر کے تعدد ازواج کو محبوب شغل بنالیا ہے اور پھر ہوتا یہ ہے کہ ایک آدھ کو حکیم دل میں جگہ دے کر دنیا و مافیہا کی خوشیاں اور نعمتیں اس کی گود میں ڈال دی جاتی ہیں اور دوسری بیویوں کے حقوق پامال کر کے ان کو فخری قسمتی پر رولنے دھونے کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے نہ اُن کو طلاق دیکر فارغ کیا جاتا ہے کیونکہ اُس میں وہ اپنی بے عزتی سمجھتے ہیں اور نہ اُن کے حقوق ادا کرتے ہیں کہ وہ اس کو ضروری نہیں جانتے اور چونکہ یہ لوگ معاشرہ میں با اثر ہوتے ہیں اسیلئے اگر اس طبقہ میں کوئی برائی پائی جائے تو اسکی نتائج اور اثرات دور رس



ہوتے ہیں۔ اس بلا وجہ اور بلا عدل تعدد ازواج نے عام عورتوں کو اسلام سے  
اس قدر بدگمان کر دیا ہے کہ اگر نفاذ اسلام کی بات کی جائے تو وہ اس سے  
بدگمتی ہیں۔ حالانکہ اس سلسلہ میں جو کچھ قصور ہے وہ مسلمان کہلانے والے  
مردوں کا ہے اسلام کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔

**۱۴: حرم رکھنا :-** تعدد ازواج کی مشروط اجازت کو مردوں کے اپنا  
غیر مشروط حق سمجھ لینے کے نتیجہ میں معاشرے  
میں جو معاشرتی بُرائیاں پیدا ہوئیں ان میں حرم رکھنے کا رواج بھی ہے  
اُمراء کئی کئی شادیاں کرنا اپنی دولت و امارت کی علامت سمجھتے ہی کتے  
مگر اب تو نوبت بایں جا رسید کہ عرب ممالک کے بعض حکمران اور ہمارے  
پاکستان کے صوبہ سندھ کے بعض دؤیرے صرف چار شادیوں پر اکتفا نہیں کرتے  
بلکہ روپیہ دیگر بعض قبیلوں سے عورتیں خرید لیتے ہیں اور ان کو حرم میں داخل کر  
لیتے ہیں۔ اور بیویوں کی طرح ان سے تمتع حاصل کرنا اپنا نہ صرف حق سمجھتے ہیں بلکہ  
اپنی شانِ امارت کے اظہار کے لیے حرم رکھنا ضروری خیال کرتے ہیں جو کہ کھلم  
کھلا شریعتِ بغاوت ہے اور علانیہ زنا کاری ہے۔  
مگر اسے دولت کی کرشمہ سازی سمجھیے کہ جس اس بدترین برائی کو جواز  
کی سند دے رکھی ہے۔

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

اہلِ علم کا فرض ہے کہ وہ قلم و زبان سے اور اہل قوت طاقت تیر و سنا  
سے اس رسمِ بد کے خاتمہ کے لیے میدان میں نکل آئیں اور اس وقت تک  
آرام و اطمینان کا سانس نہ لیں جب تک اس خلاف شریعت رسمِ بد کو بیخ و  
بُن سے اکھڑ نہ دیں۔ ان تنصروا اللہ فیصرکم و یتبیت اقدامکم۔



۱۸: بچپن کی منگنی یہ درست ہے کہ شریعت مقدسہ نے ولی شرعی (باپ دادا) کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی اولاد کی ان

کے بچپن کی حالت میں منگنی بلکہ ان کا نکاح بھی کر سکتا ہے۔ مگر عام لوگوں نے زندگی کے عام معمولات کی طرح اس سلسلہ میں بھی افراط و تفریط سے کام لیا ہے بعض لوگ تو عائلی قوانین کے تحت نابالغی کی منگنی اور نکاح کو جائز ہی نہیں جانتے۔ اور بعض اس کے جواز میں اس قدر حد سے تجاوز کر جاتے ہیں کہ وہ اس کو اپنی عزت و وقار کا مسئلہ سمجھ لیتے ہیں۔ اور اس کے توڑنے کو گناہ کبیرہ جانتے ہیں اور پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ منگنی کرتے وقت بالعموم لڑکی لڑکے کی عمر کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا مثلاً لڑکی بالکل چھوٹی ہے اور لڑکا بڑا یا لڑکی بڑی ہے اور لڑکا بالکل چھوٹا۔ پھر بعد میں اس کے جو نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ عیاں راجحہ بیاں کے مصداق ہیں۔

اب بعض علاقوں میں اس منگنی کی یہ اہمیت ہے کہ اگر کوئی لڑکا یا لڑکی شادی سے پہلے مر بھی جائے تو لڑکی کی بہن یا لڑکے کے بھائی سے منگنی کر دی جاتی ہے اگرچہ وہ اہل بے جوڑ ہو۔ کیونکہ اگر ان کی منگیت کسی اور گھر میں بیاہ دی جائے تو اس میں وہ اپنی بے عزتی خیال کرتے ہیں۔

اور سندھ کے بعض علاقوں میں تو یہ جاہلانہ رسم جاری ہے کہ اگر منگنی کے دوران لڑکے کا انتقال ہو جائے تو اس کی منگیت بن بیاہی ہو وہ بن جاتی ہے اور پھر وہ عمر بھر عقد ثانی کرنے کی روادار نہیں رہتی۔ اس بڑھ کر لڑکی پر اور کیا ظلم ہو سکتا ہے؟

بچپن کی منگنی میں ہوتا یہ ہے کہ کہیں عمر کا اختلاف، کہیں طبیعت کا اختلاف کہیں تعلیم کا اختلاف (لڑکا ایم اے اور لڑکی کوری جاہل یا اس کے برعکس) کی



بی۔ لے اور لڑکا علم کی ابجد سے نابلد)

لہذا ان حالات میں جو شادیاں ہوتی ہیں وہ اکثر ناکام ہوتی ہیں اور پھر اس کے صرف دو شخصوں کی زندگیاں ہی متاثر نہیں ہوتیں۔ بلکہ دو خاندانوں کے تعلقات پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔ اس لیے اسب یہ ہے کہ ادبیار پشتری حق استعمال نہ کریں اور بچپن میں اولاد کی منگنی کرنے سے گریز کریں بلکہ ان کے سن بلوغت میں قدم رکھنے کے بعد تمام حالات و کوائف کا مکمل جائزہ لینے سے نیز اولاد کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد ان کے عقد و ازدواج کا فیصلہ کریں۔ اور اگر بالفرض بچپن میں منگنی کر بھی دیں اور بعد میں مذکور بالا وجوہ میں سے کسی وجہ سے حالات ناخوشگوار ہو جائیں تو بلا جھجک اس منگنی کو توڑ دیں اور اس طرح اولاد کی زندگی میں زہر نہ گھولیں۔ بلکہ انکی زندگیاں کو تلخ نیوں اور ناکامیوں سے نکال کر ان پر اور خود اپنے ادب پر رحم کریں۔

**اس منگنی سے متعلقہ بعض غلط رسمیں:** پھر اس منگنی پر خاصا سرف

دعوتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے اور گراں قیمت تحفوں کا تبادلہ ہوتا ہے اور بعض ترقی یافتہ گھرانوں میں تو یہ رسم بھی ہے کہ منگنی کے بعد (نکاح سے پہلے) لڑکی لڑکا آپس میں آزادانہ طور پر ملنے لگتے ہیں جس کی دینی و معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اگر ایسا کرنا ہو تو کم از کم منگنی کے ساتھ نکاح بھی پڑھ لیں تاکہ شرعاً ان کا میل ملاپ اور باہمی اختلاط تو جائز ہو جائے۔

(وما علینا الا البسوغ)

۱۹) مابنھا بٹھانا (۲۰) گالا کی رسم (۲۱) وڑ اور سنبھال (۲۲) ویل (۲۳)

مائیاں بٹھانا (یعنی حبس بے جا) (۲۴) چول (۲۵) میل (۲۶) کھارا (۲۷) نیوندا (۲۸)



مٹا کر (۲۹) واگ پھرائی (۳۰) بدیاورا سوئی (۳۱) نانکے مانی (۳۲) دلہن کی  
 رُونمائی (منہ دکھلائی) (۳۳) آرسی مصحف (۳۴) دولہا کا سلامی لینا اور نام پڑھنا  
 سے بے پردگی اور بے حیائی کی باتیں کرنا (۳۵) نوشہ کو گھر بلانا اور چوکی پر کھڑا کر کے  
 دھانیاں کا حق لینا (۳۶) برات کا اہتمام (۳۷) برات کی رانگی سے پہلے دولہا کا  
 کسی مشہور قبر یا کسی سترک جگہ پر حاضری دینا اور چڑھاوا چڑھانا (۳۸) مٹکلاوا (۳۹)  
 بن بلانے برات اور کھانے میں شامل ہونا (۴۰) دلہن کی رخصتی کے وقت دلہن کو  
 پالکی یا ڈولی میں بٹھا کر بڑے اہتمام سے باپ بھائی کو بلا کر ملا تھک پھیرنا اور اس  
 موقع پر عورتوں کا رونا (۴۱) کسراں پہنچ کر دلہن کا پلو پکڑنا اور حسبِ خواہش  
 مطالبہ پورا کرنا (۴۲) دولہا والوں سے کمیوں کا حق لینا (۴۳) دولہا والوں سے  
 برادری کا کھانا لینا (۴۴) کسراں پہنچنے پر بہو کی گود میں بچہ بٹھانا وغیرہ وغیرہ -  
 یہ سب غیاسِ اسلامی رسمیں ہیں جن کی ادائیگی پر نہ صرف یہ کہ دقت، کا ضیاع  
 ہوتا ہے بلکہ دولت کا بھی ضیاع ہوتا ہے اسلئے جتنا جلد ممکن ہو ان فضول  
 رسموں سے بچھٹکارا حاصل کرنا چاہیے تاکہ ہماری شادیاں شرع شریف کے  
 عین مطابق انجام پاسکیں اور ہر قسم کے غلط رسم و رواج سے منترہ اور مبتلا ہو  
 جائیں کیونکہ

ہم موقد ہیں ہمارا کیش ترکِ رسوم : ملتیں جب گئیں اجزا یر ایمان ہو گئیں

بہر نوح ے

گر نیا یر جو کوشِ حقیقت کس : پیرِ سولاں بلا ضابطہ و لبس

۴۵: متحرک فلمیں بنانا : اسراف بلکہ تبذیر کی ایک شکل متحرک فلمیں (مُودِی)  
 اور فوٹو ہیں جو معمول گھرانوں میں شادی کی جڑی لانیفک  
 سمجھی جاتی ہیں اور ان کے اہم تیار کر کے دونوں گھرا ایک دوسرے کو پیش کرتے



ہیں۔ اس رسم بد میں قطع نظر فوٹو گرافی کے جواز و عدم جواز کے سب سے بڑی حجت یہ ہے کہ اس میں دلہن اور اس کے خاندان کی دوسری خواتین اور سہیلیوں کے۔ اسی طرح دولہا اور اس کی رشتہ دار خواتین اور مردوں کے فوٹو بھی لئے جاتے ہیں۔ جن کو سب محرم اور نامحرم دیکھتے ہیں اور پھر یہ فوٹو گرافر بھی بالعموم مرد ہوتے ہیں جو عورتوں کے مجمع میں گھومتے ہوتے ہیں جو نہ صرف باعث تنگ و عار بات ہے بلکہ کھلی ہونٹی بے غیرتی ہے۔ جس سے اجتناب لازم ہے۔

۴۶: آرائش جمال میں اسراف :- اسلام میں جو کہ دین فطرت ہے زیب و زینت اور آرائش حرام نہیں ہے

بلکہ بعض مقامات پر مستحسن ہے مگر ایک تو محل بے محل کا لحاظ ضروری ہے۔ دوسرے ہر چیز کی طرح یہاں بھی اعتدال ضروری ہے مگر عصر جدید کی تہذیب نے اس کو نئی نئی شکلوں میں پیش کر کے نسل نو کو تباہ کر دیا ہے اور پھر ستم یہ ہے کہ اس سامان آرائش میں وہ چیزیں بھی شامل ہیں جو عباد خدا بالخصوص طہارت اور نماز میں خلل انداز ہیں جیسے ناخن پالش کہ اس کی موجودگی میں نہ وضو درست ہے اور نہ غسل کیونکہ وہ جرم دار ہے (جو پانی کو جسم تک نہیں پہنچنے دیتی) اور ظاہر ہے کہ اگر وضو و غسل غلط ہو جائے تو اس سے نماز رخصت ہو جاتی ہے۔

پھر بعض چیزیں ایسی ہیں جن کے اجزاء ترکیبی میں ”الکحل“ جیسی اشیاء شامل ہیں جو بار بار مشہور نشہ آور ہونے کی وجہ سے نجس بھی ہے اور حرام بھی اور یہی حال ہونٹ پالش وغیرہ کا ہے اس کا دوسرا غلط پہلو یہ ہے کہ شرعی نقطہ نظر سے عورت اپنی زینت کو صرف شوہر یا اپنے محارم پر ظاہر کر سکتی ہے مگر تہذیب جدید نے یہ اسلامی اقدار اس طرح بدل دیے ہیں کہ اب تو عورتیں بناؤ سنگا



کرتی ہیں نامحرموں کو دکھانے کے لیے ہیں جو قطعاً خلاف شریعت ہے۔ پھر شادی بیاہ میں صرف یہی نہیں کہ اس کے دولہا کے لباس اور سہرا بندی اور لہن کی آرائش پر بے دریغ دولت لٹائی جاتی ہے۔ اور صرف دو خاندان متاثر ہوتے ہیں بلکہ وہ تمام عورتیں اور لڑکیاں جو اس تقریب میں شامل ہوتی ہیں وہ بھی اپنی آرائش نئے لباس کی تیاری، بالوں کے بنوانے کٹولنے پر پانی کی طرح روپے بہاتی ہیں اور اپنے والدین یا شوہروں کی مالی حالت کا بھی لحاظ نہیں کرتیں۔ اب تو مغربی تہذیب کی تقلید و باکی طرح اس طرح پھیل رہی ہے کہ کنواری لڑکیاں بھی شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر شادی شدہ عورتوں کی طرح آرائش جمال کی چیزیں استعمال کر رہی ہیں۔

الغرضے! جدید تہذیب نے مشرقی اور اسلامی قدروں کو بالکل پامال کر دیا ہے۔ لہذا اس رجحان کی حوصلہ شکنی ضروری ہے تاکہ معاشرہ کو مزید تباہی سے بچایا جاسکے نیز یہ رنگ برنگے قیمتی دعوت نامے بھی اُسی سرف کے زمرے میں آتے ہیں جبکہ یہ کام سادہ دعوت ناموں سے بھی لیا جاسکتا ہے (واللہ الموفق)



# شادی بیاہ کے موقع پر بعض مستحسن امور کا تذکرہ

۱۔ نو شاہ کا لباس فاخرہ پہننا۔ متعدد اخبار و آثار سے واضح

محمد علیہم السلام نے شادیوں کے موقع پر لال نیلے اور پیلے الغرض رنگ رنگے لباس زیب بدن کیے ہیں اور لوگوں کے تعجب کرنے یا سوال کرنے پر فرمایا کہ ہم نے تازہ شادی کی ہے۔ (وسائل الشیخہ، بحار الانوار وغیرہ)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خوشی کے اس موقع پر دولہا کے لیے لباس فاخرہ پہننا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحسن بھی ہے۔ بعض آثار میں مرد کو اپنی بیوی کے لیے اسی طرح زینت کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس طرح بیوی کو شوہر کے لیے زینت کرنے کا حکم ہے بشرطیکہ وہ زینت ایسی نہ ہو جو مرد کے لیے حرام ہے جیسے ریشم کے کپڑے اور سونے کی انگوٹھی وغیرہ۔

۲۔ دولہن کو بنانا سنوارنا۔ یہ بات بھی شرعاً درست ہے کہ دولہن کو بنایا سنوارا جائے، اسے غطریات لگائے جائیں اور قیمتی لباس پہنایا جائے۔

الغرض اسے ہر قسم کی زیب زینت سے آراستہ کیا جائے چنانچہ متعدد روایات میں وارد ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کی شادی خانہ آبادی کے مقدس موقع پر ایسا کیا گیا تھا۔ (عاشق بحار وغیرہ)



۳۔ اپنی قوم و قبیلہ کی اور دیگر عورتوں کا دلہن کے وقت عورتوں کا دلہن کے پہلے اور خستی

کے پاس جمع ہونا

کے پاس جمع ہو کر خوشی کا

اظہار کرنا، مختصر یہ رجز پڑھنا، اور خدائے عز و جل کی کبریائی بیان کرنا اور لگا حد و ثنا کرنا بھی جائز ہے بشرطیکہ ایسا کوئی کلام نہ کریں جس سے خدا ناراض ہو جیسا کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب سیدہ کی شادی کے وقت

دختران عبدالمطلب اور زنان مہاجرین و انصار کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا (وسائل وغیرہ)

اس بات کا جواز بھی اسوۂ رسول سے ثابت

۴۔ جملہ عروسی کو آراستہ کرنا۔

ہے کہ ان کے حکم کے مطابق جناب سیدہ

(عاشورہ و غیرہ)

کی عروسی کے وقت ایسا کیا گیا تھا۔

گو اس موقع پر اس کا کوئی خصوصی حکم

تو نہیں ہے مگر عام حالات میں

۵۔ دولہا دلہن کو مہندی لگانا:

ائمہ اطہار کا مہندی لگانا ثابت ہے اور احادیث میں اس کے فضائل و فوائد

بھی مذکور ہیں لہذا اگر شادی کے موقع پر بھی مہندی لگائی جائے تو اس

میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کی زینت ہے جو اس تقریب کے تزیین و شرف کا موجب ہے مگر آج کل بظاہر اس

جو رسم کو اس قدر غلط رنگ میں رنگ دیا گیا ہے کہ وہ اسراف کے زمرہ میں آجاتی ہے اور

اس تقریب کی ادائیگی پر مالدار طبقہ اس قدر دولت برباد کرتا ہے جس سے ایک غریب بلکہ متوسط

گھرانے کی بھی شادی ہو سکتی ہے اس طرح یہ رسم اب ان رسوم میں داخل ہو گئی ہے جن کا قلعہ قمع کرنا

۱۶۔ دلہن پر نثا کرنا۔

کھجور یا بادام وغیرہ یا روپیہ پیسہ جو دلہن پر

نثار کیا جاتا ہے اگرچہ اس کا جواز و عدم

جواز کے متعلق فقہاء میں فی الجملہ اختلاف ہے مگر بعض آثار سے اس کا جواز

(عاشورہ و غیرہ)

مترشح ہوتا ہے



بہر حال اس موقع پر بطور صدقہ و خیرات غریب و مساکین کو حسبِ توفیق کچھ دینا پسندیدہ فعل ہے اور خدا و رسولؐ اور ائمہ ہدے کی خوشنودی کا باعث ہے۔

۷: مردوں غورتوں کے لیے دعوتِ ولیمہ کرنا۔ یہ چیز نہ صرف جائز ہے بلکہ پانچ مقامات پر دعوت

ولیمہ مستحب ہے ان میں سے ایک مقام شادی بیاہ ہے۔ اور دعوتِ ولیمہ ایک دن سنت دوسرے دن مکرمات اور اس کے بعد ریاکاری ہے (خصال شیخ صدق)

۸: مبارک باد دینا۔ اس تقریبِ سعید کے موقع پر مبارک باد پیش کرنا۔ اور زوجین کے لئے خیر و برکت میں اضافہ و ازدیاد کی دعا کرنا نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ سنت ہے۔ (وسائل الشیعہ)

خداوند عالم تمام اہل ایمان کو ایسے مواقع ہمیشہ نصیب کرے اور مبارک و سعادت فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آئیں باد  
رحمہ اللہ من قال آمینا آمین یا رب العالمین بجا والبنی و آلہ  
الطاہرین۔

باقی رہیں عقد و ازدواج کی باقی تفصیلات کہ کس قسم کی وضاحت: غورتوں سے شادی کرنی چاہیے اور کس نہیں؟

صغیر و کبیر کے عقد کے احکام کیا ہیں؟  
صیغہ ہائے عقد کی تفصیل کیا ہے؟ حقوقِ ازدواجین کیا ہیں؟ زحاف و



مشرت کے احکام و آداب کیا ہیں ؟ وغیرہ وغیرہ  
 یہ باتیں معلوم کرنے کے لیے اس قسم کے کسب و آداب والی مخصوص کتابوں  
 جیسے علامہ مجلسی کی حاشیہ المتقین یا فاضل مامقانی کی سراج النبہ وغیرہ  
 یا اس اتم اتم کی قوانین الشریعہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔  
 اس مختصر کتاب اصلاح الر میں ان تفصیلات کی نہ گنجائش ہے اور نہ ہی  
 کتاب کا موضوع ان تفصیلات کے بیان کرنے کی اجازت دیتا ہے کمالا کفی

من آنچه سرالایح است یا تو میگویم  
 تو خواه از شمع منم پند بگیر خواه ملال  
 قد جاءكم بصائر من ربكم فمن ابصر فلنفسه ومن  
 عوى فعليهما۔



## چھٹا باب

### اُن غلط رسموں کا بیان جو ولادت و ولاد سے متعلق ہیں۔

شادی خانہ آبادی کے بعد ہر جوڑے اور اس کے لواحقین کی یہ دلی آرزو ہوتی ہے کہ خداوند عالم انہیں دولتِ اولاد سے (بالخصوص اولادِ زینہ) کا نعمت سے نوازے۔ یہ وہ جائز اور فطری خواہش ہے کہ انبیاء و مرسلین اور ائمہ طاہرین بھی اس سے مستثنیٰ نظر نہیں آتے۔ بلکہ وہ بھی اپنے حقیقی مالکِ خالق کی بارگاہ میں گڑ گڑا کر حصولِ اولاد کی دعائیں مانگتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ

اور حقیقت الامر بھی یہی ہے کہ اولاد (بالخصوص اگر صالح ہو تو) منعمِ حقیقی کی بڑی نعمت ہے۔ زندگی دنیا کی رہنمائی اس کی چمک دکھ گھر کا سکون اور اس کی رونق اولاد کے وجود سے وابستہ ہے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے۔

الْعَالُ وَالْبَنُوْنَ زِينَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

جس گھر میں اولاد نہیں ہے وہاں اندھیرا ہی اندھیرا ہے کوئی چراغ نہیں ہے۔ خداوند عالم تمام اہل ایمان کو یہ دولت نصیب فرمائے مگر اتنی بڑی دولت کے عطیہ پر بھلے اس کے واہب العطا کا شکر ادا کیا جائے



تاکہ وہ اس عطا و بخشش میں مزید اضافہ فرمائے (جیسا کہ اس کا وعدہ ہے  
لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ) بالعموم ہوتا یہ ہے کہ ایسے مواقع پر اللہ کفرانِ نعمت  
کر کے خالق کو ناراض اور اس کے ازلی دشمن شیطان کو خوش کیا جاتا ہے  
اس تقریبِ سجد میں گونا گوں قسم کی ایسی غلط رسمیں انجام دی جاتی ہیں جن کا اسلام  
سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مگر قبل اس کے کہ ان غلط رسموں کا تذکرہ کر کے ان سے اجتناب  
کرنے کی تلقین کی جائے۔ انسب یہ ہے کہ حسبِ سابق یہاں بھی پہلے ان  
مستحبی امور کا تذکرہ کر دیا جائے جو نعمتِ اولاد ملنے پر بجالانے چاہئیں اور  
اور وہ یہ ہیں۔

## ولادتِ اولاد کے بعد امورِ سنونہ کا بیان

(۱) ولادت کے بعد مولود کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں  
اقامت کہی جائے تاکہ ایک تو بچے کے تحت الشعور میں عقائدِ حقہ اسخ ہو  
جائیں اور دوسرے وہ اس کی برکت سے شرِ شیطان سے محفوظ رہے۔  
(۲) نہرِ فرات کے اس پانی جس میں خاکِ شفا کی آمیزش ہو مولود کا  
تالو ابھارا جائے اور اگر آبِ فرات نہ ملے تو پھر آبِ باران سے یا کسی بھی  
ایسے خالص پانی سے جس میں کھجور یا شہد کی آمیزش ہو ابھارا جائے کہ اس  
عمل کی برکت سے بچہ محبِ اہل بیت ہوگا اس عمل کو ”گھٹی“ دینا کہتے ہیں۔  
(۳) مولود کو غسلِ ولادت دیا جائے تاکہ اسے لطافتِ نزاہت حاصل

ہو۔

(۴) ولادت کے بعد کوئی عمدہ سا نام تجویز کیا جائے روایاتِ اہل بیتؑ



کے مطابق افضل الاسماء وہ ہیں جن سے خالق کی معبود ابد اپنی بندگی ظاہر ہوتی ہو  
جیسے عبد اللہ، عبد الخالق، عبد الرزاق، عبد المجید وغیرہ۔ اور اصدق الاسماء وہ ہیں  
جو انبیاء و ائمہ کے نام پر ہوں

**ایضاح:** مخفی نہ ہے کہ سنت یہ ہے کہ ہنوز بچہ شکم مادر میں ہو تو اس کا  
کوئی مشترکہ سا نام رکھ دیا جائے جو لڑکی اور لڑکے دونوں  
پر چسپاں ہو سکے اور کسی لاحقہ سے مخصوص ہو جائے۔

جیسے شمیم، نسیم، کریم، منور اور مصور اور حشمت و شفقت و فرحت  
وغیرہ تاکہ اگر بچہ ساقط بھی ہو جائے تو بے نام نہ ہو۔ لال البنۃ ولادت  
کے ساتویں دن یہ نام تبدیل بھی کیا جاسکتا ہے۔

(۵) مولود کی ولادت پر ہدیہ مبارک باد پیش کیا جائے جس میں واسطے  
شکریہ کے ساتھ سو ہو کے بابرکت ہونے کی دعا کی جائے۔

**ساتویں دن کے مستحبات:** (۱) باضابطہ طور پر سابقہ طریقہ نکار کے  
مطابق نام رکھا جائے۔

(۲) مولود کا سر منڈوا یا جائے اور حسبِ توفیق بالوں کو سونا یا چاندی سے  
تول کر دہ سونا یا چاندی بطور صدقہ غریبار کو دیا جائے۔

**۳: عقیقہ کیا جائے:** افضل یہ ہے کہ عقیقہ کے جانور میں قتر بانی والے  
جانور کے شرائط کو مد نظر رکھا جائے اور اجنبی

انجبار کے مطابق بہتر یہ ہے کہ نہ کہے لے نہ اور مادہ کے لیے مادہ جانور  
ذبح کیا جائے۔ اور گوشت تقسیم کرنے کی بجائے افضل یہ ہے

کہ گوشت پکا کر اور کم از کم دس اہل ایمان کو کھلایا جائے البتہ جس قدر زیادہ  
ہوں زیادہ بہتر ہے۔



۳: ختنہ کیا جائے اور اگر کسی وجہ سے اس دن اس کا اہتمام نہ کیا جاسکے تو بلوغت تک شرعی ولی پر ختنہ کا انتظام

کرنا مستحب ہے اور بلوغت کے بعد خود مکلف پر واجب ہے۔

ختنہ کے موقع پر پھر ضیافت کا اہتمام کرنا سنت ہے جو کہ ایک دن

۱۵ سنت دو دن مکرمات اور تیسرے دن ریا و جمعہ ہے۔ متعدد احادیث

میں وارد ہے کہ ”ولیمہ“ پانچ چیزوں میں سے ہے۔

(۱) شادی کے وقت (۲) ولادت (عقیقہ) کے وقت (۳) ختنہ کے

وقت (۴) نیا مکان بنانے یا خریدنے کے وقت (۵) سفر حج سے واپسی

کے وقت۔ (خصائل صدوق و وسائل الشیعہ وغیرہ)

لہذا بطور شکرانہ نعمت ایزدی اس مقام پر دعوت کا اہتمام کر کے

ایمانی برادری کو پیٹ بھر کر کھانا کھلانا چاہیے۔ اور ہر دعوت میں غرباء و...

مساکین کو مقدم سمجھنا چاہیے۔ تاکہ جن کو گھر گوشت میسر نہیں ہوتا اس

بہانے انکو گوشت کھانے کا موقع مل جائے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے

کہ اس قسم کی ضیافتوں کے اہتمام سے جہاں اہل ایمان کے درمیان مہر و

محبت کے رشتہ کو بڑھانا مطلوب ہوتا ہے وہاں سب سے زیادہ غرباء و

و مساکین کی شکم پُری کرنا مقصود ہوتی ہے۔

جیسا کہ ان موضوعات پر نگاہ رکھنے والے بالغ النظر حضرات پر حقیقت

پوشیدہ نہیں ہے نیز دعوتِ لیمہ میں اپنی استطاعت کا لحاظ رکھنا

ضروری ہے۔ اگر استطاعت نہ ہو تو قرضہ لے کر ولیمہ کرنا کوئی دانش

مندی نہیں ہے۔ بلکہ اگر استطاعت موجود بھی ہو تو بھی اتنا خرچ نہیں کرنا

چاہیے کہ اسراف کی حد میں داخل ہو جائے۔ جیسا کہ عام طور پر بارات کے



کھاتے اور دعوت ولیمہ میں مختلف انواع و اقسام کے کھاتے تیار کرتے ہیں۔  
 سے تیار کیے جاتے ہیں اور یہ خرچ کیا جاتا ہے۔ کئی اہل حق تو اس قسم کے مواقع  
 پر صرف تمام دھنوں اور کھجور کے وقار کی خاطر اس قدر قرض کے ذریعہ ہوجاتے  
 ہیں کہ زندگی بھر اس بوجھ سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ حالانکہ عقلمندی یہ ہے  
 کہ پاؤں پھیلانے سے پہلے اپنی چادر دیکھ لی جائے۔

تربیت اولاد کے

۱۱: ماں کو چاہیے کہ بچہ کو اپنا دودھ پلائے

جو بہت ضروری ہے کہ ماں کو چاہیے کہ بچہ کو اپنا دودھ پلائے  
 تہی تہذیب میں مصنوعی دودھ پلاتا ایک قیشتن بن گیا ہے جسے اگر ملک اور  
 حلال بھی تسلیم کر لیا جائے جیکہ مغربی ممالک سے درآمد کیا جاتا ہے دودھ  
 بہر حال مشکوک ہوتا ہے۔ تمام پرورش کی سبک ایتم بات بچے کی غذا ہے  
 جو قدرت کی طرف سے ماں کے دودھ کی شکل میں بچہ کو فراہم کی گئی ہے۔  
 یہ کہہ کر بچہ کو اس محروم رکھنا کہ دودھ پلانے سے جسم کی خوب بڑھتی  
 میں فرق پڑتا ہے۔ کفران نعمت ہے ادلا تو اس کو فی فرق نہیں  
 پڑتا۔ اور اگر تائیا پڑے بھی تو پڑا تو خوب صحت کی بھر پور قربان کی جاسکتی  
 ہے۔ دودھ کا اثر نہ صرف یہ کہ بچہ کی صحت پر پڑتا ہے بلکہ اس کے  
 اخلاق و اطوار اور سیرت و کردار پر بھی پڑتا ہے کسی لیے شرع مقدس  
 میں دودھ پلانے والی عورت کے اخلاق و کردار پر پڑتا ہے اور دیا گیا ہے اور  
 پھر دودھ پلانے میں وقت کی پابندی کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔  
 بہتر ہے کہ ماں یا طبیارت جو کہ دودھ پلائے۔ بعض کتابوں میں مذکور  
 ہے کہ حضرت علامہ مجلسی کی والدہ صاحبہ نے انہیں کبھی طبیارت کے بغیر



دودھ نہیں پلایا تھا (قصص العلماء) اس پاکیزہ تربیت کا اثر تھا کہ آسمان علم و فضل کا وہ آفتاب عالم تاب بن کر چمکا کہ جس کی ضیا پاشیوں سے پورا کُرد ارض مستنیر و مستفیض ہو رہا ہے۔ سچ ہے

”کہ ماں کی گود نر بیت کا پہلا گہوارہ ہوتی ہے“

**بچوں کی نگہداشت خود کرنی چاہیے:** کھاتے پیتے گھرانے بچوں کی پرورش نیکروں یا

نیکرانوں کے سپرد کر دیتے ہیں جو کسی طرح بھی درست نہیں ہے بالعموم ان لوگوں کے خصائل و شمائل اچھے نہیں ہوتے تو اگر ان کی تربیت ان کے سپرد کر دی گئی تو ان کی غلط عادتیں ان میں سرایت کر آئیں گی اور پھر ان بچوں سے اعلیٰ اخلاق و اطوار کی توقع نہیں کی جاسکے گی اسلئے والدین کو چاہیے کہ بچوں کی تربیت و پرورش خود کریں اور غدی سے ان کی نگہداشت کریں تاکہ بچے بڑے ہو کر اعلیٰ اخلاق و کردار کے مالک بن سکیں۔

**بے جالاڈ پیار اور خطرناک کھیل سے اجتناب** بے شک بچہ سے محبت کرنی

چاہیے جو کہ ایک فطری تقاضا ہے۔ مگر ہر چیز کی طرح اس محبت اور پیار میں بھی اعتدال کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ حد سے زیادہ محبت جیسے بے جالاڈ پیار کہتے ہیں۔ مناسب نہیں ہے اس بچے خراب ہو جاتے ہیں اور اچھی عادتوں اور خصلتوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اولاد سے سچی محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ بچہ کی جائز ضروریات پوری کی جائیں۔ اس کی تعلیم و تربیت

کا اچھا انتظام کیا جائے۔ اسے اچھی خصلتوں کا عادی بنایا جائے نہ یہ کہ وہ غلط کام کرے تو اس کی حوصلہ افزائی کی جائے، وہ بری حرکتیں کرے تو



اسے شاباش دی جائے وہ لوگوں سے لڑے بھڑے، جھوٹ بولے، سگریٹ نوشی کرے یا اس قسم کے غلط کام کرے تو اسے آفرین کہی جائے اس کے بچوں کا مستقبل تباہ ہو جاتا ہے اور کردار خراب اور برباد لہذا ضرورت ہے کہ بڑی حکمت عملی سے تربیت کا فرض ادا کیا جائے اگرچہ کھیلنا کودنا بچہ کی صحت کے لیے ضروری ہے مگر خطرناک کھیلوں جیسے آتش بازی، پتنگ بازی اور بائیر بازی وغیرہ خطرناک کھیلوں سے اسے باز رکھا جائے جس سے جان کا نقصان ہوتا ہے اور مال کا بھی زیاں۔

## ۱۴: فحش رسالوں اور تحریروں کا حراز

جدید تہذیب کے کڑوے پھلوں میں سے جو سب سے

زیادہ کڑوا پھل ہے (مگر بظاہر میٹھا معلوم ہوتا ہے) وہ فحش ادب ہے۔ جس کی رسالوں، تصویروں، فلموں، ڈراموں، گانوں، وی سی آر اور رقص و سرود کے منظروں کی شکل میں ملک کے اندر بھرا ہو گئی ہے۔

بالخصوص بیرون ملک سے آیا ہوا مواد زیادہ خطرناک ہے جس کی نسل نو جنسی بے راہروی کا شکار ہو رہی ہے اور ان کے اعلیٰ اخلاق تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ اس سیلابِ بلا کے سامنے بند باندھنے کی اشد ضرورت ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس قسم کے لڑیچہ اور مواد کے پڑھنے پڑھانے اور دیکھنے دکھانے پر سخت پابندی عائد کی جائے اور گھروں میں ایسے مواد کا داخلہ ممنوع قرار دیا جائے۔ بلکہ عدالت کو توفیق دے تو اس قسم کے مواد کی درآمد۔ برآمد۔ طباعت و اشاعت اور فروخت بلکہ رکھنے پر پابندی عائد کر دے تاکہ فتنہ و فساد کی بنیاد ہی ختم ہو جائے۔

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں + نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے



صحبت کا اثر ایک ناقابل انکار حقیقت  
**بُری صحبت سے اجتناب:** (۱۵)

صحبت صالح ترا صالح کُند      صحبت طالح ترا طالح کُند  
 اس لیے اولاد کے اچھے مستقبل اور بابر دار بننے کے لیے ضروری ہے  
 کہ ان کو بُرے افراد کی صحبت و ہم نشینی سے روکا جائے۔ تاکہ وہ ان کے  
 ساتھ میل جول نہ رکھیں۔ بلکہ اچھے اور شریف لوگوں کی صحبت اختیار کریں  
 اس سلسلہ میں ان کی خلوت و جلوت کی دیکھ بھال ضروری ہے نیز  
 ان کی اخلاقی تعلیم و تربیت کا اہتمام بھی اشد ضروری ہے واللہ الموفق والہین  
 علی الصراط المستقیم۔

المعرض والدین کا  
**تعلیم و تربیت میں اسلامی نظام کا اہتمام** (۱۶)  
 شرعی اور اخلاقی

فریضہ ہے کہ وہ صغیر سنی میں اولاد کی تعلیم و تربیت کا شرعی پہنچ و طریقہ  
 پر اہتمام کریں یعنی پہلے اسے اصول و فروع کی تعلیم دیں جب بچہ سات  
 سال کا ہو جائے تو اسے نماز پڑھنے کا ذیاباتی حکم دیں اگر پابند ہو جائے تو قیام  
 روزہ دسویں سال میں اسے ماہ کو نماز پڑھائیں۔

اسی طرح اسے روزہ رکھنے کی اس طرح مشق کرائیں کہ پہلے پُر  
 دن کا پھر پُر دن کا بالآخر پُر دن کا۔ تاکہ جب بچہ بلوغت کے  
 سن و سال میں قدم رکھے تو پابند شریعت بن چکا ہو۔

الغرض سے اولاد کی تعلیم و تربیت کے بعد دیکھ بھال اور نجات  
 پر راحت اسلامی اصولوں کے مطابق کی جائے۔ اسی طرح انہیں مکالم  
 اخلاق کی تعلیم دی جائے کیونکہ اولاد کا عمدہ نام رکھنا انہیں لکھنا پڑھنا سکھانا



اور بلوغت کے بعد جلد شادی کا انتظام کرتا۔ والدین کے ذمہ اولاد کے تیار کی  
حقوق میں سے ہے تاکہ بڑا ہو کر اگر لڑکا ہے تو وہ حسنین شریفین کا حقیقی غلام  
اور اگر لڑکی ہے تو وہ خباب سیدہ طاہرہ کی پتی کنیز ثابت ہو۔ اور وہ اپنے  
خاندان اور اسلام کے لیے نیک نامی کا باعث بنے اور ان کے لئے  
باعثِ ننگ و عار نہ بنے۔

وَاللّٰهُ الْمَوْفِقُ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ كَمَا تَقْسِمُ بِهِ الْأَنْفُسُ  
نَارًا ذَا قُودٍ هَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۝

اس موقع اسلامی

داعیاتی برادری میں

## ولادت اولاد کے وقت غلط رسموں کا تذکرہ

بہت ہی غلط رسوم رائج ہیں جن میں سے بعض کا ذیل میں تذکرہ کیا جاتا ہے  
اس موقع پر جو کھاتے پیتے گھرنے  
۱۔ قصہ سردی کی محفلیں جمانا  
ہیں۔ بعد قصہ سردی اور گانے بجانے

کا اہتمام کر کے روحِ ابلیس کو خوش کرتے ہیں اور جو غریب نادار ہیں وہ بھی  
اگر اور کچھ نہ کر سکیں تو ڈھول تو خوب پٹواتے ہیں جو قطعاً فعلِ حرام اور باعثِ  
قہر و غضبِ خالقِ دو جہاں ہے چونکہ اس کی حرمت اور دیگر قیاحاتوں کا  
تفصیلی تذکرہ سابقہ اوراق میں شادی کی غلط رسوم کے بیان میں کیا جا چکا ہے  
اسلئے یہاں اس کے اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔ میرا نوع اس  
قسم کی ناشائستہ حرکتوں سے اجتناب واجب لازم ہے۔

تذہیم خویش موالیان اللہ علیہم  
اپنے بچوں کی سر تراشی کھاتے

## ۲: بزرگوں اور بیروں کے نام پر لٹیں رکھواتا

وقت ان کے سروں پر لٹیں چھوڑ دیتے ہیں۔ جنہیں چند سالوں کے بعد



اپنے پیروں سے یا بعض بزرگوں کے مزارات پر جا کر کٹواتے ہیں۔ ان کا یہ فعل ہرگز اسلامی نہیں ہے۔ بلکہ سراسر غیر اسلامی ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا کہ اپنے بچوں کے لیے قزع نہ بناؤ۔ قزع کے معنی ہیں ایک جگہ چھوڑ کر باقی سر مونڈنا۔ سنیز انہی خناب سے منقول ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک ایسے بچے کو بغرض دُعا لایا گیا جس کے سر پر لٹیں تھیں تو آپ نے اُس وقت تک اس کے حق میں دُعا نہیں فرمائی جب تک اس کا پورا سر نہیں منڈوایا گیا۔ (وسائل الشیعہ جلد المتقین)

ایک اور روایت میں وارد ہے کہ آنحضرت نے ایک لڑکا دیکھا جس کے سر کا کچھ حصہ منڈا ہوا تھا اور کچھ بچا ہوا تھا تو آنحضرت نے اس کے سر پر ہاتھوں کو اس سے منع فرمایا اور حکم دیا کہ اس کا سارا سر منڈوا دیا سارا رہنے دو

(ابوداؤد)

ان سے حقائق کی روشنی میں روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو گیا کہ شریعت مقدسہ اسلامیہ میں لٹ رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ بلکہ یہ رسم بدھندؤں کے سادھوؤں سے ماخوذ ہے۔ فاضل بریلوی نے بھی اسے حرام اور بدعت قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو الملفوظ حصہ دوم ص ۱۱۱ نیز فتاویٰ افریقہ ص ۶۸ اور مجمع البحرین)

تو جب اس فعل کا جواز ہی ثابت نہیں تو پھر اس سے متبرک سمجھ کر بزرگوں کے مزاروں پر یا پیروں کے ہاتھوں سے اس کے کٹوانے کا کیا جواز ہے؟ اور اگر کوئی حیلہ جو شخص بچہ کی نابالغی کا عذر پیش کر کے اسے جائز ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرے تو اس کے کہا جائے گا کہ اگر بچہ نابالغ ہے اور غیر



مکلف تو اس کے سرپرست اور بزرگ تو بالغ اور مکلف ہیں یہ انکی شرعی تکلیف اور ذمہ داری ہے کہ ہرگز ایسا نہ کریں۔

اسلام میں پیری مریدی کا کوئی تصور نہیں ہے جب یہاں ضمنی طور پر یہ ذکر

آگیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اس موضوع پر قدرے تبصرہ کر دیا جائے تو واضح ہو کہ جب اسلام میں (بالخصوص نہ مہیب اہل بیت میں جو اسلام کی حقیقی تعبیر تفسیر کا دوسرا نام ہے) اس نام نہاد پیری مریدی کا کوئی جواز بلکہ کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ تو اس کے لوازمات کا جواز کہاں سے پیدا ہوگا؟ یہ چیز قرون وسطی کے صوفیوں کی من گھڑت اصطلاح ہے جو کہتے

ہیں

بے پیر مرد تو درخوایات - ہر چند سکندر زمانی

اور ان کے ہاں اس پیر کے کئی مراتب ہیں (۱) شیخ (۲) پیر (۳) دل (۴) مُرشد (۵) قطب (۶) اور قطب الاقطاب (کتاب البدعة والتحرّف) یہ تصوف (یا عرفان) اسلام کی سرزمین میں ایک اجنبی پودا ہے اور ہندو، یہودی اور عیسائی تعلیمات کا ملغوبہ ہے۔

اسی بنا پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا الصوفیۃ کلّہم دمن

اعدائنا و طریقہم مبائنة لطریقتنا۔ (حدیث سلطانیہ)

”سب صوفی ہمارے دشمن ہیں اور ان کا طریقہ ہمارے طریقہ کے خلاف ہے“

حقیقت الامر یہ ہے کہ تصوف کی ایجاد و اختراع ائمہ اہل بیت کے خلاف

بنی اُمیہ کی ایک گہری سازش کا نتیجہ ہے تاکہ ملحدی اقتدار پر قبضہ کرنے کے بعد

ان کے روحانی اقتدار پر اس بہانے شب خون مارا جائے۔ لہذا اس کے نظریات فاسدہ کا



اسلام کے ساتھ یا الجہوم اور مذہب شیعہ تیرا لبر یہ کے ساتھ یا الخصوص پر گزرتا کوئی  
 رابطہ تعلق نہیں ہے یہ درست ہے کہ ہمارے مذہب میں آل نبی اور اہل بیت  
 علیہ السلام کے اکرام و احترام اور ان کے ساتھ نیکی اور احسان کرنے کی بہت تاکید  
 اور فضیلت وارد ہوئی ہے (جس کا ایک شمار ہماری کتاب احسن القوالہ اور  
 تجلیات صداقت میں مذکور ہے جو دلائل دیکھا جاسکتا ہے)۔

مگر اگر پھر پھر یہی سربیدی کے ساتھ اہل بیت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ یہاں اللہ تعالیٰ  
 کا اس سے من پناہ چاہیے وہاں ساتھ لکھ دیتے ہیں کہ یہاں کوئی تعلق نہیں ہے اور یہاں کوئی تعلق نہیں ہے  
 اور توحید گت اور بتات نکلتے کہ وہاں کوئی تعلق نہیں ہے جتنا چاہیے اور اگر کوئی ضرورت رکھتے ہوں  
 علم دین اور اس غلط فہمی سے روکے تو اس سے ایجاد دشمن احمدیہ خواہ وہ کچھ جلد ہی امتا خیر خواہ  
 ہیں۔ (دلائل من حدیثہ)

یہ خیال کرتا کہ جس طرح خدا تک رسائی حاصل کرتے  
**ایک خیال کا ابطال:**

کے لیے نبی امام وسیلہ ہوتے ہیں کسی طرح  
 نبی امام کی بلرگاہ و اقدس تک رسائی حاصل کرنے کے لیے پیر کا مل کی ضرورت ہے  
 یہ سراسر شیطانی قیاس ہے کیونکہ خدا تک رسائی حاصل کرنے کے لیے تو  
 حقلاً و شرعاً وسیلہ کا حکم ہے (وایتعوا الیہ الوسیلۃ) مگر نبی امام تک رسائی  
 حاصل کرنے کے لیے وسیلہ مانتے کا کوئی حکم نہیں ہے اور اگر اس تزلزلہ  
 قیمت گیری میں فی الجملہ امام کے احکام حاصل کرنے کے لیے (تہ کہ معرفت  
 یا ملاقات کے لیے) کسی واسطہ کی ضرورت ہے تو وہ علامہ اعظم اور فقہ اعظم  
 ہیں نہ کوئی اور کمالا تختی۔ اور یہ بات بھی کسی وقاحت کی محتاج نہیں ہے  
 کہ مذہب شیعہ میں سوائے محض (نبی امام) کے اور کسی ہستی کی بیعت جائز  
 نہیں ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات بدترین ریشہ کی طرح طاقت  
 بوجاتی ہے کہ مروجہ پیری و سربیدی کی کوئی بھی چل سیدھی نہیں ہے۔



ہاں یہ صرف سامع لوح مریدوں کی جہیوں پر ڈاکہ ڈالنے اور ان سے  
 پیسے چوسنے اور اسی طرح ایتنا دین پر یاد کر کے دنیا آباد کرتے گا ایک شخص  
 ہے جس کی شرعی و شرعی کوئی حیثیت و حقیقت نہیں ہے۔ سچ ہے  
 ۱۔ کل من فی الوجود یطلب حیلًا ۲۔ التما الاختلاف فی الشیعات  
 یعنی ہر شخص کسی نہ کسی شکر کی تلاش میں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جلال جلا

جلال ہیں۔

الغرض: ۱۔ مسلم معاشرے کی بدترین خرابیوں میں سے ایک یہ ہے کہ  
 مریدی کا رواج بھی ہے جو کوئی اعتیاد سے نہ صرف معاشرہ کے لیے خطرہ  
 ہے۔ بلکہ تباہ کن ہے اور مسلمانوں کے دھور زوال کی بنا کار ہے۔  
 بد قسمتی سے یہ بیماری پاکستان کے تمام طبقوں میں، تمام علاقوں میں  
 اور تمام فرق اور مذاہب میں پائی جاتی ہے۔ یا مخصوص جلال جہالت و بلیہ  
 جہو و طمان اس کا رویہ کا ہیئت زور ہوتا ہے جس لنگن کا طین، اخلق اور  
 گہر تباہ چور ہوتا ہے۔

یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ اسلام میں کسی لیے  
 طبقے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جو بدعتوں اور پادریوں کی طرح مذہب  
 کا اجلہ دار بن جائے اور جس کی ذاتی خواہشوں یا نافرمانی پر کسی کے حق  
 یا بد شرعی ہوتے نہ تھے اختصار ہو۔

اس قسم کے طبقے غیر اسلامی اثرات کی پیداوار ہیں طمان اگر کوئی شخص  
 کسی عالم و فاضل، متقی اور پرستار اور اعلیٰ اخلق و کردار کے حامل و حلق  
 پیشوا سے کسب فیض کرے تو اس میں کوئی حائل و تہ نہیں ہے۔ بلکہ اگر  
 فرد و معاشرہ دونوں کے حق میں مفید ہے لیکن مذہب یا کل نافرمانی طمان



نفس پرست اور بدکردار و عیبار پیروں اور مُتلاذُن سے اندھی عقیدت، افراد اور معاشرہ کے لیے تباہ کن ہوتی ہے۔

یہ عیبار و مکار لوگ لوگوں کی جہالت اور اندھی عقیدت اور ان کے مذہبی جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنے ذاتی اغراض پورے کرتے ہیں اور بے سواد مریدوں اور سادہ لوح محققِ دل کو گمراہ کر کے ان کی دنیا و آخرت تباہ کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس پیری مریدی کی غلط رسم نے روحانی نجات کو ایک قسم کا تجارتی کاروبار بنا دیا ہے اور یہ لوگ مذہب اور اخروی نجات کے نام پر مریدوں کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔

اور ان کی عزت و ناموس پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں اور جب تک لوگ جاہل اور مذہبی حقائق سے ناواقف رہیں گے اس وقت تک ان پر ان تسمہ پا کا یہ دھندہ چلتا رہے گا۔ اسلئے دینی مدارک کے ذریعہ علم دین کو عام کرنے کی سخت ضرورت ہے تاکہ پیری مریدی اور اس رواج کی پیدا کردہ گمراہیوں اور نقصانات سے معاشرہ کو پاک اور آئندہ محفوظ رکھا جائے۔ واللہ الموفق (از پاکستانی مسلمانوں کی رسوم و رواج)

و من اظلم ممن افترى على الله الكذب وهو يدعى الى الاسلام  
قال الله لا يهدي القوم الظالمين۔

۳: عقیدہ کا خون سر پہ ملنا  
جاہلیت کے زمانہ میں لوگ ٹومو لوڈ کے سر پہ عقیدہ کا خون ملتے تھے اور بعض

مقامات پر اب بھی ایسا کیا جاتا ہے (کما سمع)  
اس فعل کو روایات اہل بیت میں شرک سے تعبیر کیا گیا ہے (سائل الشیعہ)



بعض آثار سے آشکار ہوتا ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے  
 حسنین شریفین کے سر منڈوانے کے بعد دونوں بزرگواروں کے سراقہ  
 پر خلوق ملا تھا جو بقول علامہ مجلسی علیہ الرحمہ زعفران و دیگر مختلف خوشبودن  
 سے مرکب تھے اور اس میں سرخی و زردی غالب ہوتی ہے لہذا ہمیں بھی  
 آنحضرتؐ کی تاسی میں ایسا ہی کرنا چاہیے۔

۴: نَفَس کا چالینس دن تک الگ تھلک رہنا ہندو مذہب میں حیض  
 و نفاس کو ایک ایسا

پاپ سمجھا جاتا ہے کہ حیض و نفاس والی عورت کسی چیز کو ہاتھ لگانے کی روادار  
 نہیں ہوتی۔ خصوصاً نفاس والی عورت پر پورے چالینس دن تک یہ پابندی  
 عائد ہوتی ہے اور ان کی دیکھا دیکھی بعض جاہل مسلمان بھی ایسا ہی کرتے  
 ہیں حالانکہ اسلامی نقطہ نگاہ سے یہ دونوں ایسے عوارض ہیں جنہیں عورت  
 مخصوص طریقہ پر عبادتِ خدا نہیں بجالا سکتی و ایسے دوسرے کام کاج  
 کر سکتی ہے۔

اور حیض کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دن ہوتا ہے اس  
 کم و زیادہ ہوتو وہ یا خون استحاضہ ہوتا ہے جس کے احکام الگ ہیں یا کوئی اور  
 خون۔ بہر حال وہ خون حیض نہیں ہو سکتا اور جہاں تک خون نفاس کا تعلق ہے  
 اس کے اقل کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ وہ ایک لمحہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ  
 بھی ممکن ہے کہ بالکل نہ آئے اور بنا بر مشہور زیادہ کی حد خون حیض کی طرح دس  
 دن ہے اگر اس کے بعد آئے تو وہ خون استحاضہ ہے نفاس نہیں ہے ہاں  
 البتہ بنا بر احتیاط اٹھارہ دن تک استحاضہ کے وظائف پر عملدرآمد بھی کرے  
 اور جو مخصوص چیزیں نفاس پر حرام ہیں ان سے اجتناب بھی کرے واللہ اعلم



اس موضوع کے تفصیلی احکام معلوم کرنے کے لیے قوانین الشریعہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ ہر نوع چالیس دن تک عبادت ترک کرتا اور ہر چیز سے الگ تھک رہتا اور کسی بعد چلہ کا غسل کرتا اور غیر اسلامی ہے جس کا شرعاً کوئی جواز نہیں ہے اسلئے اس سے احتراز لازم ہے۔

**۵: لوہے کی کڑی یا کڑا پہنانا:** کئی مائیں اپنے لائے بچوں کو سنت سجاد سمجھ کر ہاتھوں (اوبھی

پاؤں میں آلوہے کی کڑیاں یا کڑے پہنتی ہیں۔ اور اب تو یہ چیز بڑوں میں بھی عام ہو گئی ہے جسے عرف عام میں کڑا قلابہ کہا جاتا ہے اور کبھی انہیں تعزیر مبارک کے ساتھ باندھ کر امام سجاد کی قید کی سنت ادا کرتی ہیں اسی کے متعلق ہمیں صرف دو باتیں عرض کرنا ہیں۔

ایک تو یہ کہ نبی ہوں یا امام ان کا کوئی بھی کام واجبہ اس وقت ان کی سنت کہلاتا ہے جب وہ اسے اپنے اختیار اور اپنی رضا و رغبت سے بجالائیں جیسے امام سجاد کی سنت ہے بکثرت عبادت سجدہ کرنا۔ زین العابدین کی سنت ہے بکثرت عبادت خلا بجالانا مگر وہ کام جسے وہ کسی ظالم و جابر کے ظلم و جور سے بچو ہو کر لائیں تو وہ ان کی سنت نہیں کہلاتا بلکہ وہ ظالموں کی سنت کہلاتا ہے جس طرح امام کا ہتھکڑیاں پہننا، قید ہونا اور زہر لھانا وغیرہ وغیرہ

اگر اختیاری و اضطراری فعل کے درمیان فرق نہ کیا جائے تو پھر سنت سجاد سمجھ کر نہ ہر بھی کھانی پڑے گی اگر دماغ یہ غرض پیش کیا جاتا ہے کہ امام نے زہر۔ رضا و رغبت خود نہیں کھائی تھی بلکہ ظالموں نے کھلائی تھی تو یہاں بھی یہی کیا جائیگا کہ یہ بیڑیاں اور ہتھکڑیاں بھی امام نے برضا و رغبت



خود بخوبی جانتے تھے بلکہ ظالموں نے جبراً پہنائی تھیں۔ بتا بریں یہ ماننا پڑ گیا کہ اس  
کڑی یا کڑا پہننے کی رسم کو کسی طرح بھی سنتِ سجاد کا نام نہیں دیا جاسکتا۔  
بلکہ یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ یا تو ان ظالموں کی سنت ہے جنہوں نے امام  
پر ظلم کر کے ان کو پہنائی تھیں

یا پھر ان لوگوں کی سنت ہے جن کے مذہب میں ایسی  
سات چیزیں کا ہمراہ رکھنا ضروری ہے۔  
جن کی ابتداء حرف (کاف) سے ہوتی ہے جیسے کیس، کریبان، کنگھا  
اور کڑا وغیرہ وغیرہ۔

کردم اشارتے و مکرر غنی گنم  
بہر حال اس چیز کا مذہب اہل بیت یا سنتِ سجاد سے ہرگز  
کوئی تعلق نہیں ہے لیکر نہ اگر کوئی کم بخت کسی سامری کے کسی بچھڑے  
کی غلط محبت میں عقل خود سے اس طرح بامقصد دھو بیٹھا ہے کہ کلیمِ خدا  
کے کسی غلام کی یہ حکمت و نصیحت آمیز واضح بات نہیں سمجھ سکتا تو پھر اس  
سے خدا ہی سمجھے۔

دوسرے یہ کہ لوط وہ دھات ہے کہ بحالتِ اختیاری جس کا ایک  
چھلّا بھی لٹکتا ہے تو نماز مکروہ ہو جاتی ہے اور روایاتِ اہل بیت میں  
اسے جہنمیوں کا لباس قرار دیا گیا ہے۔

اور بعض اخبار و آثار میں نماز گزار کے لیے اس کا پہننا حرام قرار دیا گیا  
ہے۔ (وسائل الشیعہ ارشاد امام جعفر صادق علیہ السلام)



اور یہ ہی حکم تلابہ کلہ ہے اور اس بات کا ناقابل رد ثبوت کہ یہ امام کا...  
اضطراری فعل تھا یہ ہے کہ امام نے رطائی کے بعد ان چیزوں کو اتار پھینکا تھا  
اور پھر اپنی زندگی کے آخری لمحات تک کبھی ان کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔  
ظہر ابنہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

۸: بیٹوں کی ولادت پر خوشی منانا اور  
بیٹیوں کی ولادت پر ناک بھوں چڑھانا

یہ رسم بد زمانہ جاہلیت کی  
یادگار ہے کہ اولاد مذکور کی  
ولادت پر جشن میلاد منانا

اور بچیوں کی ولادت پر ناک بھوں چڑھانا۔ بلکہ یہ خبر سن کر چہروں کا سیاہ  
ہو جانا۔ چنانچہ خداوند عالم نے قرآن میں ان لوگوں کی اس کیفیت کی خبری  
ہے۔

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا

جب انہیں لڑکی کی پیدائش کی اطلاع دی جائے تو ان کا چہرہ سیاہ  
پڑ جاتا ہے۔

معاشرہ میں اس دہن کو منحوس تصور کیا جاتا ہے جس کے ہاں پہلوٹھی  
کی بیٹی پیدا ہو۔ اور اگر مسلسل دو تین لڑکیاں پیدا ہو جائیں تو پھر تو اس کی  
نخوست کی حد ہی نہیں رہتی۔

اور بعض جاہل تو ایسی بیویوں کو منحوس سمجھ کر طلاق بھی دے دیتے ہیں  
گویا ان کے زعم فاسد میں لڑکے یا لڑکیاں جننا عورت کا اختیاری فعل ہے  
حالانکہ یہ چیز خالق کون و مکان کے قبضہ قدرت میں ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت  
ہے۔

يُهَبُّ لِمَنْ يَشَاءُ إِنَّا تُوَاهِبُونَ لِمَنْ يَشَاءُ الَّذِي كُورِطُ أَوْ



بَرِّدْ جُھَمَ ذُکْرَانَا وَ اِنَاثَا لَا یَجْعَلُ مِنْ یَتَیْمًا عَقِیْمًا

(وہ جسے چاہتا ہے بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے یا جسے چاہتا ہے اُسے جوڑا جوڑا عطا کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے

اسے بانٹھ بنا دیتا ہے۔)

اگر وہ عطا کرنا چاہے تو دنیا کے برتھ کنٹرول رکاوٹ نہیں بن سکتے اور اگر وہ نہ دینا چاہے تو تمام کائنات کے ڈاکٹر و حکیم مل کر کسی کے گھر چوسے کا بچہ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔

مروی ہے کہ ایک شخص کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی اور وہ غصہ سے لبریز ہوتا ہوا حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اگر لڑکی کی پیدائش کا شکوہ کیا) امامؑ نے فرمایا اگر خداوند عالم تجھے کوئی چیز عطا کرنا چاہے اور وحی کے ذریعے تجھ سے پوچھے کہ تبا کیا چاہتا ہے؟ تو تو کیا جواب دے گا؟ عرض کیا کہ میں کہوں گا کہ خداوند تو جو چاہے عطا کرے۔ اور جو چاہے میرے لیے پسند فرما۔ امامؑ نے فرمایا تو جب خدا نے تیرے لیے لڑکی پسند کی ہے تو تو کیوں پریشان ہو رہے ہو؟ اس طرح اس کا غصہ فرو ہو گیا۔ مزید تسلی کے لیے امامؑ نے فرمایا جس لڑکے کو جناب حضرت نے قتل کیا تھا خدا نے اس کے والدین کو اس کے عوض ایک ایسی بابرکت لڑکی عطا فرمائی تھی جس کی نسل سے سترہ بیٹے پیدا ہوئے تھے۔

(وسائل الشیعہ)

چونکہ آیت مبارکہ میں پہلے لڑکیوں کا تذکرہ کیا گیا۔ اسلئے صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں۔

بابرکت ہے وہ عورت جس کے ہاں شادی کے بعد پہلے پہل بیٹی پیدا ہو۔

(تفسیر برہان)



ہاں ہے کہ ایک شخص جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ اسے بیٹی کی ولادت کی اطلاع ملی یہ اطلاع آیا کہ اس کا رنگ بدل گیا۔ آنحضرت نے اسکی یہ حالت دیکھ کر فرمایا

یہ بوجھ اس کا ترین اٹھاتی ہے سہا یہ آسمان و آسمانیت سے ترقی تھا

دیتا ہے اور وہ ایک بھول ہے جسے تو سوچتے گناہ (اللیضا)

(پھر بدیشات ہوئی کیا ضرورت ہے)

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میت کو گلیاں پالے پوسے «اور ان کی شادی کرے» تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے «آخر میں دو یا ایک لڑکی کی پرورش کر کے شادی کرنے کا بھی یہی ثواب ہوتا ہے» (حلیۃ المتقین)

تیز آنحضرت سے منقول ہے فرمایا جو شخص اپنے اہل و عیال کے لیے بازار سے کوئی تحفہ خرید کر لائے تو وہ عتلا اللہ الیسا ہے جیسا کہ محتاجوں کے لیے صدقہ اٹھا کر لائے۔ پھر فرمایا اسے چاہیے کہ وہ تحفہ تقسیم کرتے وقت ابتداءً لڑکیوں سے کرے «لڑکوں کو بعد میں دے» کیونکہ جو شخص ایک بیٹی کو خوش کرے تو گویا اس نے اولاد اسطویل میں سے ایک غلام آزاد کیا ہے۔ (وسائل الشیعہ)

کئی روایات میں وارد ہے کہ لڑکیاں حسناات ہیں اور لڑکے نحسات حسناات پر تمہیں ثواب عطا کیا جائیگا اور نحسات پر تمہارا حساب لیا جائیگا۔ بتایا بیوی سے حقائق اگر بیٹیاں بیٹوں سے بہتر نہیں ہیں تو کسی طرح کم تر بھی نہیں ہیں البتہ اولاد دونوں کی ولادت پر یکساں محبت و شادمانی کا اظہار کرنا چاہیے۔



الخرصۃ! بیٹے کے مقابلے میں بیٹی کو حقیر سمجھنا غیر اسلامی تعلیمات  
 واثرات کا نتیجہ ہے اسلام سے قبل عورت کو نہ صرف یہ کہ انسانی معاشرتی  
 حقوق سے محروم سمجھا جاتا تھا بلکہ اس کے وجود کو ایک بُرائی تصور کیا جاتا تھا  
 اسی لیے ہندوستان اور عرب کے بعض قبائل میں اسے زندہ درگور کر دیا جاتا  
 تھا۔ مگر اسلام نے اس صریح ظلم و زیادتی کو ختم کر کے عورت کو تمام انسانی  
 معاشرتی حقوق دلوائے اور اسے معاشرے میں باعزت مقام مرتبہ عطا کیا  
 بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اپنے قول سے بلکہ اپنے قابل تقلید  
 عمل کردار سے اس بات کو واضح کر دیا کہ بیٹے اور بیٹی میں یہ امتیاز و تفریق  
 نامناسب ہے۔

لڑکے کی پیدائش پر مٹھائی تقسیم کرنا، دعوتیں کرنا، بندوقیس چلانا،  
 اور مبارک بادوں کے شور بلند کرنا اور لڑکی کی ولادت پر چپ سادھ لینا۔  
 قریبی رشتہ داروں تک کو اطلاع نہ دینا۔ اور اطلاع ملنے پر ان کا اظہار  
 افسوس کرنا۔ اور اس مصیبت کے بعد خوشی کے دن آنے (یعنی لڑکا پیدا  
 ہونے) کی دعا کرنا پھر ساری جائیداد لڑکوں کے نام کر دینا اور لڑکیوں کو محروم  
 کرنا۔

یہ سب کچھ غیر اسلامی اثرات کا نتیجہ اور غیر اسلامی دماغ کی سوچ کا  
 غماز ہے۔ جسے ختم کرنے کے لیے موثر کد کاوش کی ضرورت ہے۔

۹: بچے کے سر ہانے تلوار یا چھری رکھنا: بعض علاقوں میں بچہ

چلنے تک تلوار رکھی جاتی ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کے زچہ و بچہ دونوں  
 نقصان دہیاں سے محفوظ رہتے ہیں۔ یہ غیر اسلامی رسم ہے اس



کا شرعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ بلکہ یہ خالص ہندو دھرم اور غیر موحدانہ رسم ہے جس کا اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے۔ لہذا اہل اسلام کو اس کے اقتناء کرنا چاہیئے۔

عام رواج ہے کہ پہلوٹی کا بچہ نانہال میں ہوتا ہے لڑکی کے ماں باپ زچگی سے کچھ عرصہ پہلے اسے اپنے گھر لے آتے ہیں (اگرچہ حاملہ کو نقصان و زہان بھی ہو جائے) اور پھر بچہ کی پیدائش پر سونے کے کئی زیور اور کپڑوں کے کئی جوڑے اور کئی برتن نو مولود کو دیتے ہیں اور لڑکی کو بھی سسرال بھیجتے وقت زیور اور کپڑے دیتے ہیں۔ اور اس سسرال والوں کے الگ اور برادری کی پنجیری اس کے والدہ ہے جسے چھو چھک کہا جاتا ہے جسے سسرال آنے کے بعد برادری کی عورتیں باقاعدہ طور دیکھتی ہیں۔

یہ سب غیر اسلامی رسمیں ہیں۔ اور دولت کے ضیاع کے سوا ان کا کچھ حاصل و محصول نہیں ہے۔ بلکہ نسب یہ ہے کہ زچگی سسرال کے گھر ہو۔ اور پھر ولادت کے بعد شرعی طریقہ پردہ آداب و مستحبات ادا کئے جائیں جن کا تذکرہ سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔

جب حضرت خاتون قیامت کی اولاد کی ولادت اپنے گھر میں ہوئی تھی تو کیا یہ مسلمان خواتین کے لیے بہترین نمونہ عمل نہیں ہے جس کی انہیں پیروی کرنا چاہیئے۔

۱۱: توہم پرستی: بعض لوگ زچہ کے قریب ایسی عورت کو نہیں جانے دیتے ہیں جس کا حمل یا بچہ ضائع ہو چکا ہو۔ اور نہ بچہ کو اس کی گود میں دیتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ بچہ اس طرح مر جائے



ہے۔۔۔۔۔ اسی طرح بعض لوگوں کا خیال ہے کہ چونکہ بعض عورتوں کو امٹھار کی بیماری ہوتی ہے وہ سمجھتے ہیں امٹھار کا ہندسہ منہوس ہے اسلئے وہ آٹھ روز سے امٹھارہ سال تک بچہ کو خطرہ میں محسوس کرتے ہیں۔ ان لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اگر ایسی عورت نہا کر آئے اور اپنے بھیکے بال جس بچہ پر ڈال دے تو وہ بچہ مر جاتا ہے اور اس عورت کا بچہ زندہ رہتا ہے اسلئے وہ ایسی عورت بہت ڈرتے ہیں۔

تو یہ توہمات غیر اسلامی ذہن کی فکر کی پیداوار ہیں۔۔۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے موت و حیات خدا کے قدير کے قبضہ قدرت میں ہے کئی شخص اپنے مقررہ وقت سے پہلے نہیں مر سکتا۔

اذا جاء اجلهم فلا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون  
کیونکہ بقول حضرت امیر علیہ السلام

الموت خير محافظ

موت بہترین محافظ ہے

کہ وہ اپنے وقت سے پہلے مرنے نہیں دیتی کبھی  
پھر نیند کیوں رات بھر نہیں آتی

بعض علاقوں میں یہ رسم ہے کہ اگر بڑی مدت

۱۲: چھلہ اور دست بند:

کے بعد لڑکا پیدا ہو تو اس کے کان میں چھوٹا سا سوراخ کر کے اس میں چاندی یا سونے کا چھوٹا سا چھلہ ڈال دیتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی کوڑیاں کسی دھاگہ میں پرو کر اور دست بند تیار کر کے بچہ کی کلائی پر باندھ دیتے ہیں اور اس سے اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ بچہ زندہ رہے گا اور آئندہ پھر بچہ ہوگا۔ چنانچہ وہ اگلے بچہ کی ولادت تک



برابر یہ چھلہ اور دست بند پہنائے رہتے ہیں۔ حالانکہ لڑکوں کے کانوں میں چھلے اور ٹرکیاں ٹھاننا غیر اسلامی یعنی ہندو فائدہ رکھ ہے۔

اور شگون بد لینے کو اسلام نے شرک قرار دیا ہے لہذا اس رسم بد اجتنب لازم ہے۔

۱۳: پانی چھڑکنے کی رسم، ۱۴: چھٹی کی رسم یہ سب غیر اسلامی رسمیں ہیں جن کا اسلام سے

کوئی تعلق نہیں ہے۔ ایک مسلمان گھرانے میں ان غیر اسلامی رسموں کا ارتکاب نہیں ہونا چاہیے۔

۱۵: سالگرہ منانا بعض اعلیٰ بلکہ متوسط خاندانوں میں یہ رسم بڑے دھوم دھام اور بڑے تزک و احتشام سے منائی جاتی ہے اور یہ رسم خاصی قدیم ہے بالخصوص انگریزوں کے ہاں اس کو بڑی

اہمیت حاصل ہے اسلئے جو لوگ مغربی تہذیب کے جس قدر زیادہ متاثر ہیں وہ بڑے اہتمام اور بڑی شان سے سالگرہ مناتے ہیں مگر ہمارا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ یہ رسم بھی کوئی اسلامی رسم نہیں ہے جسے سنت سمجھ کر منجھایا جائے بلکہ غیر اسلامی رسم ہے جس میں نام و نمود کے اظہار اور مال و منال کے اتلاف و ضیاع کے سوا کچھ بھی نہیں لہذا اگر اس (رسم) سے اجتناب کیا جائے تو زیادہ مناسب و اولیٰ ہے۔

۱۶: موت راسی اور ختنہ کی وقت کٹوری پھیرنا ایک عام رسم ہے کہ بچہ کی موت راسی اور

ختنہ کے وقت نائی ایک کٹوری پھیرتا ہے جس میں صاحب خانہ اور برادری کے افراد حسبِ قدرت بطور نیوتہ کچھ نقدی ڈالتے ہیں اور اگر



ایسا نہ کیا جائے تو برادری میں ناک کٹنے کا اندیشہ ہوتا ہے یہ بھی غیر اسلامی  
رسم ہے جس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۱۷: تعلیم کے لئے چار سال چار ماہ اور چار دن مقرر کرنا  
سکولوں میں عام رواج ہے

کہ پانچ سال کے بچہ کو داخل کیا جاتا ہے اور بعض خاندانوں میں رسم ہے کہ تعلیم  
کی ابتداء کے لیے چار سال چار ماہ اور چار دن کا ہونا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔ پھر اس  
موقع پر شیرینی تقسیم کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اور بعض مالدار لوگ سونے  
یا چاندی کے قلم و دوات سے چاندی کی تختی پر استرا کرتے ہیں۔  
جو ایک جدید شریعت تصنیف کرنے کے مترادف ہے جس کی کوئی  
اصل نہیں ہے۔ بلکہ پڑھائی کی ابتداء سادہ اسلامی طریقہ پر اس کے بہت  
پہلے کر دینی چاہیے یہ سن دس سال کی قید مہمل ہے۔

۱۸: خوشی کے مواقع پر دھیانیاں کو حق دینا  
ہندو مذہب میں چونکہ لڑکیوں کو

کو والدین کی میراث نہیں دی جاتی اسلئے انہوں نے لڑکیوں کی اشک  
شوئی کی خاطر یہ رسمیں ایجاد کیں کہ لڑکے کی ولادت یا شادی یا کوئی اور  
تقریب مسرت تو دھیانیاں کو کچھ نہ کچھ ضرور دیتے ہیں اور وہ بے چاریاں  
بھی اس انتظار میں رہتی ہیں کہ ان کو اس قسم کے مواقع پر کچھ ملے مگر اسلام  
نے جب لڑکیوں کو میراث میں باقاعدہ حصہ دیا ہے اور لڑکوں کی طرح ان کو  
باعزت مقام دیا ہے تو مسلمانوں کے لیے ہندوؤں کی دیکھا دیکھی یہ رسم  
بدایجاد کرنے اور اس پر عمل کر کے لڑکیوں کو احساس کمتری دلانے کا کیا حجاز  
ہے لہذا اولاً تو ماں باپ اور بھائیوں کو ایسا کرنا نہیں چاہیے اور ثانیاً



اگر وہ ایسا کریں تو رڑکیوں کو اسلامی غیرت و حمیت کا ثبوت دیتے ہوئے  
اسے ٹھکرا دینا چاہیے ہے

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی ہے جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی  
واللہ الموفق

دعا ہے کہ خداوند عالم تمام اہل ایمان کو سرکار محمد و آل محمد کی حقیقی سیرت  
و کردار پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور ان خود ساختہ منتوں اور رسموں  
سے بچائے جن کا دین و مذہب کوئی تعلق نہیں ہے ایک مسلمان کو صرف  
خدا و مصطفیٰ اور ائمہ ہدائے کے احکام کا پابند ہونا چاہیے نہ کہ معاشرہ کی غلط  
رسموں، ریتوں کا کیونکہ یہ

ہم موحّد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ سوم : ملتیں جب مٹ گئیں اجزاء ایمان ہو گئیں  
ہے

گزنیاید جو کس حقیقت کس : رسولان بلاغ باشند بس

وما علینا الا بلغ المبین



## سائقان باب

# اُن غلط رسوم کا بیان جو غم یعنی موت سے متعلق ہیں

یہ ایک اعلیٰ نظام فطرت اور قانون قدرت ہے کہ ع

جہاں جتنی ہیں شہنائیاں وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں

خالق کائنات نے اپنی حکمت بالغہ و قدرت کاملہ سے اس کارگاہ ہستی  
کا انتظام کچھ اس نہج پر چلایا ہے کہ جسٹس بھی ایک بار یہاں قدم رکھا ہے

اس نے ایک نہ ایک دن چار و ناچار اس عالم ناپائیدار سے رستہ سفر ضرور

باندھنا ہے اور اپنے حقیقی وطن کی طرف جانے کے بقول شاعرے

کل ابن انشی دان طالت سلامتہ ۛ یوما علی آلتہ حدباء یحملون

یعنی جو زندہ ہے وہ موت کی تکلیف سہے گا۔ بب احمد مرسل نہ سہے کلا ۛ گا

جناب امیر المومنینؑ نے حضرت سیدہ عالم کی وفات سمرت

آیات پر غم دالم میں ڈوبا ہوا جو مرثیہ کہا تھا اس میں اس حقیقت کی طرف

اشارہ ہے فرماتے ہیں ۛ

وان افتقادی فاطماً بعد احمد ۛ دلیل علی ان لا یدوم خلیل

الغرض شادی و غم ۛ راحت و الم ۛ سکھ و دکھ ۛ یسر و عسر اور موت و حیات

وہ لازم و ملزوم ہیں۔ کہ ایک کونہ صرف یہ کہ دوسرے سے جدا نہیں ہیں۔



کیا جا سکتا۔ بلکہ ایک کا دوسرے کے بغیر تصور بھی نہیں کیا جا سکتا موت برحق ہے اس کے کسی متنفس کو مقرر نہیں ہے۔

صبح دم طائرانِ خوش الحان : پڑھتے ہیں کل من علیہا فان  
الغرض ! جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہو گا یہی ہے اک حرفِ محرانہ  
ایک نہ ایک دن عمر نے بے وفائی تو ضرور کرنی ہے پھر بھی بقولِ تنسی  
ہے ادنیٰ حیاتِ الغابین مغبتہ : حیاتِ امرأ خافتہ بعدِ مشیپ  
یعنی وہ عمر بڑی وفادار ہے جو بڑھا پے کے بعد بے وفائی کرے۔  
اس تمام قیل و قال سے غرض یہ ہے کہ جب اس بات کا یقین ہے  
کہ مالکِ عادل کے ملک میں اس قسم کی مختلف کیفیات، شادی و غم بے لازماً  
دو چار ہونا پڑتا ہے۔ تو پھر شادی و خوشی کے مواقع پر حد سے زیادہ اترانا  
اور غم و الم کے مقامات پر حد سے زیادہ غمناک ہونا اور گھبراہٹ و عقلمندی  
و طریقہٴ مردانگی نہیں ہے۔ بلکہ آدمی کو چاہیے کہ ہر حال میں

کاملیت بین یدی الغسال

مردہ بدست زندہ کی طرح راضی برضا و خدار ہے کیونکہ مرضی مولا از  
ہمراہ لے۔ اور یقین رکھے کہ

کل ما یصل من الحبيب حبيب

بقولِ شاعر

زرج و راحت گیتی مشورِ نجاں مشو خنداں

کہ آئینِ جہاں گا ہے چنیں گا ہے پناں با شد

موت کا وقت و مقام مقرر ہے اسے یاد کیا جائے تو وقت سے  
پہلے آ نہیں جاتی اور اگر اسے بھلا دیا جائے تو وہ ٹل نہیں جاتی۔



اذا جاء اجلهم فلا يستأخرون ساعة ولا يستقدمون  
 لہذا اس کے گھبرانے کی نہیں بلکہ اس کے لیے تیاری کرنے کی ضرورت ہے  
 موت کا ایک دن معین ہے : نیند کیوں رات بھر نہیں آتی؟  
 موت کے لیے تیاری کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ صادق آل محمد علیہ السلام کی رہاں  
 حق ترجمان سے سنئے۔

اداء الفرائض، والاجتناب عن المحارم والاشتغال علی البکام  
 فرماتے ہیں تین کام کر لو پھر تمہیں اس بات کی فکر نہیں ہونی چاہیے کہ تم موت  
 کے منہ میں جا رہے ہو۔ یا موت تمہارے ہاں آرہی ہے۔  
 دو تین کام یہ ہیں (۱) فرائض و واجبات شرعیہ کی ادائیگی (۲) محرماتِ الہیہ  
 سے پرہیز (۳) مکامِ اخلاق و ستودہ صفات سے انصاف،  
 (شاملت بحار الانوار)

اسے کہتے ہیں ”دریا بحباب اندر“ سچ ہے  
 کلام الامام امام الکلام  
 مگر اس کے برعکس لوگ ایسے مقاماتِ دُغم پر کیا کیا غلط رسم و رواج  
 ادا کرتے ہیں۔ اس کا تذکرہ بعد میں کیا جائے گا۔  
 حسبِ سابق پہلے ہم یہاں یہ بتاتے ہیں کہ ایسے مقامات پر شرعاً کیا کرنا  
 چاہیے۔ تاکہ تصویر کے دونوں رخ سامنے آجائیں یعنی شریعت مقدسہ کا  
 جو منور و درخشاں رخ ہے وہ بھی اور غلط رسم و رواج کا جو تیرہ و تاریک رخ ہے  
 وہ بھی۔ تاکہ طالبانِ حق و حقیقت کو حق و باطل اور اصل و نقل میں امتیاز کرنا  
 آسان ہو جائے۔

لیهلک من هلك عن بینة و یحیی من حی عن بینة



یہاں چند امور کے  
انجام دہی مطلوب ہے جن  
میں سے کچھ واجب ہیں اور

**آثارِ موت کے ظہور سے لیکر دفن و کفن تک  
بلکہ اس کے بعد بھی کیا کرنا چاہیئے !**

کچھ مستحب۔ (۱) سب سے پہلے وصیت کرنا۔ شریعت مقدسہ میں تندرست توانا  
آدمی کے لیے وصیت کرنا مستحب اور مریض کے لیے سنت مؤکدہ اور جس شخص  
کے ذمہ خالق یا مخلوق کے کچھ واجب الادا حقوق ہوں ان کے بارے میں وصیت  
کرنا واجب ہے ارشادِ قدرت ہے

کُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ الْمَوْتُ أَنْ تَرِثَ  
خَيْرًا ذَا الْوَصِيَّةِ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ  
حَقًّا عَلَى الْمُسْتَفِينَ ه (الآیۃ)

(اے مسلمانو!) تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے پاس  
موت آئے اور وہ کچھ مال چھوڑے تو ماں باپ اور دوسرے  
رشتہ داروں کے حق میں واجبی طور پر اچھی وصیت کرے اور  
اللہ سے ڈرنے والوں پر یہ حق ہے۔

روایات اہل بیت میں بھی اس کی بہت تاکید کی گئی ہے۔ بعض اخبار  
میں وارد ہے

الْوَصِيَّةُ حَقٌّ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ

(وصیت کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)

(کتبِ اربعہ)

بعض آثار میں وارد ہے کہ مسلمان کو چاہیئے کہ جب رات کو سوئے  
تو اس کا وصیت نامہ اسکے تکیہ کے نیچے موجود ہو۔ <sup>البخاری</sup> بہرِ نوع وصیت میں



پنچد امور کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

(۱) اپنے عقائد حقہ ایمانیہ بیان کر کے ان پر اہل ایمان کی تصدیق ثبت کرائی جائے۔

(۲) اگر کوئی حق اللہ اس کے ذمہ ہو تو اس کی ادائیگی کے بارے میں اپنے ورثہ کو تاکید کرے۔

(۳) اگر کچھ حقوق الناس اس کے ذمہ ہوں تو انہیں ادا کرنے یا متعلقہ لوگوں سے معاف کرنے کی وصیت کرے۔

(۴) اپنے بیوی بچوں کے متعلق کچھ ہدایات کرنا ہوں تو ان کا تذکرہ کرے۔

(۵) جن لوگوں کو اس کی دراشت سے کچھ حصہ نہیں ملتا ان کے حق میں کچھ وصیت کر جائے۔

(۶) غریب، مساکین، یتیموں، یوگان اور دیگر بے سہارا لوگوں کے لیے کچھ مال کی وصیت کر جائے۔

(۷) صدقات جاریہ کے لیے کچھ وصیت کر جائے بلکہ اگر ہو سکے تو کچھ جائیداد وقف کر جائے اور بہتر یہ ہے کہ یہ وصیت تحریری طور پر کی جائے تاکہ سندرہے۔ اور عند الضرورت کام آئے۔

**۴: وقت اختصار (جان کنی) اور اس کے بعد احکام** خداوند عالم تمام اہل ایمان

پر یہ سخت مرحلہ آسان نہ ملے۔ جب یہ کیفیت طاری ہو تو اس موقع پر شریعت مقدسہ کچھ واجبی اور کچھ مستحبی احکام مقرر فرمائے ہیں جن کو بجالانا چاہیے۔

(۱) واجب ہے کہ مرنے والے کو روبرو بقبیلہ کیا جائے یعنی اسے چارپائی



پر چیت لٹا کر چار پائی اس طرح رکھی جائے کہ اگر وہ اٹھ کر بیٹھے تو رو قبلہ ہو  
مثلاً جن ممالک کا قبلہ مغرب کی جانب ہے جیسے ہمارا ملک تو وہاں چار پائی شرقاً  
اُتر یا رکھی جائے۔ اور یہ تب ممکن ہے کہ اسکی پاؤں قبلہ کی جانب ہوں مگر انما

(الاعمال بالنیات)

**مرنے والے کو چند امور کی تعلیم و تلقین کیجائے:** (الف) شہادتین  
(ب) ائمہ اہل بیت

علیہم السلام کی امامت کا نام بنام اقرار کرایا جائے (ج) کلمات فرج پڑھائے  
جائیں۔ (د) کلمہ طیبہ پڑھایا جائے کیونکہ جس شخص کا آخری کلام کلمہ ہوگا وہ جنت میں  
داخل ہوگا۔

محضی نہ رہے کہ حتی المقدور مرنے والے کو بھی یہ چیزیں اپنی زبان سے  
ادا کرنی چاہئیں اور ایک بار ادائیگی کے بعد موت واقع ہونے تک ان امور  
کا تکرار کیا جائے اگر موت میں شدت واقع ہو تو پھر سورۃ یاسین اور سورۃ  
صافات کی تلاوت کی جائے جس سے سکرات موت میں آسانی ہوتی ہے  
مرنے والے کو توبہ و استغفار کرنے کی تلقین کی جائے کیونکہ جب تک روح  
حلق تک نہ پہنچ جائے اس وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے اور اسے  
عدلیہ عند الموت سے بچانے کی کوشش کی جائے اور مرنے کے بعد اس کی آنکھیں  
اور منہ بند کیا جائے اور ہاتھ پاؤں سیدھے کر دیے جائیں۔

**۳: مرنے کے بعد غسل میت دیا جائے:** جو کہ بالاتفاق واجب ہے۔

**۴: کفن دیا جائے:** جس طرح میت کو غسل دینا واجب ہے اسی طرح  
اسے کفن دینا بھی واجب ہے۔



(۵) **حنوط کیجئے** یہ بھی منجملہ واجبات کے ہے جو غسل کے بعد اور کفن کے ساتھ یا اس کے بعد واجب ہے۔

۴: نماز جنازہ ادا کی جائے (۶) جنازہ کی تشییع کی جائے (۷) ان سب امور کی بجائے آدری کے بعد

اسے دفن کیا جائے (۸) تلقین پڑھی جائے (۹) قبر مرتفع و مسطح (چوکور اور ہموار) بنائی جائے جو زمین کی سطح سے صرف چار انگشت کشادہ یا زیادہ سے زیادہ ایک بالشت تک بلند ہو اسے زیادہ بلند کرنا خلاف سنت ہے۔ بلکہ مکروہ ہے (۱۱) قبر پر مٹی ہموار کرنے کے بعد اس پر پانی چھڑکا جائے (۱۲) پانی چھڑکے کے بعد حاضرین قبر پر ہاتھ رکھ کر اور رد بقبلہ ہو کر دعا کریں اور سورۃ انا انزلناہ سات مرتبہ پڑھیں (۱۳) مرنے والے کے نام کی اتنی قبر پر نصب کی جائے (۱۴) مرنے والے کے پسماندگان کو تعزیت مسنونہ پیش کی جائے۔

(۱۵) پسماندگان کو تسلیم رضا اور صبر ضبط سے کام لینا چاہیے۔ (۱۶) تین دن تک مرنے والے کا سوگ منایا جائے اس کے بعد صف ماتم

برخواست کر دی جائے۔

(۱۷) تین دن تک پڑوسی اور رشتہ دار مصیبت زدہ گنہ کے طعام کا انتظام کریں۔ (۱۸) شبِ دنِ میت کے لیے صدقہ دیا جائے اور نمازِ وحشت القبر پڑھی جائے۔

(۱۹) بعض آثار سے شبِ اہل قبر پر قرآن خوانی کر لے کا استحباب بھی

ثابت ہوتا ہے۔

۲۰: اہل ایمان کی قبروں کی زیارت کیجئے : نصوحہ و قنالے اس بات پر متفق ہیں کہ



کہ اہل ایمان کی تسبیح کی زیارت کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔ اور بے حد و حساب ثواب کے علاوہ بے شمار دینی و دنیوی فوائد و عوائد کا باعث ہے صبح بخاری میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا میں نے تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا لیکن اب تم اہل زیارت کیا کرو کیونکہ وہ تمہیں آخرت کی یاد دلائیں گی۔ اور دنیا سے بے رغبتی بڑھائیں گی۔ اگرچہ زیارت ہر وقت کی جاسکتی ہے مگر شب جمعہ اور صبح جمعہ اس کی زیادہ تاکید وارد ہوئی ہے۔

**اہل قبور کو سلام کرنے کا طریقہ یہ ہے۔**

السلام علی اہل الدیار من المؤمنین والمسلمین انتم لنا فرط ونحن انشاء اللہ بکرم لاحقون۔

بعد ازاں آیت الکرسی ایک بار اور سورۃ توحید (قل ہواللہ) گیارہ بار پڑھ کر ان کی ارواح کو ایصالِ ثواب کرنے کا بہت ثواب وارد ہوا ہے۔

**یتمہ مہمہ در ثواب** جب عام اہل ایمان کی تسبیح کی زیارت کا اس قدر ثواب ہے **بیشہ قبور امیر** تو جو ذواتِ عالیہ، اہل ایمان کے سردار اور ان کے آقا نامدار ہیں۔ یعنی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام ان کے حین حیات کی طرح ان کے مزارات مقدسہ کی زیارت کرنے کا کس قدر ثواب ہوگا؟ اس کا اندازہ لگانا ہمارے عقول و افہام کا کام نہیں ہے۔ پس اتنا جاننا کافی ہے کہ جو مومن دار دنیا میں ان کی زیارت کریگا۔ وہ بروزِ محشر اس کی زیارت کریں گے۔ اور اسے شدا ید قیامت سے نجات دلائیں گے۔

(کامل الزیارة)

ہاں البتہ۔ اس سلسلہ میں دو چیزوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ایک یہ کہ ان کے مزارات مقدسہ کو سجدہ نہ کیا جائے۔ دوسرے حصول



حاجات کے لیے دعا خالق دو جہاں سے کی جائے گا۔ اور وسیلہ واسطہ ان  
ذوات مقدسہ علیہم السلام کا دیا جائے گا۔ (واللہ الموفق)  
(الی غیر ذلک من الواجبات والمستحبات والآداب الکثیرة المذكورة فی کتب  
السنن والآداب الشرعیہ)

جہاں تک ان مذکورہ بالا امور کی تفصیلات و جزئیات کا تعلق ہے تو ان  
کے معلوم کرنے کے لیے کتب فقہیہ کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اس مختصر  
میں ان کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

ویسے اس سلسلہ میں ہماری کتاب قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ کافی  
دوانی ہے۔ قد جاء کمر بصائر من ربحم فمن ابصر فلنفسه  
ومن عی فی فعلیها وما انا علیکم بحفیظ۔

## ان غلط رسموں کا بیان جو غم کے اس موقع پر ادا کی جاتی لہیں

اور یہ غلط رسمیں بہت سی ہیں جن میں سے جو زیادہ اہم ہیں ہم سلسلہ  
واران کا ذیل میں تذکرہ کرتے ہیں۔

(۱) غلط وصیت کرنا  
کئی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو مرنے سے پہلے  
وصیت تو کرتے ہیں مگر غلط اور وہ اس

طرح کہ شرعاً جو جائز اور صحیح وارث ہوتے ہیں انکو محروم کر جاتے ہیں اور جو  
شرعی وارث نہیں ہوتے ان کو نوازتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں وارد ہے  
کہ جو دور کے رشتہ دار ہیں انکو بھی کچھ دینے کی وصیت کرنا چاہیے اور جو  
ایسا نہیں کریگا وہ اپنے اعمال کا خاتمہ گناہ پر کریگا۔

ومن لم یوص عند موته لذوی قرابته مهن لایرثه فقد



ختم عملہ بمعصیت) (وسائل الشیعہ)

چہ جائیکہ کوئی شیعہ کہلانے والا اور زندگی بھر دختر رسولؐ کی محرمی پر آہ بکا کرنے والا اپنے جگر کے ٹکڑوں یعنی بیٹیوں کو محرم کر کے ساری جائداد اپنی اولاد ذکور کے نام لگا کر جائے یا یہ وصیت کر جائے کہ لڑکیوں کو محرم کر کے اسکی ساری جائداد صرف لڑکوں کو دیدی جائے؟

حالانکہ شرعی نقطہ نگاہ سے اگر لڑکیاں لڑکوں سے بہتر نہیں ہیں تو ان سے کسی طرح کمتر بھی نہیں ہیں لڑکے نعمات ہیں تو لڑکیاں حسنات ظاہر ہیں کہ حسنات پراجرو ثواب ملتا ہے اور نعمات کا حساب کتاب دینا پڑتا ہے۔ (ارشاد صادق آل محمد)

امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدائے رحیم بہ نسبت لڑکوں کے لڑکیوں پر زیادہ مہربان ہے (وسائل کے)

جناب جنیلؑ نے یہ کہہ کر خدا سے لڑکی مانگی تھی کہ

”جوڑے ان پر بعد ان کی وفات کے“

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

کیا اچھی اولاد ہیں لڑکیاں جو نیکی کرنے والیاں ہیں جو ہر وقت کام کرنے

کے لیے تیار رہتی ہیں اور جو انس و محبت کرتی ہیں (ایضاً)

جس لڑکے کو جناب خضر علیہ السلام نے حکیم خدا قتل کیا تھا کہ مبادا بڑا ہو

اپنے مومن ماں باپ کو بے ایمان نہ بنا دے۔ خلاق عالم نے اس کے قتل کے بعد

اس کے والدین کو ایک ایسی بابرکت لڑکی عطا فرمائی تھی جس کی نسل سے شتر

نہی پیدا ہوئے تھے۔ (ایضاً)

لڑکیوں کی پیدائش پر ناک بھجوں چڑھانے والا باب بتائیں کہ لڑکے بہتر ہیں



لڑکیاں؟ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ لوگ ایسے جگر گوشوں کو محروم و وارث کر کے ساری جائیداد کا وارث ان کو بنا جاتے ہیں جو نہ معلوم ان کی موت کے بعد ان کے لیے فائدہ بھی پڑھیں گے یا نہ معلوم ایسے ظالم باپ خداوند عالم کو کیا جواب دیں گے؟

اور ایسے لوگ بروز قیامت رسول و آل رسول کو کیا منہ دکھائیں گے؟  
ڈرو اس دن سے جس دن نہ مال کام آئے گا اور نہ بیٹے۔

لوم لا ینفع مال ولا بنون، الا من اتى اللہ بقلب سلیم  
اسی طرح بعض بے اولاد لوگ اپنے جائز وارثان یا زگشت کو محروم کر کے اپنی ساری جائیداد اپنی چہیتی بیویوں کے نام کر دیا جاتے ہیں اور پھر ان کی جائیداد کا جو حشر ہوتا ہے وہ دنیا دیکھتی ہے۔ مقام عبت ہے۔

۲۔ قبر کا کوہان ارنانا اور ان پر قبہ تعمیر کرنا؛ پہلے گزر چکا ہے کہ قبر چوکور اور ہموار

بنانی چاہیے۔ یہ جو عام لوگ کئی منزلہ قبریں بناتے ہیں اور کچھ نہیں تو دریاں میں ایک کوہان نما بلندی تو ضرور رکھ دیتے ہیں۔ روایات اہل بیت میں اسے یہودیوں کا شعار قرار دیا گیا ہے۔ (شروع کافی)

اسی طرح بعض لوگ اپنے حیات میں اپنے لیے یا ان کے لواحقین ان کی موت کے بعد قبروں پر بڑے بڑے قبے تعمیر کراتے ہیں۔

ارشادات معصومین میں اسکی بھی منہا ہی و ممانعت وارد ہوئی ہے۔

(وسائل الشیعہ وغیرہ)

لہذا اسکی بھی اجتناب کرنا چاہیے۔ ہاں البتہ بنا بر مشہور انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے قبور مقدسہ اس کراہت سے مستثنیٰ ہیں (واللہ اعلم)



## ۳: میت کو کسی قبر کا طواف کرنا

اکثر لوگ مرنے والوں کو مزارات مقدسہ کا طواف کراتے ہیں

حالانکہ یہ رسم بدو وجہ غلط ہے۔ اولاً اسلئے کہ طواف صرف خانہ کعبہ کا جائز ہے (جو کہ ایک عبادت ہے اور ایک طواف بمنزلہ دو رکعت نماز کے بتولئے) اس کے علاوہ اسلام میں کسی اور چیز کا طواف بہ نیت طواف جائز نہیں ہے۔

عام اس کے کہ طواف کرنے والا زندہ ہو یا مردہ۔ ثانیاً اسلئے کہ روایت اہل بیت میں خصوصی طور پر اس عمل کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ صادق (ع) میں سے ایک بزرگوار سے مروی ہے فرمایا نہ پیشاب کر و کھڑے ہوئے پانی میں اور نہ طواف کرد قبر کا۔ (بحار الانوار ج ۲۲)

جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری قبر کو قبلہ و مسجد نہ بنانا۔ خدا لعنت کرے یہود پر جنہوں نے انبیاء کے قبور کو قبلہ بنا دیا۔ (وسائل الشیعہ)

علاوہ بریں چونکہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام نے نہ خود کبھی کا کیا ہے اور نہ ہی اسکے کہنے کی کسی کو اجازت دی ہے اسلئے ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اور طواف صرف خانہ کعبہ کا کرنا چاہیئے و بس!

(۴) مخفی نہ رہے کہ قبور پر خیرات تقسیم کرنا اور جانور کھانا بھی شرعاً جائز نہیں ہے لہذا اس کے بھی اجتناب کرنا لازم ہے۔

اسی طرح قبروں پر مسجد بنانے یا قبر کو مسجد بنانے سے بھی پرہیز کرنا چاہیئے تاکہ یہ فعل کسی ظاہرین کے لیے عبادت قبور کرنے کا سبب بن جائے

(۵) نیز قبروں پر چراغ جلانے کی بھی شرعاً ممانعت وارد ہوئی ہے لہذا ان



سب احداث و بدعات سے احتراز لازم ہے۔

۴) خاندانی قبرستان یا دیگر مقامات مقدسہ عام لوگ اپنے مرنے والوں کو ان کے آبائی قبرستان میں لے جا کر دفن کرتے ہیں۔

## کی طرف میت کا نقل کرنا

(خواہ وہ کتنا ہی دور کیوں نہ ہو) اور وہ آبائی خاندانی قبرستان کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اگر کہیں سفر میں مرجائیں تو ان کی لاش یا اس کی ہڈیوں کو بھی وطن لا کر اپنے آبائی قبرستان میں دفن کرتے ہیں جہاں بالعموم کسی نہ کسی پیر فقیر کا مزار ہوتا ہے۔

بلکہ شریعت مقدسہ کا حکم یہ ہے کہ مرنے والا جہاں مرے اسے وہیں دفن کرنا چاہیے اور کچھ لوگ اپنے مرنے والوں کو زکثیر صرف کر کے اور بڑی محنت و مشقت برداشت کر کے اپنے بزرگان دین کے مزارات مقدسہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور وہاں جا کر دفن کرتے ہیں۔ ان مقامات مقدسہ کی عظمت اور وہاں دفن کرنے کا فائدہ؟ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔

مگر کلام اس میں ہے کہ جہاں کوئی شخص مرے اسے وہیں دفن کرنا چاہیے یا دور دراز مقامات سے لے جا کر وہاں دفن کرنا چاہیے۔ اس جواز و عدم جواز کے متعلق علماء اعلام اور فقہاء عظام میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس موضوع پر بعض علماء کرام نے مستقل کتب رسائل لکھے ہیں۔ اگرچہ علماء متاخرین میں جواز والے قول کو شہرت حاصل ہے مگر بعض بڑے اکابر علماء اس فعل کے عدم جواز کے بھی قائل ہیں۔

یہاں اس اختلاف کی وجہ اور پھر ہر فریق کے دلائل ذکر کرنے اور پھر اتفاق ماہوا الحق کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ————— علاوہ بریں یہ ایک



خالص علمی بحث ہے۔ جو اس علمی و اصلاحی کتاب کے موضوع سے خارج ہے۔ یہاں تو صرف اس قدر عرض کرنا کافی ہے۔ کہ احوط و اولیٰ یہی ہے کہ جس کا جہاں انتقال ہوا ہے وہیں سپرد خاک کر دیا جائے۔ ہمارے متعدد اخبار و آثار کے مطابق مومن کائنات کے جس گوشہ میں بھی مرے اور جہاں بھی دفن ہو۔ اس کی روح بہر حال امیر المومنین کی مقدس وادی (وادی السلام) میں پہنچ جاتی ہے تو پھر اس ظاہری تکلف کی کیا ضرورت ہے؟

بقول شاعر ۵

قوی یقین ہے مجھ کو دیکھ لیں وہاں یہ مومنین  
اٹھوں گا میں بسوزِ حشر وادی السلام سے (انشاء اللہ العزیز)

یہ چیز سابقہ مسئلہ کی ہی ایک کڑی ہے کہ کچھ لوگ جو اپنے مرنے والے کو کسی مشہد مقدس لے جا کر دفن کرنا چاہتے ہیں مگر سردست حالات اجازت نہیں دیتے تو وہ میت کو امانتی طور پر دفن کر دیتے ہیں اور جب منتقل ہوتی ہے تو قبر اکھیر کر اور میت کو نکال کر منزل مقصود کی طرف لے جاتے ہیں۔

اس سلسلہ میں گزارش یہ ہے کہ اگر دہاں منتقل کرنا ہی ہے تو پھر اسے پہلے دن ہی لے جائیں اس امانتی دن اور پھر قبر کشائی میں بہت قوی اشکال سے۔ چنانچہ فیلسوف الفقہاء ریخایہ اقا سید ہمتہ الدین شہرستانی (صاحب الطیۃ والا سلام) نے اپنے رسالہ "الدلائل المسائل" میں اس موضوع پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے (اور خوب لکھا ہے) "کہ اگر یہ (امانتی دفن) واقعی شرعی دن ہے تو پھر قبر کا اکھیرنا حرام ہے اور اگر یہ شرعی دفن نہیں ہے تو مرنے والے



کو بغیر دفن کے دلیسے رکھنا حرام ہے۔“

لطف یہ ہے کہ برادران اسلامی کے نزدیک بھی یہ مسئلہ اسی طرح ہے۔ چنانچہ فاضل بریلوی ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں  
 ”یہ فعل حرام ہے دفن کے بعد قبر کشائی جائز نہیں نیز  
 دور دراز مقامات پر میت کا لے جانا بھی جائز نہیں۔“

(فتاویٰ رضویہ ج ۱ ص ۱۱۱)

اگر اطمینان کے ظاہری حین حیات میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ یہ کہیں نہیں  
 ملتا کہ اس دور کے موالیان اہلبیت اپنے مرنے والوں کو دور دراز مقامات  
 سے لے جا کر مزارات مقدسہ کے پاس دفن کرتے تھے۔ دین اسلام ایک  
 سادہ و سہل اور فطری دین ہے۔ خدا اسے اسکی اصلی شکل پر رہنے دو۔  
 اس میں اپنی طرف سے من مانی کارروائیاں کر کے اور مولوی صاحبان سے  
 ہر بات کے جواز کے فتوے لیکر اس کا حلیہ نہ بگاڑو۔ جہاں ائمہ کی ذات  
 یا ان کا نام درمیان میں آجائے وہاں کوئی مفتی چون و چرا کرنے کی جرأت  
 نہیں کرتا۔ بلکہ محض اس خیال کے پیش نظر کہ کہیں رائے عامہ اس کے خلاف  
 نہ ہو جائے وہ ان کی ٹوں میں ٹوں ملانے میں اپنی سلامتی سمجھتا ہے  
 یہ تو یہ کہہ خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے  
 ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

۵

وہل افسر الدین الاملوک بن و احبار سوء و رہبانہا  
 مگر شریعت کا راستہ چونکہ سر کے ادھر سے ہو کر گزرتا ہے اسلئے ان  
 مقدسہ کے مشن کی حفاظت ہر چیز پر مقدم ہے۔ اور حق کی رعایت اور اس



کی اتباع ہر حال میں لازم ہے و الحق اسحق ان یتبع۔ اگر ہمارا فرض منصبی ان تلخ حقائق کے اظہار پر ہمیں مجبور نہ کرتا تو ہم کبھی کبھی اپنی برادری کی اکثریت کی ناراضی مول لے کر ان باتوں کو بذریعہ تقریر و تحریر بیان نہ کرتے مگر کیا کریں کہ فرض کی ادائیگی ان تلخ حقائق کے اظہار پر مجبور کرتی ہے۔

اس لئے

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوشچکاں: ہر چند اس میں ہاتھ ہمارا قلم ہو  
**۵: فاتح خوانی کا مروجہ طریقہ:** اس معاملہ میں شریعت متقدمہ کا فیصلہ یہ ہے کہ صرف تین دن صاف ماتم پھائی جائے اور صرف تین دن تک مرنے والے کا سوگ منایا جائے۔

(ہاں البتہ مرنے والے کی بیوہ اس سے مستثنیٰ ہے کہ اسے چار ماہ اور تین دن تک سوگ منانے کا حکم ہے) اس دوران لوگ آئیں اور مرحوم کے سپردگار کو تعزیت پیش کریں تسکین و تسلی کے کلمات سے ان کی دل جوئی کھریں مرنے والے کی مغفرت کی دعا کریں۔ اگر مزید برآں ہو سکے تو تلاوتِ قرآن سے مرحوم کی روح کو شاد کام کریں۔ اور اس تین دن کے دوران پڑوسیوں اور مرحوم کے دور کے رشتہ داروں کو چاہیئے کہ پکا پکایا کھانا سوگواروں کے گھر پہنچائیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے فرمایا کہ جب جناب جعفر طیارؑ شہید ہوئے تو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب سیدہ سلام اللہ علیہا کو حکم دیا کہ اسما بنت عیسیٰ (بیوہ جناب جعفر طیارؑ) کے لئے کھانا پکائیں اور خود دوسری عورتوں کے ساتھ ان کے پاس لے جائیں اور تین دن تک ایسا کریں اس سے یہ سنت



جاری ہوگئی کہ مصیبت زدگان کے لئے تین دن تک کھانا پکایا جائے۔ (وسائل الشیعہ)  
 مگر آجکل ہوتا یہ ہے کہ اُمرار طبقہ تو پورے چالیس دن تک  
 متوسط طبقہ بیس دن تک اور غریب بھی ہفتہ عشرہ تک صف ماتم پہچاتے  
 ہیں جو بجائے خود غلط ہے۔

اور بجائے اس کے کہ وہاں بیٹھ کر مرنے والے کا ایصال ثواب کے لئے  
 کچھ قرآن پڑھا جائے یا کچھ دعائے مغفرت کی جائے۔ اُٹا وہاں دنیا بھر کی  
 ہزلیات و خرافات بگی جاتی ہیں سارے جہاں کے قصے اور کہانیاں بیان ہوتی  
 ہیں۔ اہل اسلام ایمان کی غیبت ہوتی ہے اہل ایمان کی توہین ہوتی ہے  
 اور بجائے اس کے کہ پکا پکایا کھانا سوگواروں کے گھر بھجوا یا جائے بلکہ کیا  
 پڑوسی اور کیا رشتہ دار کیا ایسے غیرے اور کیا ننھو خیرے سب وہیں بیٹھ  
 کر کھاتے ہیں اور دعوتیں اُڑاتے ہیں۔

اور اگر ذرہ بھران کے ٹھہرانے، بٹھانے اور خاطر مدارات کرنے میں کمی  
 ہو جائے تو ناک بھول چڑھاتے ہیں اور فتنہ جگاتے ہیں اور سوگوار بھی بجائے  
 اس کے کہ صرف سبزی دال پکائیں بلکہ موجودہ رسم و رواج کے ماتحت بلکہ غلط  
 نام و نمود کی خاطر اسراف کرتے ہیں اور صرف گوشت و مٹی پر بھی اکتفا نہیں کرتے  
 بلکہ پلاؤ، چلاؤ، حادے اور جلوے کا اہتمام کرتے ہیں اور بڑی دھوم دھام  
 سے ضیافتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔

حالانکہ ضیافت شادی کے موقع پر ہوتی ہے نہ کہ غم کے مقام پر۔ صاحب  
 عز کی استطاعت ہو یا نہ ہو یہ اسراف اور یہ حشر چہ موت کا ایسا لازمہ بن  
 گیا ہے کہ خواہ قرض لینا پڑے یہ کرنا ضروری ہے جس کے کئی خاندان تباہ ہوئے  
 ہیں کئی علاقوں میں یہ رسم بد جاری ہے کہ میت کو دفن کر چکنے کے بعد قبرستان

نہ ایک روایت میں پڑوسیوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ پکا پکایا کھانا سوگواروں کے گھر بھجوائیں۔



میں علوہ تقسیم کرتے ہیں۔ اور واپسی پر سب شرکار کو زردہ کھلاتے ہیں۔  
 انا للہ وانا الیہ راجعون مرنے والا الگ مرتا ہے اور گھر کا کونڈا الگ ہوتا ہے  
 انہی حقائق کے پیش نظر اکبر آبادی نے کہا تھا ہے

جاننا ہوں مرنے کے بعد کیا ہوگا ؟ پلاؤ کھائیں گے ا جاب فاتحہ ہوگا  
 حالانکہ ہونا یہ چاہیئے کہ اگر بعض وجوہ کی بنا پر سوگواراں کے خاندان کے لیے خود  
 روٹی پکانا ناگزیر ہو تو ان کو چاہیئے کہ نام دینود سے بالاتر ہو کر (اور برادر ہی والے  
 بھی یہ سمجھ کر یہ تقریب غم ہے تقریب شادی نہیں ہے ناک بھون چڑھائیں)  
 صرف دال روٹی یا سادہ سبزی اور روٹی پر اکتفا کریں۔ اور اگر ایصال ثواب کے  
 لیے کسی کو کھانا کھلانا چاہیں تو غریبوں کو کھلائیں جو کم از کم کھا کر دعا تو دیں گے اور  
 اور مرنے والے کو بھی ثواب ملے گا

نیز فاتحہ خوانی کرنے والوں کو چاہیئے کہ وہ پورے پورے خاندان کے  
 ساتھ وہاں دھڑا مار کے نہ بیٹھ جائیں بلکہ فاتحہ پڑھتے جائیں، پر سہ دیتے  
 جائیں اور پانی کے وقت پر پانی اور چائے کے وقت پر چائے اور روٹی کے  
 وقت پر سادہ روٹی کھاتے جائیں اور رخصت ہوتے جائیں (بلکہ ممکن ہو تو  
 بغیر کچھ کھائے پئے رخصت ہوتے جائیں)

سوگوار خاندان کے پاس روٹی کھانے کی دور جاہلیت والی رسم کو ختم کر دیں۔  
 جیسا کہ حضرت صادق آل محمد نے اسے دور جاہلیت کی رسم قرار دیا ہے۔  
 (وسائل الشیعہ)

مگر یہ کہ کوئی شخص دور سے آئے اور کوئی متبادل انتظام ممکن نہ ہو تو یہ

الگ چیز ہے (الضرورات تبیح المحذورات)

لیضاح | بعض وہ لوگ جن کو ہندو غم خود توحید کی زیادہ پاؤں لگ گئی ہے



یعنی وہ تعزیت کے وقت ہاتھ اٹھا کر میت کے لیے فاتحہ و دعا پڑھنے کو بھی بدعت قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ سنت ہے جیسا کہ بخاری ج ۲ ص ۶۱۹، مسلم ص ۳۳ پر مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنے صحابی عبید ابوعامر کی خبر وفات سن کر رفع یدیں ہاتھ اٹھائے اور ثم قال اللہم اغفر لعبید ابی عامر یعنی یا اللہ! ابوعامر کی مغفرت فرما۔ اسی طرح قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بھی جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے (ملاحظہ ہو مسلم ج ۱ ص ۳۱۳)

ج ۲ ص ۲۱۸)

۷) قل خوانی و ۸) تہجد ۹) دسویں  
۱۰) چھ ماہی ۱۱) برسی

دین اسلام میں اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ مرنے والے کا تین دن سوگ منایا جائے۔ اور تیسرے دن صاف ماتم اٹھالی جائے۔ اللہ اللہ خیر سلا۔ یہ قل خوانی (اور اس موقع پر کئی قسم کا کھانا کپڑے (اور وہ بھی کسی چھج یا تھال میں رکھ کر) کئی قسم کا پھل فروٹ دودھ شربت وغیرہ وغیرہ۔ (اور بعض اُمراد کے ہاں تو جہیز کی طرح "ست چھی" کا مکمل ساز و سامان) اور پھر سب کچھ پلے مولوی صاحب کے ساتھ رکھا جاتا اور جب وہ اپنے چرخہ وصول ہو جاتا ہے پھر اذکار پڑھ لیں اور نہ والے کوخت میں پہنچیں تو پھر سب سامان سیدھا ان کے گھر پہنچا دیا جاتا ہے۔ اسی طرح قل خوانی کے بعد دسواں، دسویں کے بعد بیسواں، اور سب ان کے چھ ماہی اور بعد ازاں چھ ماہی پھر سال کے بعد برسی اور اس موقع پر کھانے دانے کی بہتات ہم نے پوری دیانتداری کے ساتھ پورے گلشن شریعت کی سیر کی ہے۔ تمام اسلامی مکتبہ ہائے فکر کی مذہبی کتابیں دیکھی پڑھی ہیں مگر ہم یہ اقرار کرنے میں ذرہ بھر خجالت محسوس نہیں کرتے کہ ہمیں اس سلسلہ میں رائی کے دانہ کے برابر بھی کوئی چیز نہیں ملی! پھر یہ رسم کہاں سے آئی؟ کس طرح جاری



ہوئی، اس کا پس منظر کیا ہے؟ کچھ بھی تو معلوم نہیں ہے۔

یہ سب باتیں تاریکی میں ہیں لے دیکر جو کچھ سمجھ میں آتا ہے (خدا بدگمانی سے بچائے) وہ یہ ہے کہ یہ عہد غربت کے نیم خواندہ ملاؤں کی ذہنی اختراع ہے اور تنویرِ شکم کو پُر کرنے کا ایک بہانہ ہے اور کچھ بھی نہیں ہے افسوس سے حقیقت روایات میں کھو گئی : یہ اُمت خسوفات میں کھو گئی اور یہ رسم بھی صرف ہندو پاک میں رائج ہے، اتنی اسلامی ممالک میں اس کا کوئی نام و نشان بھی نہیں ہے۔ لہذا عین ممکن ہے کہ یہ رسم ہندوؤں کے ساتھ طویل تعلق کی وجہ سے ان کے تہجہ کو دیکھ کر ایجاد ہو گئی ہے۔ (کذا فی البراہین القاطعہ) لہذا ان رسموں کو ختم کرنا جملہ اہل ایمان کا مذہبی فریضہ ہے۔

۱۲۔ ان امور کے جواز کا طرہ ہے اور اگر کسی وجہ سے فی الجملہ یہ رسم ادا کرنا پڑے تو اس کی مذکورہ بالا خصوصیات و لوازمات کو نظر انداز کر کے صرف یہ سمجھ کر کہ نیک نیتی سے جو کچھ کارِ خیر مرنے والے کے لیے کیا جائے چونکہ اس کا ثواب اسے ملتا ہے اس لیے خواہ تیسرے دن ایصالِ ثواب کی نیت سے قرآن پڑھا پڑھایا جائے یا مجلسِ سید الشہداء پڑھی پڑھائی جائے یا غریبوں اور یتیموں کو کھانا کھلایا جائے اور خواہ اس کے قبل یا اس کے بعد اس مرنے والے کی روح کو فائدہ ہو یا نہ ہو اسلئے اجتماعی یا انفرادی طور پر پورا قرآن یا حسبِ توفیق اس کی چند سورتیں پڑھ کر مرحوم کی روح کو ایصالِ ثواب کر دیا جائے۔ شاید اس رسم کا نام "قل خوانی" غالباً اسلئے پڑ گیا ہے کہ اس میں بالعموم چاروں قُل پڑھے جاتے ہیں (واللہ العالم)

گو یہ رسم ہمارے ہاں نہیں ہے لیکن صرف بر سبیل تذکرہ عرض کیا جاتا ہے کہ برادران

۱۳۔ گیارہویں شریف :



اہلسنت اپنے پیران پیر کی ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو جو گیارہویں شریف کے نام سے رسم ادا کرتے ہیں۔ اس کی شرعی حیثیت بالکل کچھ بھی نہیں ہے بلکہ یہ محض بدعت ہے۔ کیونکہ مذرونیہ مالی عبادت ہے اور تمام عبادت کا مستحق صرف خداوند عالم ہے۔

ان سادہ لوح مسلمانوں کی حالت زار پر ترس آتا ہے کہ وہ ہر ماہ بڑے دھوم دھام سے پیران پیر کے نام کی گیارہویں شریف دیتے ہیں اور پیر صاحب انکو اداران کے امام اعظم کو اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں جہنمی قرار دیتے ہیں (ملاحظہ ہو غنیۃ الطالبین ص ۱۷۷ ضمن شمار جہنمی فرقہ ہائے باطلہ) اور نہ ہی خود پیر صاحب کسی یوم منانے کے قائل ہیں جیسا کہ انہیں یوم عاشورار کو یوم حزن و ملال منانے کی ممانعت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر جائز ہوتا تو پھر پیغمبر اسلام کا یوم وصال منانا بطریق اولیٰ جائز ہوتا۔

علاوہ بریں گیارہ تاریخ موصوف کی تاریخ وفات بھی نہیں کیونکہ ان کی تاریخ وفات کوئی ربیع الثانی کی ۸ تاریخ بتاتا ہے۔ تو کوئی ۹ تو کوئی ۱۰ بیان کرتا ہے تو کوئی سترہ۔ اور یہاں تو بالالتزام ہر ماہ کی گیارہ ہی منائی جاتی ہے جس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ یہ بے چارے تو صحر نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔

دراصل خلاف شرع کام کرنے کا انجام یہی ہوتا ہے۔

فاعتبروا یا ادلی الالبصار

کسی عزیز چیز کی جدائی پر غمناک ہونا اور اشک غم بہنا ایک ایسا فطری امر ہے جس سے

**جنس فزع کرنا**

کوئی زندہ بھی تو کوئی مصیبت زدہ آدمی رک نہیں سکتا۔ اس لئے دین فطرت نے



اسکے روکا ہی نہیں ہے۔ بے شک مصیبت زدہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ  
 روئے اور بیشک دل کھول کر روئے۔ یہ بے صبری نہیں، ہاں یہ کوشش  
 کرے کہ اپنے قول و فعل سے کوئی ایسی بات نہ کہے اور نہ کرے جس سے خدا  
 عادل و یکتا کی قضا و قدر پر ناراضی ظاہر ہوتی ہو۔ تاکہ وہ بات خدا کی ناراضی کا  
 باعث نہ بن جائے جیسے بال نوحنا، ران وغیرہ پر ہاتھ مارنا کپڑے بھاڑنا۔ اور  
 منہ سے ایسے ناشائستہ کلمات کہنا جن سے خدائی فیصلہ پر ناراضی ظاہر  
 ہوتی ہو جائز نہیں ہے اور ایسا کرنے سے جہاں مصیبت کا اجر و ثواب ضائع  
 و اکارت ہو جاتا ہے۔

وہاں الٹا آدمی عقاب عذاب کا مستحق بھی قرار پاتا ہے اسلئے ہر حال میں  
 آدمی کو صبر ضبط اور رضا و شکر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیئے۔  
 مگر مخفی نہ ہے کہ روایات آل محمد علیہم السلام میں وارد ہے کہ

## ایضاح

در کل جزع و فزع قبیح الا علی الحسین

کہ ہر قسم کی جزع و فزع قبیح ہے سوائے اس جزع و فزع کے جو  
 حضرت امام حسینؑ پر کی جائے کہ وہ قبیح نہیں ہے (وسائل، وافی)  
 تفصیل کے لیے تجلیات صداقت کی طرف رجوع کریں۔

۱۳: میت کے واجبات ادا نہ کرنا  
 مرنے والے کے ساتھ اس سے  
 بڑھ کر کوئی بھلائی نہیں کی

جاسکتی کہ اگر اس کے ذمہ خالق یا مخلوق کے واجب الادا حقوق ہیں تو ان کی  
 ادائیگی کا اہتمام کیا جائے۔ بلکہ بعض روایات میں تو یہاں تک وارد ہے  
 (اور اسی کے مطابق عام فتنہاء و کافروں کا بھی ہے) کہ مرنے والے کے وارث  
 جب تک اپنے مورث کے واجبی حقوق ادا نہ کریں اس وقت وہ شرعاً



اس کی جائداد کے مالک وارث ہی متصور نہیں ہوتے۔ مگر ہمارے ہاں ہوتا یہ ہے کہ مرنے والے کے واجبات کی ادائیگی کی طرف بالکل کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔ ہاں البتہ زیادہ سے زیادہ اس کے ایصالِ ثواب کی خاطر سال میں ایک آدھ مجلس پڑھا دی جاتی ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مجلس سیدالشہداء اگر صحیح طریقہ پر پڑھائی جائے تو کارِ ثواب ہے، اور بخشش گناہ کا ذریعہ ہے۔

مگر بایں ہمہ وہ ان واجبات کا نعم البدل تو نہیں ہے جو مرنے والے کے ذمہ ہیں اور جن کی ادائیگی اس کے ذمہ واجب ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مستحبات کی قبولیت کا دار مدار واجبات کی ادائیگی پر ہے مستحبی صدقہ اس وقت تک قبول ہی نہیں ہوتا جب تک واجبات ادا نہ کئے جائیں۔ مستحبی روزہ اس وقت تک شرف قبولیت حاصل نہیں کر پاتا جب تک واجبی روزے ادا نہ کئے جائیں۔

اور اسی طرح نوافل اس وقت تک بارگاہِ ایزدی میں مقبول نہیں ہو سکتے جب تک واجبی نمازیں ادا نہ کی جائیں کیونکہ

إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ  
خدا صرف متقیوں کا عمل مقبول کرتا ہے

اور واجبات کا تارک متقی نہیں ہوتا

میراث غلط تقسیم کرنا  
بالمعوم ہوتا یہ ہے کہ رائج الوقت ملکی قانون کے مطابق مرنے والے کی میراث تقسیم ہوتی

ہے جو عموماً شرعی نقطہ نگاہ سے غلط ہوتی ہے اسی وجہ سے کئی جائز وارث محروم ہو جاتے ہیں اور کئی ناجائز وارث مالا مال ہو جاتے ہیں۔ اہل ایمان کو



معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک قانون شریعت کے مطابق کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔ دیوی قانون ہزار بار دوائے اس کے وہ جائز وارث متصور نہیں ہونگے بلکہ وہ غاصب سمجھے جائیں گے۔ اور جب تک اصلی اور جائز وارثوں کو راضی نہیں کریں گے اس وقت تک شرعاً ان کے تمام تصرفات ناجائز سمجھے جائیں گے۔  
(واللہ العاصم)

ہندو مت کی رو سے ایک ہندو عورت کی یہ بد نصیبی ہے کہ وہ شادی کے خواہ دوسرے دن ہی بیوہ ہو جائے

بیوہ کا عقد ثانی نہ کرنا اور  
بیوہ کے بعد سلو کی کرنا

وہ دوسری شادی نہیں کر سکتی بلکہ اس کی چوڑیاں توڑ دی جاتی ہیں اور وہ بناؤ سنگھار نہیں کر سکتی دوپٹہ میلادڑھتی ہے اور وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں کے ساتھ اٹھ بیٹھ بھی نہیں سکتی گویا اس کے شوہر کے مرنے کے ساتھ اس کی جوانی کے جذبات بھی مر جاتے ہیں۔

یہ حقیقت بڑی افسوسناک ہے کہ ہندوؤں کے ساتھ میل جول اور ان کے ساتھ رہن سہن کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں بھی یہ چیز سراپت کر آئی ہے کہ وہ بیوہ کی عزت نہیں کرتے شادی بیاہ اور خوشی کی دوسری تقریبوں میں بیوہ کی موجودگی کو منحوس خیال کرتے ہیں۔ اس لئے ان تقریبات سے دور رکھتے ہیں اس غلط روش و رفتار کا نتیجہ ہے کہ بیوہ عموماً احساس کمتری اور احساس بد نصیبی میں مبتلا ہو جاتی ہے اور خود بخود میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس رہ کر اس قسم کی خوشی کی تقریبوں سے الگ تھلگ رہتی ہے اور اپنی حرمان نصیبی یا معاشرہ کی ستم ظریفی پر چپکے چپکے اشک غم بہاتی ہیں۔ بہر حال وہ بے چارے بیوہ کی زندگی عموماً اپنے میکے میں گزار دیتی ہے مگر وہاں



بھی اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ کیا یہ ستم ظریفی نہیں ہے کہ زندے مرد تو جب چاہیں اور جس قدر چاہیں۔ دوسری شادیاں کر لیں مگر مظلوم بیوہ کو اس کے اس فطری اور شرعی حق سے محروم سمجھا جائے؟ اور اگر کوئی بیوہ ظالم سماج کی اس ظالمانہ رسم کو توڑ کر عقد ثانی کر لے تو اس کے اس کا معاشرے میں اور بھی مقام گر جاتا ہے۔ اور اس کی رہی سہی کسر بعض علاقوں کی رسم ”بجارت“ پر ہی کر دی ہے۔

بہر نوع ہندوؤں کی دیکھا دیکھی رفتہ رفتہ مسلمانوں میں بھی یہ رسم بدستور نہ رہی ہے۔ نئے نئے لے کی بیوہ (خواہ ایک رات کی داہن ہو) عقد ثانی نہیں کرتی بلکہ عقد ثانی کرنے کو شان و فا کے خلاف جانتی ہے اور اگر وہ کرنا چاہے تو اس کے لواحقین راضی نہیں ہوتے معلوم ہونا چاہیے کہ سوچ کا یہ انداز سراسر غیر اسلامی ہے۔

اسلام کا قرآن تو یہ کہہ کر اپنے وابستگان کو عقد بیوگان کی ترغیب دلاتا ہے۔

وَأَنْكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ  
إِمَّا بِنِكَاحٍ أَوْ بِمَوَارِيثٍ يَفْضُلُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ  
وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ (پارہ ۱۸ سورۃ نور ع ۱)

اور اپنی رائیوں کے نکاح کرو اور اپنے قابل نکاح غلاموں اور کنیزوں کے بھی اگر وہ غریب نادار ہوں گے تو خدا ان کو اپنے فضل و کرم سے تو نگر بنا دے گا کیونکہ اللہ وسعت اور بڑے علم والا ہے)

اس آیت مبارکہ میں جہاں عقد بیوگان کی ترغیب دی گئی ہے وہاں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ غربت و مفلسی شادی کرنے میں رکاوٹ نہیں بننی چاہیے



کیونکہ خدا نے خوش خبری دی ہے کہ تم شادی کرو خدا تمہیں مالدار بنا دیگا۔  
 بانی اسلام نے بذاتِ خود بیوگان سے عقد ثانی فرما کر اس فعل کی  
 اہمیت و افادیت پر مہر تصدیق ثبت فرمادی ہے۔ جس کے بعد مزید کسی  
 ثبوت کی ضرورت نہیں رہتی۔ لہٰذا ان لوگوں کو اسوۂ حسنہ نبوکا کی  
 روشنی میں اپنی روش و رفتار پر نظر ثانی کرنی چاہیے جو اپنی جہاں سال عزیزوں  
 کی بیوگی کے بعد ان کے عقد ثانی کو شجرہ ممنوعہ سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس چیز  
 کے تصور سے بھی لرزہ بر اندام ہو جاتے ہیں۔

اور وہ خواتین بھی غور کریں جو اس سے پہلو ہٹی کرتی ہیں کہ جس رسول  
 کا وہ کلمہ پڑھتی ہیں ان کی ازواج کی اکثریت بیوگان پر مشتمل ہے۔ اب  
 آپ کی مرضی خواہ رسول کو غلط کار کہیں (العیاذ باللہ) اور دین اسلام  
 سے خارج ہو جائیں یا اپنی سوچ کے اس انداز کو غلط قرار دیتے ہوئے  
 عقد ثانی کرنے پر آمادہ اور تیار ہو جائیں۔

بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

ارباب بسط و کشاد کو سوچنا چاہیے کہ کیا خاوند کے  
 مرجع نے سے عورت کے جذبات بھی مرجاتے

لمحہ فکریہ

ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ اس ناروا اور غیر فطری اور غیر اسلامی پابندی سے  
 اس قدر گھناؤنے اور سنگین جرائم جنم لیتے ہیں کہ جن کا شمار نہیں کیا جا  
 سکتا اس لیے اس رسم بد کا قلع قمع کرنا ضروری ہے۔ تاکہ اس ظلم و تعدی  
 کا اور اس کے نتیجہ میں واقع ہونے والے جرائم کا خاتمہ ہو سکے۔ واللہ الموفق

کسی عزیز کی موت کو خدا کے فہر غصہ کی علامت سمجھنا نہ صرف

بلکہ اکثر خواص بھی اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ جانی یا مالی نقصان کا نہ ہونا دعوت



خدا ہونے کی اور اس کی رضا مندی کی علامت سمجھتے ہیں۔ اور مالی یا جانی نقصان کا ہونا یا کسی عزیز کے داغِ مفارقت دے جانے کو دشمنِ خدا ہونے اور اس کے قہر و غضب میں مبتلا ہونے کی نشانی جانتے ہیں اگر قرآن و حدیث اور پیشوایانِ خلق کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو صورتِ حال اس کے برعکس نظر آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جن کا کبھی جانی یا مالی نقصان نہ ہو۔ خدا ان پر اس قدر ناراض ہوتا ہے اور وہ خدا کی یاد و رحمت سے اس قدر دور ہوتے ہیں کہ رحمۃ للعالمین ان کے گھر میں کھانا بھی تناول نہیں فرماتے۔

(عین المیوۃ)

اور دوسری طرف یہ وارد ہے کہ

ان الله اذا احب عبداً ابتلا به بفقد احب اولاده  
 جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اسے سب سے زیادہ پیاری اولاد کے صدمہ میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(رسالہ مسکن الفؤاد از شہید ثانی)

بعض روایات میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص اس قدر اولاد و احفاد چھوڑ جائے کہ اس کی اولاد میں سے ایک ہزار مسلح نوجوان امام زمانہ کے ہمراہ ہو کر اعلامِ کلمۃ الحق کی خاطر جہاد کریں تو جو اجر و ثواب اس شخص کو ملے گا۔ اس سے زیادہ ثواب اس شخص کو ملتا ہے۔ جس کا ایک بچہ اس کی زندگی میں مرجائے اور وہ اس کی موت پر صبر کرے (حلیۃ المتقین)

بعض اخبار و آثار میں وارد ہے کہ بروز قیامت جب خداوند عالم صغیر سستی میں مرنے والے بچوں کو جنت الفردوس میں داخل کرنے کا حکم دیگا۔ تو وہ دروازہ جنت پر رُک جائیں گے اور یہ کہہ کر جنت میں داخل ہونے



سے انکار کر دینگے اور کہیں گے کہ ہم کس طرح بہشت میں داخل ہوں جبکہ ہمارے والدین عرصہ قیامت کے مصائب میں گرفتار ہیں۔ اس وقت خدا مجھے رحم فرمائے گا کہ یہ بچے سچ کہتے ہیں۔ پہلے ان کے والدین کو جنت میں داخل کرو۔ پھر ان کے پہلے ان کے ماں باپ جنت میں داخل ہوں گے اور پھر وہ بچے داخل ہونگے (سراج الشیعة شرح لمعة وغیرہ)

ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ کسی جانی یا مالی نقصان کا نہ ہونا دشمن خدا اور ان نقصانات کا ہونا دوست خدا ہونے کی علامت ہے۔ نیز واضح ہے کہ احادیث میں وارد ہے کہ یہ امتلا و امتحان ایمان کی شدت و ضعف کے مطابق ہوتا ہے

اشد الناس بلاءً الانبياء ثم الاقمل فالامثل۔  
یعنی سب سے زیادہ مصائب شدائد انبیاء پر نازل ہوتے ہیں۔  
پھر درجہ بدرجہ اہل ایمان پر کیونکہ سحر

دیتے ہیں بادۂ ظرف قدح خوار دیکھ کر  
بہر حال ضرورت اس چیز کی ہے کہ اس بدعتی سوچ کا زاویہ تبدیل  
کیا جائے اور اسلامی سوچ کا انداز اپنایا جائے۔

۱۴۔ منشی ماتم اور بن کرنا؛  
مرنے والے کے غم فراق اور  
دوسرے جلائی میں رونا اور اظہار غم

کرنا ایک فطری امر ہے اور دین اسلام جو کہ دینی فطرت ہے اس سے ہرگز منع نہیں کرتا۔ یہ بات اپنی جگہ پر مسلم الثبوت ہے ایک فطری امر ہے اور یہ اس بے صبری میں داخل نہیں ہے جس سے شریعت مقدسہ میں روکا گیا ہے۔ اور یہ خیال کرنا کہ کسی میت پر رونے سے میت کو عذاب ہوتا ہے نص



قرآنی (اَلَا تَزِدُّوْا زِرَّةً وَّزِرَّةً اُخْرٰی) کے مخالف ہونے کی بناء پر قابل قبول نہیں ہے۔

مگر ایسے مواقع پر فطری چیز کو ایک ڈرامہ کی شکل دیتے ہوئے ماتم اور بین کرنا اور ان مخصوص قسم کی عورتوں کی خدمات حاصل کرنا جن کا پیشہ ہی اجہت پر ماتم اور بین کرنا ہوتا ہے — وہ آئیں اور منہ سوں انداز میں چھینیں مار کے روئیں، منہ پیٹیں اور بال نوچیں اور پھر مرنے والے کی جھوٹی سچی خوبیاں بیان کریں۔

اور جب ایک نیم تھک جائے تو دوسری ٹوٹی آجائے یہ قطعاً غلط ہے اور مضحکہ خیز نمائشی ماتم ہے جس کا شرعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ لہذا اس سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔

۱۷۔ سوگوار خاندان میں پر تکلف دعوت کا اہتمام کرنا مرنے والے کی روح کو ایسا

ثواب کے لیے غبار و مساکین کو جو کچھ کھلایا پلایا یا پہنایا جائے خوب ہے کا ثواب ہے۔ قابل صد ستائش ہے۔ مگر اپنی شانِ امارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہلے سیوم پھر چہلم اور بعد ازاں چھ ماہی اور برسی وغیرہ۔ مواقع پر پر تکلف دعوتوں کا اہتمام کرنا۔ اور شادی کی تقریب کی طرح غم کے اس موقع پر عزیز واقارب، دوست احباب، بالخصوص بیروں اور مولویوں کی شاندار ضیافت کر کے روپیہ پیسہ برباد کرنا یقیناً فضول خرچی میں داخل ہے۔ جس کا مالدار طبقہ تو پھر بھی متحمل ہو سکتا ہے مگر غریبوں کا تو جنازہ نکل جانا ہے۔ شادیوں کی غلط رسوم کی طرح غمی کا ان رسموں کی ادائیگی کی وجہ سے لوگ قرض کے بھاری بوجھ تلے دب کر رہ جاتے ہیں۔ اور مدتوں تک اس کا خمیازہ بھگتے رہتے ہیں۔



لہذا اگر عزیز و اقارب غمزدہ گھر کھانا بھیج نہ سکیں تو کم از کم خود توان پر  
 بوجھ نہ بنیں۔ الخوض سے! اس رسم بد کا اور اس بدعت کا خاتمہ ضروری ہے  
 تاکہ سوگوار خاندان دوہری مصیبت سے بچ جائے

## ۱۸: چار جمعرات کا اہتمام کرنا

ہر وقت بالعموم اور ہر شب جمعہ کو  
 بالخصوص شریعت مقدسہ میں اپنے

مرنے والوں کے ایصالِ ثواب کے لیے حسبِ حیثیت کچھ نہ کچھ صدقہ و خیرات  
 دینے کی بہت تاکید اور بہت ثواب وارد ہے۔ مگر عام رسم یہ ہے کہ مرنے  
 کے بعد صرف چار جمعرات یعنی رسم چہلم کی ادائیگی تک ہر شب جمعہ کو زردہ اور  
 پلاؤ وغیرہ پر تکلف کھانے تیار کر کے مستحقوں میں کم اور غیر مستحقوں میں زیادہ  
 تقسیم کیے جاتے ہیں (جو محض ایک رسم بن کر رہ گئی ہے)

مگر چہلم کے بعد مرنے والوں کو بالکل بھلا دیا جاتا ہے۔ یہ غیر اسلامی  
 انداز فکر ہے جس سے پہلو تہی ضروری ہے بلکہ ایسا کرنا چاہیے کہ مدتِ العمر  
 شب جمعہ گھر میں غروبِ آفتاب سے قبل روشنی کا انتظام کیا جائے۔ گھر میں  
 جھاڑو وغیرہ دیکر اسے صاف کیا جائے اور مرنے والے کے ایصالِ ثواب کی  
 خاطر حسبِ توفیق غریبوں اور مسکینوں کی کچھ خدمت کی جائے۔ جس خدا اور  
 اس کا رسول اور ائمہ ہدٰی۔ یہ بھی خوش ہوں گے۔ اور مرنے والے کی روح بھی  
 شاد کام ہوگی انشاء اللہ

## ۱۹: جنازہ خواں، غسل اور گورن کو اجرت دینا

چونکہ میت کے تمام احکام  
 از قسم غسل و کفن، دفن اور جنازہ وغیرہ زندوں پر واجب کفائی ہیں اور اپنے اجبات کی  
 ادائیگی پر اجرت لینا بالاتفاق حرام ہے اس لیے بعض علاقوں میں جو گورن،



غسل اور جنازہ پڑھانے والے کو بطور اجرت مخصوص رقم یا مخصوص چیز دی جاتی ہیں۔ اس اجرت کا دینا بھی اور اس کا لینا بھی شرعاً حرام ہے اس لیے اس سے اجتناب لازم ہے ہاں کسی اور عنوان سے مثلاً ان لوگوں کی آن کو غریب و مسکین اور بے لوث خدمت گزار سمجھ کر (قرۃ الی اللہ) کچھ خدمت کر دی جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مگر اجرت اور چیز ہے۔ اور فی سبیل اللہ خدمت کرنا اور چیز؟ (واللہ الموفق)

۲۰: شبِ برات اور روزِ عاشورا کا فاتحہ: کچھ لوگ حلوہ

اور زردہ وغیرہ پکا کر اور تقسیم کر کے مُردوں کو ایصالِ ثواب کرتے ہیں اور قبرستان میں جا کر قبروں پر فاتحہ پڑھتے ہیں۔

اس طرح کچھ لوگ ایامِ عزاء بالخصوص روزِ عاشورا قبرستان میں جا کر قبروں پر از قسمِ ال وغیرہ اناج ڈالتے ہیں۔ ان رسموں کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں ہے ہاں مرنے والے کے ایصالِ ثواب کے لیے جب کبھی کوئی کارِ خیر انجام دیا جائے اس کا ثواب اس کو پہنچ جاتا ہے۔ ان تارخیوں کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اور نہ ہی بلا دلیل شرعی اس قسم کی تعین جائز ہے۔

۲۱: مرنے والے کے سر ہانے قرآن رکھنا بعض علاقوں میں یہ رسم جاری ہے کہ جب

کوئی مرنے والا سر ہا ہو تو اس کے پاس قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اور جب اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر جاتی ہے تو قرآن اس کے سر ہانے رکھ دیتے ہیں اگرچہ قرآن خوانی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے مگر



اسکے سر بلے قرآن رکھنا علاوہ اس کے کہ یہ امر شرعاً وارد نہیں ہے اُلٹا اس کے توہینِ قرآن کا پہلو نکلتا ہے لہٰذا اس کا اجتناب کرنا چاہیئے۔

## ۲۲: کھانا یا پھل فروٹ سامنے رکھ کر اس پر ختم دینا منجملہ ان رسموں کے جو متحدہ

ہندوستان میں ہندوؤں کے ساتھ میل جول کی وجہ سے مسلمانوں میں پیدا ہوئیں اور کسی اسلامی ملک میں آج تک رائج نہیں ہیں ایک رسم کھانا یا پھل۔۔۔ فروٹ سامنے رکھ کر اس پر مخصوص سورتیں پڑھ کر ختم دینا اور ایصالِ ثواب کرنا جو کہ فاضل ہندوانہ رسم ہے جسے وہ ”سرادھ“ کہتے ہیں کہ جب سرادھ کا کھانا تیار ہو جائے تو وہ پنڈت کو بلواتے ہیں جو اس کھانے پر بید پڑھتا ہے (از تحفۃ الہند ص ۹)

ہماری رسم میں فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں پنڈت پڑھتا ہے یہاں ملا پڑھتا ہے۔ وہ بید پڑھتا ہے یہ قرآن پڑھتا ہے۔ بید کی جگہ قرآن اور پنڈت کی جگہ ملا نے لے لی ہے ویس۔

یہاں تک سرکارِ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کی مقدس سیرت کا تعلق ہے تو باوجود تتبع و تفحص کے — ان کے ہاں اس کا کوئی نام و نشان بھی نہیں ملتا۔ ہاں قرآن خوانی کا ثواب الگ ملتا ہے اور ا طعام طعام کا ثواب الگ ہے بشرطیکہ مستحق کو کھلایا جائے — بہر حال دونوں کو یک جا کرنا ہندوانہ رسم ہے اور لمہو جب

من تشبہ بقوم فهو منهم

یہ بدعت ہے جس سے احتراز لازم ہے۔ طرفہ تشریف ہے کہ اگر روپیہ کپڑا یا عندہ وغیرہ ایصالِ ثواب کے لیے دیا جائے تو اسے تو سامنے



رکھ کر اس پر کچھ نہیں پڑھا جاتا لیکن اگر کھانا یا شیرینی دینا ہو تو اس کو سامنے رکھ کر اس پر کچھ پڑھا ضروری سمجھا جاتا ہے، اس فرق کی کیا شرعی دلیل ہے؟  
 بیوا تو حبر و احوال

نہ سمجھو گے تو پھر سمجھو گے تم یہ چیتان کب تک؟

منجملہ ان بدعات کا جن کا تعلق میت سے ہے ایک غائباً

۲۳: غائبانہ نماز جنازہ پڑھنا

نماز جنازہ بھی ہے — ہمارے مذہب کے مسلمات میں سے ہے کہ نماز جنازہ کے شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ میت نماز گزار کے سامنے حاضر اور موجود ہو۔ لہذا غائب پر نماز جنازہ نہیں پڑھی جاسکتی۔

ہر دور ہر زمان اور ہر مکان میں ہمارا اسی پر عمل رہا ہے۔ مگر اب بعض اوقات یہ سننے میں آتا ہے کہ فلاں جگہ فلاں کی موت پر ہمارے بعض لوگوں نے دوسرے بعض مسلمانوں کی دیکھا دیکھی اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہے اگر یہ امر مشروع ہوتا تو جناب رسول خدا اور ائمہ ہدایت ضرور ایسا کرتے لیکن جب انہوں نے بدعت العترت نہ ایسا کیا ہے اور نہ ہی اس کی اجازت دی ہے تو پھر اس کی بدعت محرمہ ہونے میں کیا اشکال باقی رہ جاتا ہے؟ بنجاشی کی موت پر آنحضرتؐ نے صرف دعائے مغفرت فرمائی تھی۔ جسے حقیقت حال سے ناواقف لوگوں نے غلطی سے نماز جنازہ سمجھ لیا جو محض غلط ہے لطف یہ ہے کہ جو لوگ اس پر عمل پیرا ہیں ان کے مذہب میں بھی یہ ناجائز ہے ان کے علماء پیغمبرؐ رہے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور ناجائز ہے چنانچہ فاضل بریلوی ایسے ہی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔ رد مذہب مہذب حنفی میں جنازہ غائب پر بھی محض ناجائز ہے ائمہ حنفیہ







نے اس موقع پر اذان نہیں دی تو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ یہ امر نہ صرف یہ کہ خلاف سنت ہے بلکہ صریح بدعت ہے جس سے اجتناب واجب ہے۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الہدٰی ویقتع غیر سبیل الہو منین فاولئک ما توفیٰ وفضلہم جہنم وساءت مصیرا ہ

بعض اسلامی فرقوں میں یہ بھی رائج ہے کہ وہ اذان یا اس کے علاوہ

**۲۵: اذان میں یا اس کے علاوہ آنحضرت کا نام سن کر انگوٹھے چومنا**

آنحضرت کا نام نامی واسم گرامی سن کر اپنے ہاتھوں کے انگوٹھے آنکھوں پر لگاتے ہیں اور چومتے ہیں۔ حالانکہ قرآن و حدیث یا عمل رسول و عمل ائمہ علیہم السلام یا عمل صحابہ کرام سے اس کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ملتا اس قسم کا جو ایک آدھ واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ وہ محقق علماء کے نزدیک موضوع ہے (ملاحظہ ہو تذکرۃ الموضوعات ص ۳ و موضوعات کبیر ص ۵) لہذا اس بدعت سے احتراز لازم ہے ہاں البتہ ان کا نام نامی سن کر پڑھ کر اور نام لے کر درود شریف پڑھنا مستحب ہو کہ ہے لہذا یہ سنون کام کرنا چاہیئے۔

بعض علاقوں میں

**۲۶: قبرستان میں رقم یا گندم یا شیرینی تقسیم کرنا** یہ رسم ہے کہ کچھ

لوگ قبرستان میں رقم (کچھ مسجد کے لیے اور کچھ غریبوں کے لیے) اور بعض لوگ گندم کی مخصوص مقدار اور بعض شیرینی کی خاص مقدار تقسیم کرنے کو لازم سمجھتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میت کے ایصالِ ثواب کے لیے کوئی بھی



کار خیر انجام دینا اچھا ہے۔ مگر جب برضا و رغبت خود ہو لیکن اگر برادری  
 کی رسم سمجھ کر طوعاً کرہاً اسے انجام دیا جائے تو پھر یہ بدعت اور غلط رسم  
 کے زمرہ میں آجاتا ہے جس کا ختم کرنا ضروری ہے (واللہ الموفق)

قد جاءكم بصائر من ربكم فمن البصر فلنفسه ومن عی  
 فعلیہا فما انا علیکم لہ کیل

SIBTAIN.COM



## آٹھواں باب

### ان غلط رسوم کا بیان جو مختلف موضوعات سے متعلق ہیں

جب بفضلہ تعالیٰ سابقہ الباب میں قرآن مجید ان تمام غلط رسوم کا تذکرہ کیا جا چکا ہے جو خاص خاص موضوعات سے متعلق تھیں۔ تو اب ذیل میں ان بدعات اور غلط رسومات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو معاشرہ کے مختلف گوشوں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق ہیں اور جنہیں عامۃ الناس ایک شرعی فریضہ کی طرح اہمیت دیتے ہیں اور پھر بڑے اہتمام سے بجالاتے ہیں۔

۱۔ ۲۲ رجب کے کوٹے

بمحلہ ان غلط رسوم کے ایک ۲۲ رجب کے کوٹے بھی ہیں یہ رسم پہلے پہل ہندوستان سے نکلی اور پھر رفتہ رفتہ مختلف ممالک میں پھیل گئی اور روز بروز پھیل رہی ہے مرزا صاحب نے اپنے انٹرویو میں تسلیم کیا ہے کہ وہ اس کی ایجاد کے معنی گواہ ہیں کہ ان کے سامنے لکھنؤ میں ایجاد ہوئی۔

اگر کسی دشمن خدا و مصطفیٰ و آلِ عبا کی ہلاکت پر خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یا کسی امام عالی مقام کی بارگاہ میں بدیہ ثواب پیش کرتے ہوئے کچھ حلوہ پوری پکایا جائے یا کھا لیا جائے یا اہل ایمان کو کھلا دیا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ بلکہ کئی اعتبار اسکی بجا آوری اچھا کام ہے۔ مگر اس عمل کے لیے جو خصوصیات وضع کی گئی ہیں یا جو شرائط مقرر کی گئی ہیں مثلاً تاریخ



۱۲ رجب ہی ہو، مٹھائی کی مقدار متعین ہو۔  
 مثلاً (سوا سیر شکر، سوا سیر گھی) پھر اسے خاص طریقہ پر پکایا جائے  
 خاص خاص آدمیوں کو بلا کر کھلائی جائے، اسے مکان سے باہر نہ لے  
 جایا جائے اور جب کوٹڈے تیار ہو جائیں تو ان پر کسی فرضی لکڑہارے  
 کے بے سرو پا، اور بالکل بے بنیاد قصہ بلکہ افسانہ ضرور پڑھا جائے یہ التزام  
 ہرگز جائز نہیں ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان خصوصیات اور ان شرائط نے ان ...  
 کوٹڈوں کو ناجائز بنا دیا ہے اور انہیں تشریح محترم کے زمرہ میں  
 داخل کر دیا ہے۔ سنیں اس طمع و لالچ نے بھی خلوص کا خزانہ کمال  
 دیا ہے کہ ہر کوٹڈے پکانے والے کو لکڑہارے کے من گھڑت قصے  
 میں بیان کردہ واقعہ کی طرح کسی دینہ یا خزینہ کے ملنے کی تمنا  
 و آرزو ہوتی ہے یعنی بالعموم یہ کام قربت الی اللہ انجام نہیں دیا  
 جاتا۔ بلکہ قربت الی الدنیا کیا جاتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے۔  
 وَمَنْ كَانَ يَرْيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي  
 الْآخِرَةِ مِنْ نَصيبٍ ۝

”جو شخص دنیا چاہتا ہے تو ہم اسے عطا کر دیتے ہیں مگر آخرت میں  
 اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔“

جس طرح پہلے کئی بار اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے  
 کہ ہر وہ عمل، ہر وہ وظیفہ اور ہر وہ عبادت جو سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام  
 سے بطریق معتبر ہم تک نہ پہنچے۔ یا جو شرائط و خصوصیات شرعی طور پر  
 ثابت نہ ہوں۔ ان کو اپنی طرف سے ہرگز وضع نہیں



کیا جاسکتا۔ ورنہ وہ عمل بدعت بن جائیگا۔ یا تشریح محرم کے  
زمرہ میں داخل ہو جائے گا۔

بنا بریں اس خاص عمل کے اس خاص طریقہ پر بجالانے سے اہل  
ایمان کو اجتناب لازم ہے۔ ہاں جب یہ شرائط اور خصوصیات ختم کر دی  
جائیں تو مذکورہ الصّدّیّت سے اس کھانے کے پکانے اور اس کے کھانے  
کھلانے میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

قل هل عندکم من علم فتخرجوا لنا ان تلعبون

الا الظن وان انتم الا تخرصون

(۲) نیاز بی بی پاک  
اس نیاز کی حقیقت بھی ۲۲ رجب کے  
کوئٹہ سے اور بکٹھارے کے فرضی قصبے

سے قطعاً مختلف نہیں ہے۔ یہاں بھی مخصوص طریقہ پر کچھ نیاز  
تیار کی جاتی ہے۔ پھر اس پر ایک خود ساختہ معجزہ پٹھا جاتا ہے اور پھر  
وہ نیاز صرف مستورات کو کھلائی جاتی ہے کوئی مرد یہ نیاز نہیں کھا  
سکتا کیونکہ وہ بی بی پاک کی طرف منسوب ہے۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ جو خاندان زمانہ جاہلیت کی غلط رسموں  
کے مٹانے اور حقائق و معارف اسلام پھیلانے کے لیے آیا تھا۔ آج  
انہی کے نام پر رسوم جاہلیت کا احیاء کیا جا رہا ہے اور جن کے ذوات  
مقدسہ کے مستند معجزات سے بڑی بڑی ضخیم کتابیں چھلک رہی ہیں۔  
ان سب کو نظر انداز کر کے خود ساختہ اور بے بنیاد معجزے بیان  
کر کے اس خاندان کی عظمت و جلالت کو جاگر کرنے کی بجائے ان کی  
جلالت کو بٹہ لگایا جائے۔ اور لوگوں کو ان کے واقعی معجزات و کرامات پر



چہ میگوئیاں کرنے کا موقع فراہم کیا جائے۔  
 اور جو معظّمہ بی بی اپنے دستِ حق پرست سے خود آٹا پیس کر خود گوندھ  
 کر اور خود پکا کر سائلوں اور غیر سائلوں کو کھلاتی تھیں۔ اور وہ کھاتے تھے۔ آج  
 ان کے نام پر پکی ہوئی نیاز کو مرد کھانے کے روادار نہیں ہیں اگرچہ مومن  
 بھی ہوں اور سید بھی۔ (انّ هذا الا اختلاق)

ع

بسوختِ عفتل ز حیرت کہ این چہ لوبا عجیبی است  
 آیا قانونِ شریعتِ محمدیہ میں اس کا کوئی جواز ہے؟ آج علمی انحطاط، تحقیق  
 کے فقدان، اور اہل علم کی غفلت اور بے حسی کا یہ نتیجہ ہے کہ مارکیٹ  
 میں کوئی علمی و تحقیقی کتاب تو ڈھونڈے سے نہیں مل سکتی اور اگر ملتی ہے  
 تو اس کا کوئی خریدار نہیں ہے۔ مگر لکڑہارے کا قصہ ”مجزہ بی بی پاک“  
 ”بی بی پاک کے دس مجزے اور انہم کے دوسرے رسالے اور بے سر پا قصے  
 کہانیاں ہر کتب فروش کے پاس دستیاب ہیں اور دھڑا دھڑ بک رہے  
 ہیں۔ آج تحقیق کا فقدان ہے، جہاں کی تقلید عام ہے  
 علم برائے نام ہے اور جہالت تمام وعام ہے والی اللہ المشتکی۔

دعا ہے کہ خداوندِ عالم قوم کو خوابِ غفلت سے جگائے اور اسے اپنی  
 بہو بیٹیاں کو تلقینِ حق کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو ان رسوم کی بجا آوری  
 میں مردوں سے بھی دوڑا تھ آگے ہیں۔

حافظِ وظیفہ تو دعا گفتن است پس : در بند این مباش کس شنید یا نہ شنید



(۳) **عرس اور میلے** عرس کے لغوی معنی تو طعام ولیمہ اور نکاح و شادی کے ہیں مگر ہمارے عرف عام میں کسی بزرگ کی

تاریخ وفات پر اجتماع اور میلہ قائم کرنے کو کہا جاتا ہے۔

یہ چیز پہلے متحدہ ہندوستان اور اب ہندو پاک کے خصوصیات میں سے ہے کہ یہاں بزرگوں کے مزارات پر مقررہ دنوں میں سالانہ عرس منائے جاتے ہیں۔ جن کی حیثیت ایک میلے کی ہو کر رہ گئی ہے جسے سادہ لوح مسلمان ایک بڑی عبارت سمجھ کر عرفات، مزدلفہ اور منیٰ کی طرح جمع ہوتے ہیں اور سفر حج کی طرح جوق در جوق جاتے ہیں جو کہ ایک بدعت مستحدثہ ہے۔ اگرچہ کہا تو یہ جاتا ہے کہ یہ عرس کسی دلی اللہ کے عقیدت مندوں کے لیے احتساب نفس، تجدید بیعت، اور تعلیم و تعلم کی خاطر قائم کئے جاتے ہیں۔ مگر موجودہ عرسوں میں یہ چیزیں تو کہیں نظر نہیں آتیں یہاں تو وہ خلاف شریعت بلکہ خلاف انسانیت بلکہ آدمیت سوز افسانہ اعمال اور برکات کے نام پر وہ ناشائستہ حرکات کئے جاتے ہیں کہ جن کا تصور بھی ایک درد قوم و ملت رکھنے والے مسلمان کے لیے لرزہ بر اندام کرنے کے لیے کافی ہے۔

کیا عرض کیا جائے کہ عرس اور میلے کے نام سے خدائے رحمن کو ناراض اور شیطان کو خوش کرنے کے لیے کیا نیا گل کھلائے جاتے ہیں بس کسی واقف حال سے رب رسول کا واسطہ دے کر پوچھیے سب سر بستہ راز گھل جائیں گے ہماری ثقت سماعت و ادایت تو یہ ہے کہ عرسوں میں

**دا زندہ اور مردہ بتوں کو سجدے کئے جاتے ہیں** یعنی قبروں پر بھی سجدے اور بزرگوں کے نام کی



خیرات پر پلنے والے سجادہ نشینوں کے غلیظ قدموں پر بھی جبین ہائے  
نیاز جھکتی ہیں۔ اور اس طرح کفر و شرک کا برملا عملی مظاہرہ کیا جاتا ہے  
اور جن لوگوں کی متکبر گردنیں کبھی خالق کے درِ دولت پر نہیں جھکتیں ان کو  
یہ قدرتی سزا دی جاتی ہے۔ جو کہ شرک جہلی ہے۔

حالانکہ امام اہل سنت فاضل بریلوی نے مسجدِ تعظیمی کے حرام ہونے  
پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہے ”الزبدۃ الزکیۃ فی  
تحذیر سجدۃ التحیۃ“ جس میں انہوں نے قرآن مجید کی کئی آیات  
چالیس مستند روایات اور ایک سودشلف فقہی نصوص اور بزرگانِ دین  
کے اقوال سے اس کی حرمت ثابت کی ہے۔ اور سجدہ عبادتی کو کفر و شرک  
اور سجدہ تعظیمی کو حرام و گناہ کبیرہ ٹھہراتے ہوئے فقہاء کی ایک جماعت  
اس کا باعث کفر ہونا بھی نقل کیا ہے سنن عوام ان اصحابِ قہر  
کو حاجت روا سمجھ کر ان سے داد و فریاد کرتے ہیں اور انہی کی خوشنودی کا  
پرچاندہ حاصل کرنے کے لیے یہ سب اہتمام کرتے ہیں جو کہ بجا۔ بے خود شرک سے  
اور نادانانہ عفو گناہ ہے۔

(۲) قبروں پر بھاری بھر کم نذرانے اور چڑھاؤے چڑھا جاتے ہیں کوئی دُنبہ

بے تلوئی ٹکھی کاٹین لارہے، کوئی آٹے کی بودی لارہے تو کوئی نوٹوں کی تھپیاں  
پیش کر رہے۔ دعائی ”بذا القیاس“۔

اور پھر سنگر سے دال پھلکا کھا کر جب پس جاتے ہیں تو پیر کی کرامات  
کے یہ کہہ کر گن گاتے ہیں۔

در سبحان اللہ! اتنے ہزار کا مجمع تھا ہر آدمی سنگر سے کھانا کھا ہا تھا۔ نہ



معلوم! یہ رزق کہاں سے آ رہا تھا اور کہاں جا رہا تھا۔

اس سادگی پہ کون نہ مرجئے اے خدا

سچ ہے کہ دنیا کی یہ تمام رونقیں احمقوں کے دم قدم سے ہیں۔

لَوْلَا الْحَقُّ مَقَالَتُ الدُّنْيَا

”اگر احمق نہ ہوتے تو دنیا کی رونق ختم ہو جاتی“

الغرض سے

چوں احمق در دنیا باقی است۔ کس مفلس نمی ماند۔

حالانکہ یہ نذر و نیاز مالی عبادت سے ہے۔ اور ہر قسم کی عبادت کا مستحق

صرف خدائے ذوالجلال ہے۔ خلاصہ یہ کہ اس طرح لات و منات کے

پہنچاریوں کی یاد تازہ کی جاتی ہے اور اسلامی تعلیمات کا مذاق اڑایا جاتا

ہے کیونکہ اسلام میں اس چیز کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بلکہ غیر اللہ

کے نام کی نذر و منت بالاتفاق حرام ہے۔

زندہ پیر کے نذرانے اس کے علاوہ ہیں جو مندروں کے مہنتوں کی طرح

پڑھانے وصول کرتا ہے۔ ان نذرانوں میں اور چیزوں کے علاوہ۔ بعض

اوقات عصمتوں کے آگینے بھی شامل ہوتے ہیں۔ (العباد باللہ)

جو راگ و رنگ کی بدلی ہوئی

شکل کا دوسرا نام ہے بلکہ

(۳) ان مواقع پر قوالیاں بھی ہوتی ہیں

صریحا راگ و رنگ باجا گا جا اور ان میں طبلہ سازگی وغیرہ آلاتِ غنا و ادوات

لہو و لعب کا ارتکاب ہوتا ہے جو الگ حرام ہیں۔ اگر بعض صوفیاء کے نزدیک

سماع جائز بھی ہے تو وہ وہ ہے جو مزامیر و معازف (چنگ و باب) سے

خالی ہو۔ اور اگر چنگ و باب ہمراہ ہو تو اس کی حرمت پر سب کا اتفاق ہے



چنانچہ ان کے مجدد الف ثانی لکھتے ہیں

” سماع ورقص فی الحقیقت داخل لہو و لعب است نوایات

واحادیث فقہیہ در حرمت و غنا بسیار است بحدیکہ احصاء آن ....

متعذراست نقیض ہے، بیچ وقتے و زمانے فتوے باباحت مرد و زنا

ورقص و پاکوبی را مجوز ندانستہ و عمل صوفیاء در حل حرمت سند

نیست الی آخرہ -

(مکتوبات مجدد دفتر اول مکتوب ۲۶۶)

(۴) ان عرسوں پر خبریاں اور کنج جمع ہوتے ہیں اور ناپختہ اور گتے ہیں <sup>آلات لہو</sup> و لب

طاؤس رباب بجاتے ہیں۔ اور لوگوں کو دعوت گناہ و عسبیاں دیتے ہیں۔ اور اس طرح ناچ گا کر بزرگوں کی بارگاہ میں اپنی عقیدت کے پھول پنچا کر کرتے

ہیں۔ اور یہ کام بجائے خود کئی حرام کاموں کا مجموعہ ہے۔ بلکہ عرسوں میں عامۃ الناس کو ترغیب دینے کے لیے بڑے اہتمام سے طوائفین اور فاحشہ

عورتیں جمع کی جاتی ہیں تاکہ اس طرح مسلمانوں کے مال پر ہاتھ صاف کیا جاسکے

یہی وجہ ہے کہ عوام کا لالچام کی اکثریت اسی تعیش و دماغی اور مادی تسکین کی

خاطر ان عرسوں میں شامل ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ لوگوں کا یہ جیم غیفر اذان میں حی علی الصلوٰۃ کی ایمان افشا آواز

سنکر اس طرح چھٹ جاتا ہے جس طرح تیز ہواؤں کے چلنے سے بادل چھٹ جاتے

ہیں۔ اور یہ چیز کسی قوم کے زوال کی علامت ہے۔

آج کل کو تباؤں میں تقدیر اُٹھ گیا ہے : شمشیر و سناں اول طاؤس رباب آخر



**۵) زنا و بدکاری عام ہوتی ہے** بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کے مقامات اب بدکاری

کے اڈے بن گئے ہیں۔ بوالہوس لوگ یہاں آکر وادعیش و عشرت دیتے ہیں۔ اور عذر

رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

والا معاملہ ہوتا ہے۔

**۶) منشیات کا استعمال عام ہوتا ہے** بھنگ، چرس، افیون، ہیروئن بلکہ شراب تک

عام چلتی ہے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہاں صاحب مزار کے تقرب کی نیت سے جو اٹھا گھٹا، وغیرہ قسم کے چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں ان کا کھانا بھی حرمت میں ہو جب و ما اہل بہ لغیب اللہ بھنگ اور شراب کے کم نہیں ہے۔

۷) تماش تو خیر عام ہوتی ہے بلکہ وہاں تو شطرنج جیسے خلاف اسلام محرمات الہیہ کا عام ارتکاب کیا جاتا ہے۔

۸) قبروں اور مزاروں کا طواف کیا جاتا ہے۔ حالانکہ شریعت اسلامیہ میں کعبۃ اللہ

کے سوا کسی بھی چیز کا طواف کرنا ایسا مسلمہ حرام ہے کہ بریلوی حضرات کے پیر مرشد جناب احمد رضا خاں نے بھی اسے تسلیم کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

بلاشبہ غیر کعبہ معلومہ کا طواف تعظیمی ناجائز ہے اور غیر خط

کو سجدہ ہماری شریعت میں حرام ہے۔

(ملاحظہ ہو احکام شریعت صفحہ ۱۲۱)

۹) مردوں عورتوں کا بے پردہ عام اختلاط ہوتا ہے جو تمام خرابیوں کی جڑ ہے

اور بہت سے لوگ فسق و فجور اور حظ نفس حاصل کرنے کے لیے دہاں جاتے ہیں



اور بد معاش عورتیں اور مرد جنات اور آسیب اتروانے کے بہانے ہاں جاتے ہیں۔ اور پھر داد عیش دیتے ہیں

(۱۰) الغرض سے! یہاں دنیا بھر کے منکرات و فواحش کا ارتکاب کیا جاتا ہے اور ہر قسم کے ہذیان و خرافات سمجھے جاتے ہیں دل کھول کر خدا کی معصیت اور شیطان کی اطاعت کی جاتی ہے۔ پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ان تمام کاموں اور کارناموں کا ثواب اس بزرگ کی روح پرستوج کو پہنچایا جاتا ہے جس کے مزار پر اس عرس یا میلہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔

بہر نوع ان عرسوں اور میلوں سے دین و دنیا کا کوئی فائدہ ہو یا نقصان مگر یہ بات یقینی ہے کہ بزرگوں کی ہڈیاں نیچنے والے گدی نشینوں اور ان کے پیچھے چانٹوں کی نہ صرف سال بھر کی روٹیوں بلکہ عیش و عشرت کے سامان کا مکمل انتظام ہو جاتا ہے۔ اور یہی اس تمام کھڑاگ کے کھڑا کرنے کا اصلی مقصد تھا۔ کہ مسلمانوں کا مال کسی طریقے سے ہضم کیا جاسکے۔ پوری طرح حاصل ہو گیا۔

مسائب قوم عند قوم فوائد

یہ ماننا کہ یہ امور اصل عرس کی حقیقت سے خارج ہیں۔ اور ان کی حیثیت گھاس بھوس جیسی ہے جو کسی باغ میں آگ آتے ہیں جس کا اصل کام پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر ان عرسوں کے ہائی اور منتظم ان خلاف شرع امور کا قلع قمع کیوں نہیں کرتے؟ بلکہ الٹا ان کی حوصلہ افزائی کیوں کرتے ہیں؟ اسلام جس پاک پاکیزہ اور پر وقار معاشرہ کا علمبردار ہے۔ اس میں غنا و سرور اور ان منکرات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

لطف بالائے لطف یہ ہے کہ یہ سب امور براہِ دین اسلام کے جس



مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کے ہاں ہوتے ہیں۔ اسی مکتبہ فکر کے امام و پیشوا فاضل بریلوی نے ان امور کو حرام قرار دیا ہے۔  
(ملاحظہ ہو ان کی کتاب احکام شریعت حصہ اول از صفحہ ۲۵ تا ۲۷)

ہماری اس تلخ نوائی کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ دوسروں کی دیکھا دیکھی اب ہماری قوم میں بھی بعض مقامات پر اس قسم کے عرس و میلے منانے کا رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ جس کی حوصلہ شکنی کرنا اور اس کا مکمل بائیکاٹ کرنا واجب و لازم ہے تاکہ اس شیطانی اڈے کا خاتمہ ہو۔ اور اس بدعت کا استیصال کیونکہ مردم فریبی اور دین کے نام پر دنیا کی تجارت سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے بقول حافظ شیرازی سے

ما انتظامی خود رندی کن خوش باش ولے بادام تنویر کن چوں دگران قرآن را

کہ ع در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

الغرض ہے! مروجہ عرس کے جواز پر — قرآن و سنت اور آثارِ اہل بیت و اصحابؓ سے کوئی سند نہیں ملتی۔ اور یہی چیز ان کے ناجائز ہونے کے لیے کافی ہے۔

ہاں البتہ بزرگوں سے عقیدت و محبت کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ بے شک ان کی قبروں پر جب آ کر فاتحہ خوانی کی جائے۔ اور کارہائے خیر کی بجا آوری میں انکی پیروی کی جائے۔

جس طرح انہوں نے ایمان و دین میں زحمات اور مصیبتیں سہی ہیں۔ انہی کی طرح دین کو زندہ رکھنے کی جدوجہد کی جائے اور ان کی بخشش اور بندگی درجات کی دعائیں مانگی جائیں اور دنیا سے بے رغبتی پیدا کرنے اور آخرت کو یاد



کرنے کے لئے انکی قبور پر حاضری دی جائے۔ نہ یہ کہ ان قبروں پر عرس ”میلہ“ کے نام سے خدا و رسولؐ کے حرام کردہ کاموں کا نہ صرف ارتکاب کیا جائے بلکہ ان کو جائز بلکہ کارِ ثواب سمجھا جائے۔ اور اس طرح اسلام اور مسلمانوں کو رسوا کیا جائے۔

الغرض! ایسے خلافِ شرع کاموں سے اہل ایمان کو پرہیز کرنا واجب لازم ہے (واللہ الموفق)

۴۔ تو نگری و صحت مندی کو محبوبِ خدا اور غربت و بیماری کو دشمنِ خدا ہونے کی علامت سمجھتے ہو اگر امرار کی چاب پوسی کرنا اور عیش و سرور کی توہین کرنا

عامۃ الناس یہ خیال کرتے ہیں کہ جس شخص کے پاس مال و دولت اور صحت و سلامتی کی دولت موجود ہو وہ محبوبِ خدا ہوتا ہے اور اس پر خالق و مالک کی خاص نظر عنایت ہوتی ہے۔ اور جو شخص دونوں دولتوں سے تہی و امن ہو یعنی غریب و نادار بھی ہو اور رنجور و بیمار بھی اسے دشمنِ خدا سمجھا جاتا ہے حالانکہ سوچ کا یہ انداز سراسر غیر اسلامی ہے یعنی بالکل کافرانہ ہے اور غیبتِ جاہلیت کی یادگار ہے جو اپنی امارت و شکوہ مندی اور صاحبِ جاہ و جلال ہونے کو اپنے محبوبِ خدا اور مسلمانوں کی غربت و بے کسی کو دشمنِ خدا اور ذلیل ہونے کی دلیل قرار دیتے تھے۔ (ملاحظہ ہو سورہ منافقون)

چنانچہ خداوندِ عالم ان کی رد کرتے ہوئے فرماتا ہے

”وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلّٰهِ مَنِّينَ وَلٰكِن الْمُنَافِقِينَ لَا يَخْلُسُونَ“



[کہ عزت تو اللہ کے لیے ہے یا اس کے رسول کے لیے یا اہل ایمان کے لیے لیکن منافق لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے۔]

حالانکہ امارت و غربت اور صحت و بیماری کا فلسفہ خدا حکیم نے سورہ فجر میں یہ بیان فرمایا ہے کہ یہ محض خدائی ابتلا و آزمائش ہے  
 اَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَآ اِبْتْلٰهُ رَبُّهُ فَاکْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ  
 فِیْ قَوْلٍ مِّنْ اٰیٰتِہِ الْاٰیۃ۔

یعنی خدا نے ہر شخص کا امتحان تو ضرور لینا ہے  
 اَحْسِبَ النَّاسُ اَنْ یَّتْرَکُوْا اَنْ یَّقُوْلُوْا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ۔

[کیا لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان کے کہنے سے کہ وہ ایمان لائے ہیں ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟]

یعنی ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔ اگر امتحان نہ ہو تو غلص و منافق، مومن و بے ایمان اور طیب و نجیب کے درمیان تمیز کیسے ہو سکتی ہے؟ یہ الگ بات ہے کہ خالق حکیم نے امتحان و ابتلا کے یہ پرچے علیحدہ علیحدہ بنائے ہیں کسی کا امتحان لیا ہے امیر مالدار بنا کر۔۔۔ اور کسی کا امتحان لیا ہے فقیر و نادار بنا کر۔۔۔ کسی کا امتحان لیا ہے صحت مند اور طاقتور بنا کر۔۔۔ اور کسی کا امتحان لیا ہے بیمار و کمزور بنا کر۔

تاکہ وہ دیکھے اور دکھائے کہ اس کی رضا و قضاء و قدر پر راضی رہتے ہوئے اس کی دنیوی نعمتوں کا شکر یہ کون ادا کرتا ہے؟

اور اس کی نازل کردہ دنیوی مصیبتوں پر صبر کون کرتا ہے؟ کیونکہ جو شخص بندہ خدا کہہ لے اپنے خالق و مالک کے عادلانہ و منصفانہ فیصلوں پر راضی







اقتدار کم، اس میں امیری فیری، شاہی گداؤی یعنی شاہانہ شکوہ آرائی یا غریبانہ بے نوائی کا ہرگز کوئی دخل نہیں ہے۔

بلکہ ارشادات آل محمد علیہم السلام میں مال و دولت کی وجہ سے کسی کا احترام کرنے اور کسی کی غربت بے کسی کی وجہ سے اسکی توہین کرنے کی بے پناہ

نذمت وارد ہوئی ہے چنانچہ کئی روایات میں وارد ہے کہ جو شخص کسی شخص کی توہین کی وجہ سے اسکی تعظیم خوشامد کرے (تاکہ اسے کبھی کچھ حصہ رسدی مل جائے) تو اس کے دین کے دو ٹکٹ

(۲) ضائع ہو جاتے ہیں۔

اور جو شخص کسی غریب مومن کی اسکی غربت کی وجہ سے توہین کرے وہ دراصل اپنے خدا کو مقابلہ کا چیلنج کرتا ہے۔ (جواہر سنہ)

لہذا اس غیر اسلامی سوچ اور اس غیر موحدانہ عمل سے دامن بچنا ضروری ہے تاکہ اس فکری بدعت اور اس کے نتیجہ میں غلط رسم کا خاتمہ ہو جائے

”قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسہ ومن عمی فعلیہا“

غیر اسلامی طریقہ پر سلام کرنا اور جواب دینا <sup>اسی طرح اسکا</sup> باہمی سلام و کلام اسلام کا شعار اور اخوت و محبت

کا دثار ہے اور سلام کرنے میں پہل کرنا سنت احمد مختار ہے

ایک حدیث میں وارد ہے کہ سلام کرنے اور جواب دینے والے کو سونکیاں ملتی ہیں جن میں سے تنانوے نیکیاں سلام کرنے والے کو ملتی ہیں (حالانکہ سلام کرنا سنت ہے) اور صرف ایک نیکی جواب دینے والے کو ملتی ہے

(حلیۃ المتقین)

(حالانکہ جواب دینا واجب ہے)



اور یہ ان مقامات میں سے ایک ہے جہاں مستحبی کام کا ثواب واجبی کام سے زیادہ ہے۔۔۔۔۔ مگر اتنے بڑے اہم شعار میں بڑی لاپرواہی برتی جاتی ہے اکثر لوگ تو سلام کہہ کر ہی اہمیت سے ناواقفیت اپنی بکریائی، بڑائی کی وجہ سے سلام کرتے ہی نہیں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے انہیں پہلے سلام کریں اور جو کرتے بھی ہیں وہ بھی اکثر غلط طریقہ پر کرتے ہیں چنانچہ عوامی سلام کے رائج الفاظ یہ ہیں۔ ”سَلَامٌ لَّيْكُمْ“ جو بالکل مہمل ہے۔ حالانکہ اصل تلفظ و طرح ہے ایک ”سَلَامٌ عَلَیْكُمْ“ جو فرشتوں کا سلام ہے جو وہ اہل بہشت کو کریں گے۔ ارشادِ قدرت ہے۔

وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْهِمْ

بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ

دوسرا ”السَّلَامُ عَلَیْكُمْ“ اور جواب کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ وہی الفاظ دہرائے جائیں۔

یا وَ عَلَیْكُمْ السَّلَامُ کہا جائے اور اگر اس کے ساتھ درحمتہ اللہ و برکاتہ کا اضافہ بھی کیا جائے تو اور بہتر ہے۔۔۔۔۔ اور اگر جواب میں آدابِ عرض یا تہنیماتِ عرض یا بندگیِ عرض کہہ دیا جائے یا صرف ماتھے یا سینے پر ہاتھ رکھ دیا جائے تو یہ ہرگز کافی نہیں ہے اور نہ اس کے فرض کفایہ ادا ہوتا ہے بلکہ مذکورہ بالا طریقہ پر اس کا جواب دینا واجب ہے، یا سلام کی جگہ ”یا علی مدد“ اور جواب میں ”پیر مولا علی مدد“ کہا جاتا ہے جیسا کہ فرقہ سماعیلیہ آغاخانہ کا سلام و شعار ہے۔

جیسا کہ ان کی مذہبی کتابوں میں لکھا ہے اور ان کی دیکھا دیکھی ہمارے موالیان اہل بیت میں بھی بعض جگہ یہی رسم چل نکلی ہے کہ وہ سلام کی جگہ



بھی فقر کہتے ہیں۔

قطع نظر اس جملہ کے نامکمل ہونے اور اس خطاب کے بے محل ہونے اور ائمہ طاہرینؑ اور دوسرے بزرگانِ دین سے منقول نہ ہونے اور ہمارے ملک کے سوا کوئی اسلامی ملک میں اس رائج نہ ہونے کے پھر بھی اگر اسلامی سلام جواب کے بعد اس کو بطور وسیلہ کہہ دیا جائے تو اس میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں ہے کیونکہ مقام وسیلہ میں مدد علیٰ برحق ہے مگر اسے اسلامی سلام کا قائم مقام قرار دینا اور اصل اسلامی سلام کو سرے سے ترک کر دینا کس طرح بھی درست نہیں ہے۔ اور نہ ہی اسے مستحسن قرار دیا جاسکتا ہے۔

پھر بعض لوگ سلام کرتے۔ وقت پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ بعض سینہ پر اور بعض ہاتھ اٹھا کر سلام کرتے ہیں۔ ایک روایت میں وارد ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ یہ پیشانی پر ہاتھ رکھ کر سلام نہ کیا کرو کہ یہ نصائے کا طریقہ ہے اور نہ سینہ پر ہاتھ رکھ کر سلام کیا کرو کہ یہ مجوسی طریقہ ہے اور نہ ہاتھ اٹھا کر سلام کیا کرو کہ یہ یہودی کا طریقہ ہے کیونکہ تم نہ نصرانی ہو نہ مجوسی اور نہ یہودی لہٰذا تم صرف منہ سے سلام کیا کرو۔ (کنز العمال وغیرہ)

یا اس سے آگے بڑھو تو مصافحہ کرو۔ اور اگر اسے ترقی کرو تو معانقہ کرو تاکہ اسلامی اخوت و محبت میں اضافہ و ازجیاد ہو۔ اور نفرت و کدورت کا خاتمہ کیونکہ! ع

آئین ماست سیانہ چوں آئینہ داشتین

اور ظر

کھراست در طریقت ماکینہ داشتین







ان فی ذالک لآیات لقوم یعقلون

(۸) رہبانیت اختیار کرنا | بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا انسان کے لیے درحقیقت ایک قید خانہ ہے

اور جسم و روح کے لیے بمنزلہ پنجرے کے ہے اور اسکی مادی خواہشات، اس پنجرے کی تتلیاں ہیں۔ انسانی نجات کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ اس قید خانہ کی دیواروں کو توڑ کر اس پنجرہ سے اپنی روح کو آزاد کرائے یعنی دنیا و مافیہا کو ترک کر کے آبادیوں سے دور نکل جائے اور کسی گوشہ طہانیت میں بیٹھ کر خدا سے لو لگائے۔ اور اس کی یاد منائے اور مادی خواہشات کا گلا گھونٹ دے۔ مثلاً نکاح سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو خفقی کرے اور مشکل ریاضتیں کرے جیسے کہ ہمیشہ روزے رکھے روزہ رکھ کر رات کو بھی کچھ نہ کھائے۔ فوت گویائی سے کام لے ہمیشہ خاموشی سادھ لے۔ اور اسی طرح شب بیداری کرے کہ جسم لاغر و کمزور ہو جائے اور آدمی بیوی بچوں کے جنجال سے نجات پا جائے اور یہ لوگ اس کا نام زہد و تقویٰ رکھتے ہوں۔

سو واضح ہو کہ اس چیز کا نام ”رہبانیت“ ہے جس کا اسلام سے اور اسلام کا اسکو کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسے عیسائیوں نے ایجاد کیا خدا تعالیٰ اس پر تنقید کرتے ہوئے فرماتا ہے

و رہبانیتۃ ابتدعوها ما کتبناہا علیہم (حدید)

انہوں نے خود رہبانیت گھڑی تھی۔ ہم نے اس کا کوئی حکم نہیں دیا تھا، اور بانی اسلام فرماتے ہیں۔

لا رہبانیتۃ فی الاسلام

اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔



نہ صرف یہ کہ اسلام میں اس کا کوئی تصور نہیں ہے بلکہ خدا کی کسی شریعت میں بھی اسکی کوئی تعلیم نہیں دی گئی ہے اسلام معاشرت اور اجتماع کا دین ہے اسلام انسان کی طبعی خواہشات کا گھلا گھوٹنے کا حکم نہیں بلکہ جائز طریقہ پر ان کی تسکین کا انتظام کرتا ہے۔

رہبانیت پر عمل کرنے والا اسلام انسانیت کی بہت سی سعادتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ جہاں وہ شادی بیاہ کی سعادتوں سے محروم ہوتا ہے وہاں نعمت اولاد اور ان کی تربیت کی برکتوں سے بھی تہی حامن رہتا ہے جہاں وہ بیماروں کی تیمارداری کی فضیلت حاصل نہیں کر سکتا وہاں شیع جنازہ کی سعادت سے بھی بہرہ ور نہیں ہو سکتا۔

جہاں اہل ایمان کے دکھ درد میں شامل ہو کر ان کی حاجت براری کرنے کے ثواب سے محروم ہوتا ہے وہاں اور ہزاروں معاشرتی فوائد و عوائد سے بھی استفادہ نہیں کر سکتا۔

الفروض سے اسلام کی ایک ایک بات سے رہبانیت کے غیر اسلامی تصور کی تردید ہوتی ہے اسلامی نقطہ نگاہ سے انسان کا کام صرف یہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے ذکر و فکر میں مشغول رہے بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ زندگی کے میدان میں قدم رکھے اور اللہ تعالیٰ کے جملہ افراد کی اجتماعی احکام و اوامر کی اطاعت کر کے اپنے فرمانبردار رعایا ہونے کا ثبوت پیش کرے یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں کہ اسلام کی تعلیمات میں بے شمار ایسی باتیں بھی ہیں جن کا تعلق دنیا بھر کی زندگی سے ہے۔

اور تنہائی کے سسنان گوشوں میں ان پر عمل کرنا اس طرح ناممکن ہے جس طرح خشکی میں تیرنا ممکن نہیں ہے۔



مذکورہ بالا اجمالی حقائق سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح و آشکارا ہو جاتی ہے کہ ”رہبانیت“ کے نام سے خدا پرستی کا طریقہ لوگوں کا من گھڑت ہے اور بدعت ہے۔۔۔۔۔ خلاصہ یہ ہے کہ ”اللہ کے دین کا مزاج کبھی بھی ”رہبانیت“ نام کے کسی فلسفے سے ہم آہنگ نہیں تھا“  
(از ”اسلام ایک نظریہ“)

اور نہ اے، لہٰذا اس بدعت سے بکلی اجتناب واجب ہے۔

هذه تذكرة فمن شاء ذكره

(۹) **تصوف و عرفان کی بدعت**  
تصوف عرفان برزعم صوفیاں نہ صرف براہِ راست خدا تک رسائی حاصل

کرنے بلکہ خدا تک پہنچ کر اپنی خودی کو اس کی ذات میں غم کر دینے اور ”من تو شدم تو من شدی کا راگ الاپنے کا ایک خود ساختہ اور خانہ ساز طریقہ ہے جس کا اسلام اور قرآن کی مقدس تعلیمات کے ساتھ اتنا بھی ربط و تعلق نہیں ہے جتنا کہ کھجور کی گٹھلی کا اس کے پھل کا ہے۔

یہ تصوف کیا ہے؟ فلاسفہ یونان کے معومات، یہودیوں کے نظریات عیسائیوں کے عندیات، ہندوؤں کے حشرافات اور جوگیوں کے ریاضیات کا ایک ایسا ملغوبہ ہے کہ

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

بقول ڈاکٹر اقبال۔

”اس میں ذرہ بھی شک نہیں کہ تصوف کا وجود اسلام میں

ایک اجنبی پودا ہے“ (اقبال نامہ)

اس کے بنیادی اصول دوا ہیں، انسان کا براہِ راست خدا سے مکالمہ، (۲)



نفس انسانی کا حقیقت مطلقہ (خدا) کے ساتھ مل جانا جیسے صوفیہ وصال یا فنا فی اللہ کہتے ہیں۔

## (۲) تصوف کا اسلام میں داخلہ

تصوف (جسے آجکل صبر پسند لوگ "عرفان" اور

بدنامی سے بچنے کے لیے صوفیہ کو عرفا کہتے ہیں) کی عمارت کا سنگ بنیاد "وحدت الوجود" بلکہ "وحدت الوجود" اور "ہمہ ادست" جیسے غیر اسلامی بلکہ سراسر مشرکانہ و کافرانہ نظریات پر قائم ہے پھر اسلام میں یہ تصوف کس طرح داخل ہوا؟ اور اسے کس طرح مشرف باسلام کیا گیا؟ یہ ایک خونچکاں داستان ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وفات نبویؐ کے بعد خاندان رسالت سے ظاہری اقتدار چھیننے کے بعد بنی امیہ کے دور میں اس خانوادہ عصمت و طہارت کے روحانی اقتدار پر شیخوں مارنے کی خاطر بظاہر تمارک دنیا اور باطن سب دنیا قسم کا ایک صوف پوش گروہ تیار کیا گیا اور اسے حکومتی سرپرستی سے نوازا گیا۔ اس کی خود ساختہ کشف و کرامات کا ڈھنڈورا پیٹا گیا تاکہ عامۃ الناس کو خاندان نبوت کے دروازہ سے ہٹایا جائے۔ اور ان لوگوں کے دروازہ پر جھکایا جائے۔

(انوار الہامیہ وغیرہ)

## (۳) صوفیہ کی مذمت کلام معصومین کی روشنی میں

صوفیہ کی مذمت میں ائمہ طاہرین

علیہم السلام کے اس قدر فرامین ہماری مستند کتابوں میں موجود ہیں کہ جن کا عدو احما مشکل ہے یہاں بطور نمونہ مشتے از خروارے دو چار ارشادات پیش کئے جاتے ہیں۔

(۱) علامہ مقدس اردبیلی اپنی جلیل القدر کتاب حریفۃ الشیعہ میں کہنا



خود رقم طراز ہیں کہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ  
 زمانہ حاضرہ میں (ماضی قریب میں) ایک قوم پیدا ہوتی ہے جسے صوفیہ  
 کہا جاتا ہے آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا انہم اعدائنا۔  
 فمن مال الیہم فہو منہم و من یحشر معہم و یسکون اقوام یدعون جہنم و یسلون الیہم  
 و یقشرون بہم و یلقبون انفسہم بلبقہم و یا قنوں اقوالہم انما من مال الیہم فلیس  
 منا وانا منہ براء و من انکرہم ورد علیہم کان کمن جاعدا لکفار بنین یدی رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

لاریب یہ لوگ ہم اہل بیت و رسالت کے دشمن ہیں پس جو شخص ان  
 کی طرف مائل ہو۔ اور ان سے محبت رکھے وہ بھی ان میں سے شمار  
 ہوگا۔ اور وہ ان کے ساتھ محشور ہوگا۔

فرمایا بہت ہی جلد کچھ ایسے لوگ پیدا ہوتے گئے جو ہماری محبت  
 اور دوستی کا دعوے کریں گے۔ اور باوجود اس کے وہ صوفیوں کی طرف  
 مائل ہوں گے اور لباس اور اس لقب میں ان کی مشابہت اختیار کریں  
 گے۔ اور ان کے (کفرانہ اور شرکانہ) اقوال کی تائید کریں گے لہذا وہ  
 ہم میں سے نہیں ہوں گے۔ ہم ان سے بنیاد ہیں جو شخص ان سے  
 نفرت اور انکار کریگا اور ان کے مخیالات کی تردید کریگا اس کا ثواب  
 ایسے شخص کی مانند ہوگا جس نے نبی پاک ص کے ہمراہ جہاد کرنے کا شرف  
 حاصل کیا ہے۔ (حدیقہ الشیعہ ص ۵۶۲ تا آخر حصہ ۵۶۳ طبع جدید)



(۲) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ فرما کر کہ:  
 الصوفیۃ کلہم من اعدائنا و طریقتہم مباحیۃ  
 بطریقنا

سب صوفی ہمارے دشمن ہیں اور ان کا طریقہ ہمارے طریقہ کے منافی  
 منافی ہے (ایضاً)

ان لوگوں کے مکروہ چہروں کو بالکل بے نقاب کر دیا ہے۔

(۳) نبیز جناب مقدس اردبیلی حضرت شیخ مفید کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام علی نقی علیہ السلام مسجد نبوی میں اپنے اصحاب کے ہمراہ تشریف فرما تھے کہ اچانک صوفیوں کا ایک گروہ وارد ہوا اور مسجد نبوی میں بنے ایک طرف دائرہ کی شکل میں بیٹھ کر تہلیل (لا الہ الا اللہ) کا ورد کرنے میں مشغول ہو گیا تو آپ نے فرمایا ان فریب کاروں کی طرف توجہ نہ کرو یہ شیطان کے خلیفے ہیں

» انہم اخص طوائف الصوفیۃ والصوفیۃ کلہم

من مخالفینا و طریقتہم مغائرۃ لطریقنا وان

ہی الانصاری و مجوس ہذہ الامۃ الخ

» یہ صوفیوں کا پست ترین گروہ ہے اور تمام صوفیہ ہمارے مخالف ہیں اور ان کا راستہ ہمارے راستہ سے جدا ہے اور یہ اس امت کے نساہے اور مجوسی ہیں۔ (حدیقۃ الشیعہ ص ۶۰۲، ۶۰۳)

(۴) بعض اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خود بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بدعتیہ و بدعمل گروہ کی پیدائش کی پیشگوئی فرمائی تھی۔



چنانچہ شیخ عباس محدث قمی حضرت شیخ بہائی علیہ السلام سے روایت  
نقل کرتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیام قیامت کے  
پہلے میری امت میں ایک جماعت پیدا ہوگی

اسمہم الصوفیۃ لیسوا منی وانہم یحلقون للذکر

ویرفعون اصواتہم یظنون انہم علی طریق بل لہم

اضل من الکفار و ہما اهل النار لہم شہیق الحمار الخ

» جس کا نام صوفیہ ہوگا اور ذکر کے لیے حلقہ بنا کر بیٹھیں گے اور آواز  
بلند کریں گے وہ درحقیقت میری امت سے نہیں ہوں گے بلکہ وہ یہود سے  
شمار ہوں گے اور وہ کفار سے بھی بدتر ہوں گے اور جہنمی ہوں گے اور گھول  
کی طرح آوازیں بلند کریں گے۔ (سفینۃ البحار جلد ۱ ص ۵۸)

۴: صوفیہ کے بعض عقائد باطلہ کا تذکرہ :- صوفیہ عقائد و نظریات  
کے اعتبار سے

نہ صرف بد عقیدہ ہیں، بلکہ مشرک ہیں، بلکہ ملحد ہیں اور عمل و کردار کے لحاظ سے باکدار اور بد کردار  
ہیں۔ تفصیلاً میں نے کثرت نہیں، خدا توفیق دی تو اس میں، پر ایک مفصل کتاب لکھی جائے گی انشاء اللہ

یہاں ان کے مزعومات باطلہ کا ایک شمعہ پیش کیا جاتا ہے بعد ازاں  
ان کی بد کرداری اور کثرت رقاری کی طرف اجمالی اشارہ کیا جائے گا۔ یہ گروہ حلول

۵: اتحاد، وحدۃ الوجود اور ہمہ ادست جیسے مشرکانہ عقائد کا علمبردار ہے۔  
(۱) چنانچہ ابن عربی (جس کو گروہ کا سرخلی ہے) اپنی کتاب نفوس الحکم میں ایک کلام کے ضمن میں لکھتا ہے۔

فہو من حیث الوجود عین الموجودات (نفس درسیہ طبع مصر)

۱: یعنی بشور افسانہ ای مخلوق کے پیکروں میں نمودار ہوتا رہتا ہے۔ اس طرح لاہوت اور ناسوت ایک  
ہو جاتے ہیں۔ منہ عفی عنہ

۲: عام فہم الفاظ میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات کی کوئی شے اپنا وجود نہیں رکھتی جو کچھ  
نظر آتا ہے وہ سب خدا ہے یعنی خدا برحق ہے اور ہر شے خدا ہے (منہ عفی عنہ)



اور فصیح ہوریہ صفا پر لکھا ہے

فہو الساری فی مسمی المخلوقات والبدعات

خدا ہی تمام مخلوقات میں جاری و ساری ہے

(۳) لا ادم فی الکن ولا ابلیس ولا ملک سلیمان ولا بلقیس

فالکل عبارة وانت المعنی یا من هو بالقلوب مقناطیس

(کتاب وحدۃ الوجود الشہود ص ۱۲۸)

منصور حلاج خدا سے خطاب کر کے کہتا ہے

مزجت روحک فی روحی کہا

نمزج الخصوة بالهاء الذلال

تیری روح میری روح کے ساتھ اس طرح مل گئی ہے جس طرح شراب

صاف ارشفاق پانی میں ملا دیکھاتی ہے۔ (البدایہ والنہایہ ص ۱۳۳ ج ۱)

نینز منصور لکھتا ہے

روما کان فی اهل السماء موحد مثل ابلیس فقال له

اسجد قال لا غیر وقال له وان علیک لعنتی قال لا غیر

یعنی آسمان والوں میں ابلیس جیسا کوئی موحد نہ تھا خدا نے کہا آدم کہی سجدہ

کر۔ اس نے کہا کہ غیر کا وجود ہی نہیں ہے خدا نے کہا تجھ پر میری لعنت

اس نے کہا میرے سوا کسی کا وجود ہی نہیں ہے۔

(کتاب طور سین مترجم، ب ۱۲۲ طبع لاہور)

منصور کا دعویٰ ”انا الحق“ اتنا مشہور و مسلم ہے کہ کوئی صاحب عقل

و علم اس کا انکار نہیں کر سکتا (طور سین ص ۱)

ابن ندیم نے لکھا ہے کہ حلاج اپنے پیروکاروں کے سامنے اپنی



خدائی کا دعوے کیا کرتا تھا۔ (فہرست ابن ندیم)

۱۴۔ سنیز ابن عربی لکھتا ہے۔

سبحان من اظهر الاشياء وهو عينها فما نظرت في  
غير وجهه وما سمعت اذني خلاف كلامه

(فتوحات مکیہ ص ۴۵۹ ج ۲ طبع بیروت)

یہی وہ منصور حلاج ہے جس کے قتل کا فتوے دینے والوں میں سرفہرست  
غیاث حسین بن روح تھے۔ جو کہ امام زمانہ کے نائب خاص تھے اور انہوں  
نے یہ فتوے ناجیہ مقدسہ سے توقیع مبارک آجانے کے بعد صادر فرمایا تھا  
امام زمانہ نے اس پر لعنت کی ہے اور اس سے بیزاری ظاہر کی ہے  
(احتجاج طبرسی، کتاب غیبت شیخ طوسی)

مجموعہ شبستری کہتا ہے کہ

مسلمان گر بدانتی کہ بت چیت

بدانتے کہ دیں در بت پرستی است۔

یعنی مسلمان جانتا کہ بت کی کیا ہے ؟ سمجھتا بت پرستی میں خدا ہے۔

(گکشن زار ص ۱۹۴ طبع لاہور)

شبلی کہتا ہے۔

انا قول وانا اسمع فهل في الدارين غيري۔

میں ہی کہتا ہوں اور میں ہی سنتا ہوں آیا دین میں میرے سوا کوئی اور بھی

(التعرف علی مذہب التصوف ص ۱۲۵ طبع مصر)



خواجہ غلام فرید لکھتے ہیں۔

”شبلی نے کہا میں چاہتا ہوں کہ بہشت اور دوزخ کو ایک لقمہ سمجھ کر کھا جاؤں تاکہ بے سبب اس کی عبادت کریں۔“ ذکر ہے کہ ایک دن حضرت شبلی و حدیث وجود پر و غنا فرما رہے تھے کہ حضرت جنید آئے اور فرمایا کہ اے شبلی! زیادہ فاش نہ کر۔ حضرت شبلی نے فرمایا میں ہی کہتا ہوں اور میں ہی سُنتا ہوں۔ دونوں جہانوں میں میرے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

(فیوضات فریدیہ ترجمہ فوائد سریدیہ ص ۱۷۶)

اسی سلسلہ کے ایک اہم رکن جناب پیر رومی بھی ہیں۔ جو کہتے ہیں

”خود بر سر دکان برآمد دل پر دو نہاں مشد  
(مثنوی)

۱۵۔ ایک تاویل علیل :- عرفان بانی کے حامی لوگ کہا کرتے ہیں کہ عرفاء کے الفاظ و عبارات کے ظاہری معنی حجت نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کے خاص معنی ہوتے ہیں جن کو عوام تو کجا عام علماء و فقہاء بھی نہیں سمجھ سکتے اے سبحان اللہ! قرآن و حدیث کے ظواہر تو حجت ہوں۔ اور انہیں علماء و فقہاء سمجھ بھی سکیں۔ مگر صوفیہ و عرفاء کے کلام کا ظاہر نہ حجت ہو اور نہ اسے کوئی سمجھ سکے تو پھر یہ کلام ہے یا کوئی معنی؟ جو نہ سمجھنے کا ہے نہ سمجھانے کا؟

۱۶۔ صوفیہ کے بعض اعمال و افعال شنیعہ کا تذکرہ :- یہ بات کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے کہ عقیدہ و عمل لازم و ملزوم ہیں۔ اگر عقیدہ صحیح ہے تو لا محالہ عمل و کردار بھی درست



ہوگا۔ اور اگر عقیدہ غلط ہے تو لازماً عمل بھی برباد ہوگا۔ بنا بریں جب اس طائفہ کا عقیدہ غلط ہے تو عمل کی صحت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

چنانچہ یہ فرقہ تمام ظاہری شرعی عبادات کو ”قنطرة المعرفة“ معرفت حاصل کرنے کا پل تصور کرتا ہے اور جب وہ اس پل سے عبور کر کے اصل باللہ اور فنا فی اللہ کی منزل تک پہنچ جائے تو عبادات کو لغو محض تصور کرتا ہے چنانچہ ذوالفریدیہ مترجم صلاہین لکھا ہے کہ الشیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا جس شخص نے اصل باللہ ہونے کے بعد عبادت کا ارادہ کیا پس اس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا۔

اور یہ لوگ بخیال خویش جو اوراد و وظائف اور عبادات کرتے ہیں وہ بدعت کے زمرہ میں آتی ہیں جیسے ذکر خفی، ذکر جلی کرنا اور حلقات ذکر کا قائم کرنا اور ان میں غنا اور موسیقی سے لطف اندوز ہونا اور پھر وہاں حاد و نحو کا شور بلند کرنا۔ اور ان کے نتیجہ میں حال کا پڑنا وغیرہ اور پھر شریعت و طریقت و حقیقت کی اصطلاحیں قائم کرنا اور مساحد و معابد کے بالمقابل نظام خالق ہی کا اہتمام کرنا اور ان میں مختلف ریاضات کرنا خود ان کے اس نظام اسلام کے موافق و منافی ہونے کی ناقابل رد دلیل ہے۔ (ظلمت بعضہا فوق بعض)

پھر ان تمام خرافات و بدعات کے ارتکاب کے مقصد اقصیٰ ”روحانیت“ اور معرفت کا حصول اور روحانی ترقی کی طلب و ترپ بیان کیا جاتا ہے حالانکہ روحانیت ایک ایسا لفظ ہے جو آج تک شرمندہ معنی نہیں ہوا ہے۔ یہ وہ لفظ جو شرمندہ معنی نہ ہوا

جس قوم میں عمل کا فقدان ہو اور وہ عمل کے میدان میں قدم رکھنے سے



ہچکچاتی ہو اور انحطاط اور تنزل کی طرف گامزن ہو اور علمی و عملی مسائل سے عہدِ برآ ہونے سے قاصر ہو وہ تصوف کی مزعومہ باطنی ولایت و سرمدیت کی اوٹ میں پناہ لینے کی ناکام کوشش کرتی ہے اور اس کا دار و مدار باطنی معنی پر ہوتا ہے۔ اہل دانش جانتے ہیں کہ کسی مذہب یا قوم کے دستور العمل میں باطنی معنی تلاش کرنا دراصل اس دستور العمل کو مسخ یا منسوخ کرنے کے مترادف ہے۔ الغرض! تصوف کسی قوم کے قومی و ملی انحطاط اور زوال پذیری کی علامت ہے۔ خدا اس کے ہماری قوم و ملت کو محفوظ رکھے اس لیے ہم قوم کے جیالوں کو مشورہ دیں گے کہ صحر

زیکل کو خالقانوں سے ادا کر رکھیں شبیر علی

بچند نام نہاد عرفاء اسلام کے نام کے ستم ظریفی یہ ہے کہ آج وہ لوگ بھی تصوف و عرفان سے متاثر نظر آتے

ہیں۔ جن کے پیشواؤں سے روحانی اقتدار چھیننے کے لیے تصوف کا اسلام میں کھراک کھرا کیا گیا تھا اور صوفیہ کی سرپرستی کی گئی تھی۔

آج بڑے شد و مد کے ساتھ ان لوگوں کو عرفاء اسلام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جن کی زندگیوں کے چراغ گُل ہو گئے مگر تمام عمر ان کو یہ تک معلوم نہ ہو سکا کہ بانی اسلام کا خلیفہ برحق اور جانشین اقل علی بن ابی طالب ہیں یا ابوبکر بن ابوقحافہ؟

بسوخت عقل و حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

ان عرفار میں سرفہرست را، محی الدین ابن عربی (بالفاظ مناسب ممیت الدین)

ہے جس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ

و اہل اللہ کی ایک جماعت ہے جسے ”جلیوں“ کہتے ہیں ان کو



رجب کے مہینہ میں زیادہ کشف و کرامات ہوتے ہیں — ان میں سے ایک بزرگ کی میں نے زیارت کی ہے، جن کو شیعہ خنزیر کی شکل میں نظر آتے تھے۔  
(فتوحات مکیہ ص ۸۴ طبع بیروت)

۱۲۔ انہی عرفاء میں سے ایک عارف المعارف غزالی ہیں جنہوں نے احیاء العلوم میں یزید پلیدی کی پوری وکالت کر کے — اسے شہادت امامؑ سے بری الذمہ قرار دیتے ہوئے مومن ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔

۱۴۔ انہی عرفاء میں سے ایک شیخ عبدالقادر جیلانی بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں بزرگ خود متعدد دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ شیعہ اس امت کے ”یہودی“ ہیں (معاذ اللہ)

۵۔ اور انہی عرفاء میں ایک بڑا عارف منصور جلاّج ہے۔ جن پر امام زمانہؑ نے لعنت کی ہے اور تبرّ کیا ہے۔ (احتجاج طبرسی)

غور و فکر اور عبرت کا مقام ہے کہ جن بدعتیوں کو شیعہ خنزیر کی

شکل میں نظر آئیں اور جو ان کو یہود ٹھہرائیں اور جو یزید پلیدی کی وکالت فرمائیں اور جن پر امام زمانہ لعنت و نفرین فرمائیں وہی لوگ جگہ جگہ

عرفان با فوں کو عرفاء اسلام نظر آئیں سحر  
تغویر تو اے چرخ گرداں تفو



۹: **قصر ضرر لینا :-** اگرچہ قرض بیعتات کے زمرہ میں نہیں آتا۔ کیونکہ یہ لعنت اسلام سے پہلے موجود تھی اسلام نے اس میں کافی حد تک اصلاح کی ہے اور اس کے لئے کچھ قواعد و ضوابط مقرر کئے ہیں مگر چونکہ یہ ایک عام معاشرتی خرابی ہے اور بہت بُری رسم ہے اسلئے یہاں

اس کا ضمناً تذکرہ اصلاح معاشرہ کے لئے فائدہ سے خالی نہیں ہے بلکہ بے جا بے ضرورت یا ضرورت سے زیادہ قرض لینے کو بدعت کا نام بھی دیا جاسکتا ہے۔

قرض ایک چھوٹا سا سہ حرفی لفظ ہے جو بڑی آسانی سے زبان سے ادا ہو جاتا ہے مگر خدا نخواستہ جب اٹھایا جائے تو پھر اترنے میں نہیں آتا قرض کے اس قدر نقصانات ہیں جو ضبط تحریر میں نہیں لائے جاسکتے۔

## قرض کے بعض نقصانات

۱: **بے عزتی :-** مقروض اپنے قرض خواہوں کو شکل نہیں دکھاتا اور کبھی سر راہ مل جائے تو ان سے منہ چھپاتا ہے کہ کہیں اس کی بے عزتی نہ کر دیں۔  
۲: **دروغ گوئی :-** مقروض کو جھوٹ ضرور بولنا پڑتا ہے جب قرض خواہ تقاضا کرے تو یہ ایک تازیخ کا وعدہ کر دیتا ہے مگر ایفار کی توفیق نہیں ہوتی اسلئے وعدہ پر وعدہ کئے جاتا ہے اس طرح جھوٹ قرضہ کی اُشت پر سوار رہتا ہے۔

۳: **بے اعتباری :-** مقروض بار بار وعدہ کرنے اور پھر پورا نہ کرنے



کی وجہ سے بے اعتبار ہو جاتا ہے۔ قرض خواہ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اس کے وعدہ کا اعتبار نہیں کرتے۔

۲: عمر دھر کی غلامی۔ مقروض قرض خواہ کا غلام ہوتا ہے اور یہ پھندا اس کی گردن سے کبھی نکلتا نہیں ہے۔

۵: بددیانتی۔ قرض لیتے لیتے بعض اوقات "نوبت باں جامی رسد" کہ لوگ اس نیت سے قرض لیتے ہیں کہ کس نے ادا کرنا ہے اسلئے وہ جان بوجھ کر اس قدر قرض لے لیتے ہیں جس کی ادائیگی ان کے بس سے باہر ہوتی ہے۔ — ظاہر ہے کہ یہ کھلی ہوئی بددیانتی ہے۔ کیونکہ "اَدَا الدِّينَ مِنَ الدِّينِ"

۶: کُنبہ والوں کے لیے مصیبت۔ جس طرح خود مقروض پریشان حال ہوتا ہے اسی طرح اس کے گننے کے لوگ بھی ہر وقت بیم خوف سے پریشان حال رہتے ہیں۔ کہ اب کوئی قرض خواہ آیا اور اب۔

۷: دوستوں کو دشمن بنانا۔ جب دوستوں سے قرضہ طلب کیا جائے تو یا تو دوست قرضہ نہ دے گا یا دے گا۔ اور یہ دونوں صورتیں دوستی کے لیے قہقہہ کا کام کرتی ہیں۔ — اگر دوست نے قرضہ نہ دیا تو اسی وقت دوستی ختم! — اور اگر دے دیا تو جب مدت تک انتظار کرنے کے بعد وہ مطالبہ کرے گا۔ اور یہ صاحبِ ٹال مٹول کریں گے اس لیے پھر دوستی میں بھنگ پڑ جائیگی اور بالآخر خاتمہ پر منتج ہوگی اسلئے کہا گیا ہے الْقَرْضُ مَقْرَاضُ الْمَحَبَّةِ۔

۸: اخلاق و روحانی نقصان۔ جیسا کہ ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے کہ مقروض کبھی جھوٹ بولتا ہے کبھی خیانت کرتا ہے کبھی وعدہ خلافی کرتا ہے وغیرہ



تو اس کے ناقابل تلافی اس کا اخلاقی و روحانی نقصان ہوتا ہے۔  
 ۱۹ سودی بالکل بربادی۔ اور اگر سودی قرضے جو شرعاً  
 حرام ہے تو پھر دین و ایمان کی بربادی کے ساتھ ساتھ دنیا کی بھی بربادی  
 کا مکمل سامان ہے۔

## قرضے بچنے کا طریقہ

اگر انسان دُور اندیشی اور عاقبت بینی سے کام لے اور کفایت شکاری  
 کو عمل میں لائے اور اپنی آمدنی کے مطابق خرچ کرے اور اپنے پاؤں  
 پھیلانے سے پہلے اپنی چادر دیکھ لیا کرے تو کبھی اس بلائے بے درماں  
 میں مبتلا نہ ہو۔  
 ابوالفضل نے اپنی بعض تالیفات میں معاشیات کے سلسلہ میں لوگوں  
 کی اس طرح تقسیم کی ہے۔

- ۱۔ کچھ لوگ وہ ہیں جو کہ جتنا کما تے ہیں اتنا ہی خرچ کر دیتے ہیں۔
- ۲۔ کچھ لوگ وہ ہیں جن کی آمدنی کم اور خرچ زیادہ ہوتا ہے۔
- ۳۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جن کی آمدنی زیادہ اور خرچ کم یعنی اپنی زیادہ یا  
 محسوری آمدنی میں سے اڑے وقت کے لیے کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے  
 ہیں۔ پہلی قسم کے لوگ نہ عقل مند ہیں اور احمق۔ دوسری قسم کے لوگ بالکل  
 احمق ہیں۔ البتہ تیسری قسم کے لوگ عقل مند کہلانے کے حقدار ہیں۔  
 (دفعہ ابوالفضل)

الغرض! دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو قرضہ لیتے ہیں  
 دوسرے وہ جو قرضہ دیتے ہیں یعنی ایک پس انداز کرنے والا، دوسرا برباد



کرنے والا، ایک دورانِ دیش، دوسرا کوتاہ اندیش، ایک کفایت شعار، دوسرا فضول خرچ، ایک مالدار، دوسرا نادار۔

یہ امر تجربہ سے ثابت ہے کہ قرض کا دار مدار زیادہ یا تھوڑی آمدنی پر نہیں۔ بلکہ کفایت شعاری اور فضول خرچی پر ہے، بعض قلیل آمدنی والے قرض نہیں لیتے اور اپنی گزراوقات کے ساتھ جائداد بھی بنا لیتے ہیں۔ اور بعض بڑی آرنی والے بھاری قرض کے بوجھ تلے دبے ہوتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ منتقل مندی یہ ہے کہ اپنی آمدنی اور خرچ کا مکمل اندازہ لگایا جائے۔ اور اپنی آمدنی سے زیادہ خرچ کرنے، شادی و غم وغیرہ کی غلط رسموں پر فضول خرچی کرنے سے مکمل اجتناب کیا جائے۔ بلکہ اپنی آمد سے کچھ نہ کچھ ضرور پس انداز کیا جائے۔ پھر دیکھیں قرض لینے کی کبھی نوبت نہیں آئیگی۔

دیکھئے! اگر کسی شخص کو حاکم وقت، صرف چار سیر سنو و بریاں اور پانی کا ایک گھڑا دے کر ایک ماہ کے لیے تیرہ ٹنار مرغان میں قید کر دے اور دروازہ منتقل کر کے، پہرہ دار بٹھا دے کہ کوئی اندر سے باہر اور باہر سے اندر نہ آ جا سکے تو تمہارا کیا خیال ہے۔

وہ قیدی اس ناان و نفقہ کو چند روز میں پیٹ بھر کر کھاپی کر ختم کر دیتا یا اس کا اس طرح اندازہ کے ساتھ خرچ کر دیتا کہ اپنا مہینہ نکل جائے، یقیناً وہ اس دوسری صورت کو اختیار کر لیتا۔ تو جو لوگ بھی اس عالم اسباب میں زندگی کے چند دن عزت سے گزارنا چاہتے ہیں ان کو اسی طرح دورانِ دیش سے کام لے کر وقت گزارنا پڑے گا۔

بلیبل شیراز کہتے ہیں



بدختر چہ خوش گفت بالوئے دیہہ : کہ وزے نوا برگ سنجی بنہ  
ہمہ وقت پر وار مشک و سبو : کہ پیوستہ درودہ رواں نیست جو  
لاکھوں آدمی اپنی حیثیت سے زیادہ خرچ کرنے کی وجہ سے محض اس خواہش  
میں تباہ ہو گئے ہیں کہ وہ لوگوں میں معزز کہلائیں وہ یہ نہیں جانتے کہ حقیقی  
عزت ظاہری نمائش میں نہیں ہے۔ ایسا کرنے سے تھوڑے سے وقت  
کے لیے لوگوں کو دھوکہ دیا جاسکتا ہے۔

مگر جب اصل حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے تو وہ پہلے سے بھی  
زیادہ لوگوں کی نظروں میں خفیف ہو جاتا ہے اسلئے عقل مندوں کا قول ہے  
کہ در کوئی سلیم العقل آدمی یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ لوگ اس کی نسبت  
وہ خیال کریں جو درحقیقت وہ نہیں ہے۔  
ملحوظ رہے کہ آسودگی کا زمانہ مفاسی کے زمانہ سے زیادہ آزمائش کا باعث  
ہوتا ہے۔ لوگ جب تھوڑا سا آسودہ ہونے لگتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ  
عیش و عشرت کے اسباب بڑھانے لگ جاتے ہیں اور اس طرح ان کی  
آمدنی سے اخراجات بڑھنے لگ جاتے ہیں اور وہ اپنی نمائشی و صنعتاری  
کو قائم رکھتے رکھتے تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ آدمی کو چھوٹی چھوٹی باتوں پر  
کڑی نظر رکھنی چاہیئے کہ

”ان الصغیر یصلح الکبیر“

کہ چھوٹی باتوں سے بڑی باتیں پیدا ہوتی ہیں۔  
ایک شریف آدمی کا بیان ہے کہ جب وہ اپنی تجارت سے آسودہ ہونے  
لگا تو اس کی بیوی کو عمدہ اور شاندار پلنگ کا شوق پیدا ہوا۔ چنانچہ اسکا پلنگ  
پر چھ ہزار پونڈ خرچ ہو گیا (یہ سستے دور کی بات ہے) وہ اس طرح کہ جب



پلنگ تیار ہو کر گھر پہنچا تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کے ارد گرد رکھنے کے لیے کرسیاں بھی نئی اور خوب صورت ہوں پھر اس کا آرڈر دیا گیا جب وہ تیار ہو کر آگئیں تو پھر ان کی مناسبت سے گھر کے تمام پرچے، چلمنیں، قالین، اور مینریں بھی درکار ہوئیں۔

الغرض گھر کا سارا سامان بدلا گیا جب یہ سب کچھ ہو گیا تو پھر دیکھا گیا کہ پرانی وضع کا یہ تنگ اور پرانا مکان اس نئے ساز و سامان کے لیے موزوں نہیں ہے چنانچہ ایک نیا اور وسیع مکان تیار کرنا پڑا جس کی وجہ سے اسے چھ ہزار پونڈ کا جوت لگ گیا۔

پھر اس مکان کی دیکھ بھال اور درستی کے لیے نو محروں چاکروں کا سوا دو ہزار پونڈ سالانہ اس کے علاوہ ہیں۔ یہ تو اس کی خوش قسمتی تھی کہ روپیہ پیسہ وافر تھا۔ ورنہ عجب نہ تھا کہ اس پلنگ کی بدولت آج بھیک مانگتا ہوتا۔

بہر کیف دانش مندی یہ ہے کہ اپنی آمدنی پر گزند اوقات کیا جائے۔ فضول خرچی سے دامن بچایا جائے۔ اور محتواری بہت زحمت و تکلیف برداشت کر لی جائے مگر قرضہ ہرگز نہ لیا جائے۔ و نعم ما قیل سے

بہ تمنائے گوشت مردن بہ نہ تقاضائے زشت۔ قصا ہاں

انگلستان کے ایک فاضل بیان کرتے ہیں شروع میں میں نے اپنا کام چلانے کے لیے وٹل پونڈ قرضہ لیا مگر بہت جلد سمجھا آگئی۔ اس لیے تکلیف اٹھا کر وہ قرضہ مع سود ادا کر دیا۔ پھر زندگی بھر کبھی قرضہ کا نام نہ لیا۔ بار بار ضرورتوں کے قرضہ لینے کی ترغیب دی اور میری اس قدر عزت بھی تھی کہ میرے احباب بلا سود مجھے قرضہ بھی دیدیتے مگر میں نے کبھی اس کی جرأت نہ کی۔ بالآخر میرے حوصلہ اور بہت نے مجھے قرضہ لینے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے



بے نیاز کر دیا، (از رسالہ قرض، مولوی محبوب عالم مرحوم)

اسلئے دانش مندی یہ ہے کہ قرض لینے کی رسم بد سے (جو معاشرہ میں  
وہا کی طرح پھیلی ہوئی ہے) اپنے دامن کو بچایا جائے اور سوائے ناگزیر حالات  
کے اس کا تصور بھی نہ کیا جائے۔

۱۱: عورتوں کا ناخن بڑھانا اور ناخن پالش لگانا:۔ تہذیب مغرب کے

گندے انڈوں میں سے ایک گندا انڈہ یہ بھی ہے کہ مغربی عورتوں کی دیکھا دیکھی  
ہماری عورتوں نے بھی بندریوں کی طرح لمبے لمبے ناخن بڑھانے شروع کر  
لیے ہیں۔ حالانکہ شرعاً ان کے کٹوانے کا حکم ہے اور پھر اس پر تم یہ ہے  
کہ ان پر دہیز قسم کی پالش لگالیتی ہیں جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ ان کا غسل  
کبھی غلط اور وضو بھی غلط۔ کیونکہ اس لامی فقہ کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ غسل میں  
بدن کا کوئی حصہ اور وضو میں اعضا و عضو کا کوئی حصہ (اگرچہ بال کے برابر ہی ہو)  
خشک رہ جائے تو اس کے غسل یا وضو باطل ہو جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس پالش کی وجہ سے ناخنوں تک پانی نہیں پہنچ سکتا۔ تو  
جب غسل یا وضو صحیح نہ ہوا۔ تو اس طرح ان کی وہ عبادت صحیح نہ ہوگی جس  
میں طہارت شرط ہے اس کے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ کس قدر گھائے کا سودا ہے  
اسلئے ایسی عورتوں کو جو اس رسم بد کا شکار رہیں مخلصانہ مشورہ دیا جاتا ہے  
کہ

تہذیب نو کے منہ پر وہ تھپڑ رسید کرے جو اس حرام زادی کا حلیہ گارڈ  
عورتوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی زینت زیور، لباس، ناخن پالش لگانے  
میں نہیں ہے بلکہ شرم و حیا، علم و ہنر، محنت و پاک دامن، اور پردہ میں ہے ع  
بآب و رنگے خال و خط چہ حاجت رُوئے زیباراہ



۱۲۔ ڈاڑھی منڈوانا اور مونچھیں بڑھانا۔ منجملہ غیر اسلامی رسموں کے ایک مردوں کا ڈاڑھی منڈوانا

اور مونچھیں بڑھانا بھی ہے۔ فقہ جعفریہ میں ڈاڑھی منڈوانے کی حرمت اور مونچھیں بڑھانے کی کراہت شدیدہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ کہ ڈاڑھی منڈوانا مجوسیوں کا طریقہ ہے۔

اسلام کے اندر اس فعل شنیع کی کوئی گنجائش نہیں ہے اس موضوع پر عربی، فارسی، اور اردو وغیرہ میں بہت سے کتب و رسائل لکھے گئے ہیں ہم نے بھی دو حرمت ریش تراشی قرآن و سنت کی روشنی میں "نامی رسالہ" میں اس موضوع پر سیر حاصل (بحث کر کے اس فعل کا نہ صرف عام گناہ بلکہ اس کا گناہ کبیرہ ہونا ثابت کر چکے ہیں۔

عالم ربانی حضرت علامہ شیخ یوسف بھرانی نے لکھا ہے کہ دوسری دلیلوں سے قطع نظر کرتے ہوئے صرف یہی چیز اس کی حرمت مغلطہ ثابت کرنے کے لیے کافی و دافی ہے کہ زنا جیسے سنگین جرم کی وجہ سے کوئی قوم مسخ نہیں ہوئی محو ڈاڑھی منڈوانے کی وجہ سے ایک قوم مسخ ہو چکی ہے چنانچہ اصول کافی میں وہ واقعہ تفصیل کے ساتھ درج ہے کہ جناب امیر المومنینؑ نے اپنے ظاہری دورِ خلافت میں کوفہ کے بازار میں بے چھلکا مچھلی (جسے مٹی مچھلی کہا جاتا ہے) بیچنے والوں کو کوڑے لگائے اور یہ کہہ کر بازار سے نکال دیا۔

”دیا بیاعی مسوخ بنی اسرائیل و جند بنی مروان“

اے بنی اسرائیل کی مسخ شدہ مخلوق اور لشکر بنی مروان کے نیچنے والو! حاضرین میں سے بعض نے عرض کیا کہ بنی اسرائیل کی مسخ شدہ مخلوق سے



آپ کی مراد کیا ہے؟ فرمایا یہ ایک قوم تھی جس کا جرم یہ تھا کہ یہ ڈاڑھیوں  
منڈواتے تھے اور مونچھیں بڑھا کر ان کو تاؤ دیتے تھے جنہیں خدائے  
قہر نے اس شکل (مٹی مچھلی) میں مسخ کر دیا۔

کتاب جعفریات میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے

فرمایا

كَيْسَ مِنَّا مَنْ حَاقَّ

”جو شخص ڈاڑھی منڈواتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔“ کسریٰ  
(شاہ ایران) نے چند ڈاڑھی چٹ اور مونچھیں دراز قسم کے نمائندے دربار  
رسالت میں بھیجے۔ مگر خاق عظیم کے مالک نے ان سے ملاقات کرنے سے  
انکار کر دیا اور دریافت فرمایا

”تمہیں یہ ہیئت و شکل اختیار کرنے کا کس نے حکم دیا ہے؟“

انہوں نے کہا ہمارے بادشاہ (کسریٰ) نے یہ سن کر آں حضرتؑ نے فرمایا  
لیکن میرے بادشاہ (خدا تعالیٰ) نے مجھے ڈاڑھی رکھوانے اور مونچھیں کٹوانے  
کا حکم دیا ہے۔  
(من لا یخفہ الفقیہ)

الغرض ہمارے مذہب میں ڈاڑھی منڈوانا بالاتفاق فعل  
حرام ہے۔ جس سے اجتناب کرنا اہل ایمان فرض ہے۔

بعض اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ اس لام میں سب سے  
پہلے جس شخص نے ڈاڑھی ترشوائی وہ امیر شام تھا (تنبیہ الغافلین) اور جس نے  
سب سے پہلے مونچھیں بڑھائیں وہ حضرت ثانی تھے (الفاروق شعلی) اور جس نے  
پہلے پہل ڈاڑھی منڈوائی وہ یزید پلید تھا۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا  
ہے کہ جو لوگ مثلاً خاق مارک ڈاڑھی کتراتے ہیں وہ امیر شام کی سنت پر جو۔۔۔



مُتَذَوِّلَتے ہیں وہ یزید عنید کے طریقہ پر اور جو مونچھیں بڑھاتے ہیں وہ حضرت ثمانی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

کیا زبان و کلام سے محبت اہل بیت کا دعوے کرنا اور عمل و کردار سے دشمنانِ اہل بیت کی پیروی کرنا ایک شرمناک بات نہیں ہے؟ کیا آلِ محمد کی دوستی کا دم بھرنے والے وہ لوگ جو اس گناہ بے لذت میں گرفتار ہیں اپنی روش و رفتار پر نظر ثانی کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے؟

اسلامی برادری کے قول و فعل کا یہ تضاد ہی ان کے ہر قسم کے تنزلی و زوال کا باعث ہے جیسا کہ قول و فعل کی یک رنگی و ہم آہنگی ہر قسم کی دینی و دنیوی فوز و فلاح اور داریں میں کامیابی و کامرانی کی ضامن ہے۔ خداوندِ عالم تمام مسلمانوں کو بالعموم اور ائمہ اطہار کے نام لبواؤں کو بالخصوص اس نعمت عظمیٰ کی دولت سے مالا مال فرمائے۔ تاکہ ان کی دنیا بھی سدھر جائے اور عقبیٰ بھی کسود جائے۔

وَذَاكَ فَتَلَّ اللَّهُ يَوْمَئِذٍ مِنْ لِيْشَاءُ لَعْنَى

اس سعادت بزرگ و یازدہ بیت پر تابش شدہ خدائے بخشندہ پیشوایانِ دین کی خوشی میں خوش اور غم میں غمناک ہونا یہ قانونِ قدرت ہے فطری حق ہے مگر منکرات سے اجتناب لازم ہے اور آئینِ فطرت

بھی ہے کہ ہر

محب اپنے محبوب کی خوشی میں خوش اور اس کے غم میں غمناک ہوتا ہے۔ خدا و مصطفیٰ اور دینِ خدا کی کوئی منکر بھی اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتا۔ بنا بریں جناب رسولِ خدا یا دوسرے ائمہِ محمدیہ کی ولادتوں پر جشن میلاد منعقد کرنا اور ان کی شہادتوں پر مجالس عزاء برپا کرنا ہمارا و فطری و فطری حق ہے



جس سے دنیا کی کوئی طاقت ہمیں محروم نہیں کر سکتی اور جو اس کے خلاف کہتا ہے اس نے یا کتاب فطرت کو پڑھا نہیں یا پھر اسے سمجھا نہیں ہے۔

لہذا جشن میلاد النبیؐ منانا یا جشن ولادت حضرت امیر علیہ السلام جشن ولادت حضرت امام حسنؑ یا جشن میلاد حضرت امام حسینؑ علیہ السلام اور کسی طرح دوسرے ائمہ طاہرین کے جشن ملائے میلاد کا انعقاد کرنا یا جشن غدیر و مباہلہ منعقد کرنا نہ صرف یہ کہ مباح ہے بلکہ مستحسن و مستحب اور نہایت پسندیدہ فعل ہے مگر اس قسم کے مواقع پر ہونا یہ چاہیے کہ جہاں محافل میلاد کا انعقاد کر کے شرب کو گھروں میں چراغاں کیا جائے، لباس فاخرہ زیب بدن کیا جائے۔

اہل ایمان کی ضیافت کا اہتمام کیا جائے، غربار و مساکین میں اشیاء خورد و نوش تقسیم کی جائیں۔ باہمی میل و ملاقات کی جائے، باہمی بخششوں کو نظر انداز کر کے ایک و نیک ہونے کا عملی مظاہرہ کیا جائے۔ اور ان محافل میں قرآن کی تلاوت کی جائے۔ درود شریف کا ورد کیا جائے، وہاں ان ذوات مقدسہ کی ولادت باسعادت کے واقعات، ان کی زندگی کے اہم حالات و واقعات، مستند معجزات و کرامات، ان کی سیرت و کردار، اخلاق و اطوار اور خصائل و شمائل بیان کر کے لوگوں کو ان کی سیرت پر چلنے کی تلقین کی جائے اور غدیر جیسے اہم جشنوں کے اصل حقائق و واقعات سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے۔

الغرض سے حد اعتدال کے اندر رہ کر اپنی جسمانی و روحانی مسرت و شادمانی کا اظہار کیا جائے اور ان تقاریب سعیدہ کو اپنے دین و دنیا کو سادارنے سدھارنے کا ذریعہ بنایا جائے۔ یہ کہ غلط رسموں کو ادا کر کے اور غلط کاریاں



کر کے ان مقدس تقریبوں کا خلیہ بگاڑا جائے اور ان کی حقیقی روح کو پامال کر کے ان کی افادیت کو پامال کر دیا جائے۔

جیسے طیلے کی تھاپ پر راکٹ رنگ، چنگ و رباب کا استعمال یا رقص و سرود کا ارتکاب یا بے پردہ عورتوں اور مردوں کا اختلاط یا مالی اسراف و تبذیر کا اظہار۔ جیسا کہ براہِ درانِ اسلامی جشن میلاد النبیؐ پر کرتے ہیں یا جیسے ہمارے ہاں بعض غیر ذمہ دار لوگ جشن غدیر پر ناقابل بیان انداز میں اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ فلمی دھنوں میں قصائد خوانی اور بعض شرعی محال امور کی بے اعتنائی اور غیر شرعی اعمال و افعال ناشائستہ کا اہتمام کرتے ہیں۔

ان تمام لغویات سے اجتناب واجب ہے اور ان مقدس تقاریب کو اور انہی کی طرح عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی مقدس تقریبوں کو ان خلافِ شرع کاموں سے منزہ و مبرا رکھنا لازم ہے۔ اہل ایمان کا فرض ہے کہ وہ ان تہواروں کو شرعی موازین و آئین کی حدود کے اندر رہ کر منائیں اور جادۂ قرآن و اسلام سے ادھر ادھر قدم نہ ہٹائیں۔ تاکہ ہمارا کوئی کام، اور کوئی اقدام اور ہماری کوئی حرکت اور ہمارا کوئی سکون قانونِ اسلام اور اُسوۂ محمد و آلِ محمد علیہم السلام کے خلاف نہ ہو۔ بلکہ اس کے عین مطابق ہو۔ تاکہ ہمارا وجود ان کے لیے باعثِ نیرت و زینت بن جائے۔ اور ہمارا کردار دینِ اسلام اور مذہبِ حق کی ترویج و ترقی اور اس کی نشر و اشاعت کا باعث بن جائے۔

۱۴: طلاق دینے میں بے اعتدالی  
اسلامی اور غیر اسلامی طلاق میں بہت نمایاں فرق ہے

ہندو مذہب میں تو طلاق کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ اس میں تو جو عورت ایک بار جس شخص کے ساتھ بیاہ دی جائے۔ اب جان جائے تو جائے مگر



نکاح نہیں جاتا۔ اس لیے اس میں ”سستی“ کرنے کی ظالمانہ و سنگدلانہ رسم موجود ہے اور انگریزوں میں طلاق حاصل کرنا اس قدر سخت ہے کہ جب تک شوہر اپنی بیوی کا زنا کار ہونا عدالت میں ثابت نہ کر دے اس وقت تک وہ اپنی ناپسندیدہ بیوی سے نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ مگر اسلام کا طریقہ ان کے بین بین ہے نہ بالکل سخت اور نہ بالکل سہل۔

اسلام نے ناگزیر حالات میں جبکہ نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو زندگی بھر کڑھتے رہنے کی بجائے شوہر کو یہ حق دیا ہے کہ طلاق دیکر عورت کو فارغ کر دے تاکہ دونوں اپنے نئے سفر زندگی کا نئے سرے سے آغاز کر سکیں اور اپنی زندگیوں کو تلخیوں سے پاک کر سکیں۔

مگر بد قسمتی سے عموماً ہوتا یہ ہے کہ طلاق کے سلسلہ میں اسلامی اعتدال کا راستہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ بعض لوگ تو طلاق دینے کو اس قدر برا سمجھتے ہیں کہ اگرچہ طلاق جتنی ہی ضروری ہو مگر وہ کسی طرح اس پر آمادہ نہیں ہوتے اور وہ اپنی بے عزتی اور پورے خاندان کی بدنامی سمجھتے ہیں جس زندگی وہ بھر ہو جاتی ہے۔ اور اس کے نتائج ناخوشگوار ظاہر ہوتے ہیں اور اس کے برعکس بعض لوگ طلاق کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور تھوڑے بھارے پر اصلاح احوال کی کوئی معقول کوشش کئے بغیر بات بات پر طلاق دے دیتے ہیں۔

اور جب تیرکمان سے نکل جائے تو پھر پچھتاتے ہیں الغرض یہ دونوں طرز عمل قابل مذمت ہیں اور غیر معقول اور معاشرے کے لیے نقصان رساں ان دونوں سے دامن بچاتے ہوئے اعتدال اور معقولیت کے راستہ پر چلنے کی ضرورت ہے تاکہ معاشرہ سے عائلی زندگی کی خرابیوں کا خاتمہ ہو سکے



اور ازدواجی زندگی خوش گوار ہو جائے واللہ ولی التوفیق۔

۱۵: محض شبہ کی بناء پر قتل کرنا  
اس میں کوئی شک نہیں کہ زنا ایک  
بدترین معاشرتی جرم ہے اور اس

کی شریعت میں سخت حد مقرر ہے۔

اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ اگر خدا نخواستہ کوئی شوہر اپنی بیوی کو زنا کرتے  
ہوئے دیکھ لے تو اس حالت میں دونوں (زانی اور مزنیہ) کو قتل بھی کر سکتا ہو  
(گو بعد میں قصاص بچنے کے لئے شرعی عدالت میں یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ اس  
نے بہ حالت زنا ان کو قتل کیا ہے) مگر بغیر کسی شرعی ثبوت کے محض شبہ کی  
بناء پر یہ کہ فلاں عورت نے زنا کیا ہے۔ (حالانکہ فی الواقع نہ کیا ہو) عورت کو قتل  
کر دینا جیسا کہ بعض قبائل میں رایج ہے۔ یہ بہت ہی غلط رسم ہے جس کی وجہ سے  
بسا اوقات بے گناہ عورتیں موت کے گھاٹ اتار دی جاتی ہیں بلکہ جس مرد کے  
مستعلق شبہ ہو۔ اسے بھی قتل کر دیا جاتا ہے جس سے کسی قیمتوں جانوں کا اتلاف  
ہوتا ہے۔ کیونکہ پھر قتل کے بدلے قتل کا غلط سلسلہ چل نکلتا ہے اسلئے  
اس بگڑی ہوئی ذہنیت کی اصلاح ضروری ہے تاکہ اس رسم بد کا خاتمہ  
ہو جائے اور مظلوموں کی داد رسی کی جاسکے۔ واللہ الموفق۔

۱۶: شبِ برات کا حلو اور چرغاں :-  
اس میں کوئی شک نہیں  
ہے کہ شبِ برات

(نیمہ شعبان کی رات) بڑی بابرکت اور جلیل القدر رات ہے اور لیلة القدر  
کے بعد تمام راتوں سے ممتاز رات ہے۔ اس رات میں سال بھر کے حالات  
واقعات اور تمام معاملات کی قدر و قضا ہوتی ہے اور لیلة القدر میں ان کی  
امضا ہوتی ہے۔ بالخصوص حضرت امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کی ولادت



باسعادت نے اس کی عظمت کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ اس رات شب بیداری کرنے اور عبادتِ خدا میں بسر کرنے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔

مگر اس میں حلوہ پکانے کا لازمی اہتمام کرنا اور صد سے زیادہ چراغاں کرنا آتش بازی اور پٹا خے بازی کرنا غلط رسمیں ہیں جو باعث نقصان و زیاں اور ہندوؤں کے مُبہرے کی رسم کی مشابہت کی وجہ سے ناجائز ہیں لہٰذا ان سے احتراز لازم ہے۔

۱۷: اُجرت پر قرآن پڑھنا واجبات پر اُجرت لینا تو بالاتفاق حرام ہے مگر بہت سے ایسے مستحبات

بھی ہیں جن پر اُجرت لینا بہت سے علماء و فقہاء کے نزدیک حرام ہے۔ منجملہ ان کے اذان، قراۃ قرآن اور نماز باجماعت پڑھانا بھی ہے۔

برادرانِ اسلامی جو حفاظ کو اُجرت دیکر نماز تراویح پڑھتے ہیں ان کے لیے مولانا اشرف علی تھانوی کا یہ فتوے محل البصر ہے وہ لکھتے ہیں "بعض حفاظ کی عادت ہے کہ اُجرت لے کر قرآن مجید سناتے ہیں۔ طاعت پر اُجرت لینا حرام ہے اسی طرح دینا بھی حرام ہے" (اصلاح الرسوم ص ۱۹۹) ۱۸: رسمِ شبینہ اسی طرح موصوف نے سات اعداد و لائل سے رسمِ شبینہ (ایک رات میں قرآن ختم کرنے کو مکروہ ثابت کیا ہے) (ایضاً ص ۱۹۹)

ان اکرمک عند اللہ اتقک

صلائے عام ہے یا رانِ نکتہ داں کے لیے

۱۹: مساجدِ امام بارگاہوں کے لائش و نگار کرنا مسجدِ ہویا امام بارگاہ اس کی تعمیر و ترقی میں حصہ لینا

بہت بڑا کارِ ثواب ہے۔

و انہا یعلمو مساجد اللہ من امن باللہ



مگر اہل علم و دانش جانتے ہیں کہ اسلام سادگی پر زور دیتا ہے اور خدا اور رسول کو بھی سادگی پسند ہے لہذا مساجد و امام بارگاہ ضرور بنائے جائیں بہ کثرت بنائے جائیں، مضبوط و مستحکم بنائے جائیں اور پھر آباد و شاداب بھی کئے جائیں مگر یہ حقیقت یاد رکھیں!

کہ مساجد کی آبادی نماز پڑھنے سے ہے، جماعت کرنے کے لئے ہے، درس و تدریس کے لئے تلاوت قرآن سے ہے، اس کے پڑھنے پڑھانے سے ہے، نشر اسلام سے ہے اور اشاعت احکام سے ہے جیسا کہ کبھی فردن ادلی و دسلی میں تھی۔ صرف زیب زینت اور اس کے نقش و نگار سے نہیں ہے۔ اسی طرح امام بارگاہوں کی آبادی اور رونق صحیح مجالس کے انعقاد سے ہے، صحیح فضائل و مصائب اہل بیت کے بیان کرنے سے ہے، معصومین کی شہادت کا مقصد بیان کرنے سے ہے۔ اور صحیح اسلامی اصول و فروع کے بیان کرنے سے ہے، مواعظ سے ہے، معارف سے ہے، حقائق سے ہے۔

نقش سے ہے نہ نگار سے ہے نہ زیب سے ہے نہ زینت سے ہے نہ سر سے نہ تال سے ہے نہ پڑھنے والوں کے حُسن سے ہے نہ جمال سے ہے۔ اگر یہ تو مسائل حرام و حلال سے ہے یا پھر ذکر محمد سے ہے اور ان کی آل سے ہے اور یہ حقیقت عیاں را چہ بیان کی مصداق ہے کیونکہ ؟

آں جا کہ عیاں ست چہ حاجتِ بیان ست

لہذا بے جا زیب زینت اور پر تکلف نقش و نگار اور حد اعتدال سے زائد آرائش و زیبائش سے اجتناب لازم ہے۔

قطع نظر شرعی دلائل کے اگر صرف عقلی نقطہ نگاہ سے بھی دیکھا جائے تو اسکی قباحت واضح و عیاں ہو جاتی ہے کیونکہ مسجد عبادت خدا کے لیے بنائی جاتی ہے اور



عبادت کی روح حضور قلب اور اس کا خشوع و خضوع ہے۔

اور ظاہر ہے کہ نقش و نگار اس عبادت میں خلل انداز ہوتے ہیں اور اس کی روح کے منافی ہیں۔ اسی طرح امام بارگاہ امام مظلوم کی مجالس عزاء برپا کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ تو ان کی حالت کدائی اس طرح ہونی چاہیے کہ بندہ ان میں داخل ہو تو اس پر دنیا کی بے ثباتی اور بے مانگی واضح دیکھاں ہو جائے اور حزن و ملال طاری ہو جائے۔ نہ یہ کہ الٹا دنیا کی زینت و زینت اور اس کے نقش و نگار کی محبت کا شکار ہو جائے اور اپنے لیے ایسا ہی دلفریب مکان تعمیر کرنے کا ذہنوی عزم کر کے واپس آجائے۔ (واللہ اعلم)

۲۔ بی بی پاکدامن لاہور کی زیارت :- پاکستان کے صوبہ پنجاب کے صوبائی صدر مقام لاہور میں

جو مزارات بی بی پاکدامن کے نام سے مشہور ہیں اور ہمارے سادہ لوح اہل ایمان قطار اندر قطار بڑے طمطراق سے قافلوں کی شکل میں زیارت کے لیے وہاں جاتے ہیں۔

تاریخی نقطہ نگاہ سے ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے ہاں البتہ یہ ممکن ہے کہ یہ سید زادیاں ہوں، پاک دامن بھی ہوں مگر یہ بات قطع و یقین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ یہ حضرت امیر علیہ السلام کی صلیبی شہزادیاں نہیں ہیں کیونکہ جبرائیل امین تو ہمارے پاس وحی لاتے نہیں کہ وہ بتائیں۔ اور جہاں تک تاریخ اسلام بلکہ تاریخ عالم کا تعلق ہے تو وہ اس سلسلہ میں بالکل خاموش نظر آتی ہے۔ تو پھر

یہی تھے دو حساب سویوں پاک ہو گئے؟



۲۱: غیر خدا کے نام کی منت ماننا۔ ہمارے عوام اہل ایمان میں یہ رسم عام جاری ہے کہ وہ جب مشکلات و مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں تو بالعموم جناب سیدہ یا سرکارِ وفا ابو الفضل عباس یا سرکارِ سید الشہداء علیہ السلام یا کسی اور امام عالی مقام کے نام پر منت ملتے ہیں۔

حالانکہ مذہبِ حق کے علماء و علماء اور فقہاء و علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ منت صرف خداوندِ عالم کی ذات و الاصفات کے نام سے مختص ہے اس کے سوا کسی بھی ہستی کے نام کی منت ماننا ہرگز جائز نہیں ہے جیسا کہ ہماری تمام کتب فقہ و حدیث اس حقیقت سے چھلک رہی ہیں۔ لہذا اس قسم کی منتوں سے اجتناب کرنا واجب و مستحکم ہے۔

ہاں زیادہ سے زیادہ یہ کیا سکتا ہے کہ بارگاہِ خداوندی میں دعا و استدعا کرتے وقت یا منت ملتے وقت ان ذات مقدسہ میں سے کسی ذات گرامی صفت کا واسطہ دیا جاسکتا ہے اور اس طرح منت مانی جاسکتی ہے کہ اگر۔۔۔ خداوندِ عالم فلاں ہستی کے وسیلہ سے میرا فلاں کام کر دے یا میری فلاں حاجت برآری کر دے تو میں خدا کے نام پر فلاں کام کروں گا یا فلاں چیز تقسیم کروں گا اور اس کا ثواب اس ہستی کی روح مقدس کو بدیہ کروں گا۔

اس طرح من باب المجاز تسبیح جناب سیدہ اور نماز جناب جعفر طیار کی طرح وہ جناب سیدہ اور جناب و امام حسین علیہ السلام کی نیاز اور حضرت ابو الفضل عباس کی حاضری کہلا سکے گی اور علی الاظہر جائز بھی ہوگی ورنہ مشکل ہے واللہ العالم والعاصم۔

۲۲: عید روز اور اس کے بعض رسوم و قیود۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام جو کہ دین



فطرت ہے اس میں عید کا نہ صرف تصور موجود ہے بلکہ اس میں بحسن عظیم  
الشان عیدیں بھی موجود ہیں جیسے عید الفطر، عید الاضحیٰ، عید غدیر اور عید مباہلہ  
وغیرہ۔ مگر اس میں بعض ایسی عیدیں بھی داخل کر دی گئی ہیں جن کا تحقیقی نقطہ  
نگاہ سے اسلام سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہے جیسے عید نوروز جسے بڑی مصوم  
دھام اور بڑے طمطراق سے منایا جاتا ہے اور اس میں بعض مخصوص رسمیں ادا  
کی جاتی ہیں اور بعض مخصوص اوراد و اعمال بجالائے جاتے ہیں۔

بہر حال علماء را غلام اور مؤرخین اسلام نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام  
کے حالات و واقعات میں یہ مستند و معتبر واقعہ درج کیا ہے کہ ایک بار منصور  
دوانیقی بنما کسی نے کسی مساجد کے تحت آبخناٹ سے خواہش کی کہ آپ  
عید نوروز کی تقریبات میں شرکت فرمائیں۔ جس کے جواب میں امام نے مذرت  
خواہی کرتے ہوئے فرمایا۔

”من در اخباری کہ از جدم رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم وارد شدہ تفتیش  
کردم از برائے ایس عید چیزے نیاستم و ایس عید سنتے بودہ از برائے  
فرس و اسلام اور امحو نمودہ و پناہ می برم بخدا زانکہ اجبار کنم چیزے  
را کہ اسلام محو کروہ باشد آن رائے الخ“

یعنی میں نے ان اخبار و آثار میں جو میرے جد نامدار حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم  
سے مجھ تک پہنچے ہیں جستجو کی ہے۔ مگر مجھے ان میں اس عید کے بارے میں کوئی  
چیز نہیں ملی البتہ (اسلام سے پہلے) اہل فارس اس عید کو مناتے تھے اور اسلام  
نے اسے مٹا دیا۔ اور میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں اس چیز کو زندہ کروں جسے  
اسلام نے محو کر دیا ہے۔ (منہجی الآمال ج ۲ ص ۱۲۹ تقطیع کلان حوالہ مناقب امیر شہر آشوب)  
اس کے بعد مذکور ہے کہ منصور نے بتایا کہ وہ سیاست شکاری کے لئے



ایسا کرتا ہے اور پھر بڑی قسمیں دے اور حد سے زیادہ اصرار کر کے امام کو مجبور کر کے شرکت پر آمادہ کیا۔

اور آپ مجلس تہنیت میں بیٹھے اور امرار و اعیان مملکت نے حاضر ہو کر مبارک باد دی اور گراں قدر تحفے اور ہدیے پیش کیے۔ اور آخر میں ایک بوڑھے آدمی نے حاضر خدمت ہو کر امام حسین علیہ السلام کے مرثیہ کے چند اشعار پڑھے اور امام نے وہ تمام مال و منال اس کو بخش دیا۔ (ایضاً)

(۲) لے دے کے اس سلسلہ میں معلیٰ بن خلیفہ کی ایک روایت پیش کی جاتی ہے راویان اخبار میں معلیٰ کا جو مقام ہے؟ وہ اہل علم و اطلاع پر مخفی دستور نہیں ہے جس کی جرح و قدح سے کتب رجال بھری پڑی ہیں لہذا اس کی مرویات کو جب تک دوسری مستند حدیثوں کی تائید نہ ہو وہ ناقابل اعتماد متصور ہوتی ہیں کمالا مخفی علیٰ اولیٰ الابصار۔

(۳) اسلام کے تمام احکام کا تعلق قمری تاریخوں سے ہے جبکہ اسعید کا انحصار شمسی تاریخوں پر ہے اور پھر اس میں بھی شدید اختلاف ہے کہ وہ ۲۱ مارچ کو ہوتی ہے (جیسا کہ مشہور ہے) یا ۱۳ اپریل کو جیسا کہ بعض مدعیان علم کا اس پر اصرار ہے۔

(۴) اس تاریخ کی طرف دنیا کے جو بڑے بڑے واقعات منسوب کئے جاتے ہیں کہ وہ اس تاریخ کو وقوع پذیر ہوئے وہ روایت "درایۃ غلط" ہیں وہ یقیناً اس تاریخ کو واقع نہیں ہوئے۔

الغرض اس عید کی کوئی گُل اور کوئی پَرل سیدھی نہیں ہے  
ظَلَمْتُ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ۔

لہذا اہل ایمان و ایتقان کو صرف انہی عیدوں کے منانے پر



اکتفا کرنا چاہیے جو مستند ارشاداتِ معصومینؑ سے ثابت ہیں اور ان نام نہاد  
اور غیر اسلامی عیدوں کے احیاء سے احتراز کرنا چاہیے جن کو اسلام نے  
محکوم کر دیا ہے کیونکہ ۔

ہم مسلمان ہیں ہمارا کیش ہے تم کی رسوم : ملتیں جب مٹ گئیں اجزا را ہمایا ہو گئیں ۔  
يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي  
الْصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۔



## خاتمہ کتاب

اللہ الحمد ہر چیز کے خاطر میخواست : آخر آمد ز پس پردہ تقدیر پدید  
اپنے خالق و مالک اور محسن و منعم حقیقی کا جتنا شکر ادا کیا جائے اتنا کم ہے کہ  
اس نے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے طفیل اپنے دین مبین کی یہ حقیر سی  
خدمت انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائی۔  
جس کی تڑپ عرصہ دراز سے دل و دماغ کو مضطرب و پریشان کئے ہوئے  
تھی مگر کچھ اپنی گونا گوں مصروفیات کی کثرت اور کچھ اس کٹھن منزل کی مشکلات  
راہ اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے میں سد راہ بنی ہوئی تھیں مگر قادر مطلق کی  
توفیق شامل حال ہوئی اور عزیمت نے راستے کے کانٹوں کو پھول بنادیا۔

سچ ہے کہ  
بہرکارے کہ ہمت بستہ گردد : اگر خارے بود گلہ ستہ گردد  
اس کتاب کی تکمیل کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ایک بہت بڑا  
بوجھ کاندھوں سے اتر گیا ہے۔ تشکر و امتنان کے جذبات سے گردن مالک  
الملک کی بارگاہ میں جھکی جا رہی ہے اور دل و دماغ ادائیگی فرض کے احساس اور  
روحانی مسرت و شادمانی کے کیف و سرور سے سرشار ہو رہے ہیں۔

بفضلہ تعالیٰ ہم نے اصلی اسلام اور رسمی اسلام کا باہمی فرق  
شریعت و عہد کا باہمی امتیاز اللہ کے قرآن اور چار دہ معصومینؑ  
کے مستند فرمان کی روشنی میں واضح و عیاں کر دیا ہے اور بلا خوف و ہراس  
سب حقائق کو الم نشرح کر دیا ہے

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيِيَ مَنْ خَلَّى عَنْ بَيِّنَةٍ



# اہل ایمان کیلئے عظیم خوشخبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرہ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منصف شہود پر آچکی ہیں۔

۱۔ **فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن** کی مکمل ۱۰ جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے

جسے بڑے مباحثات کے ساتھ ہر اور ان اسلامی کی تفسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے مکمل سیٹ کا ہر یہ صرف دو ہزار روپے ہے۔

۲۔ **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال و عبادات اور چہارہ معصومین کے زیارات، سر سے لیکر پاؤں تک جملہ بدنی

بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منصف شہود پر آگئی ہے

۳۔ **اعتقادات امامیہ** ترجمہ رسالہ لیلیہ سرکار علامہ مجلسی جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے پہلے باب میں نہایت اختصار و ایجاز

کے ساتھ تمام اسلامی عقائد و اصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لیکر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال

و عبادات کا تذکرہ ہے تیسری بار بڑی جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہو کر منظر عام پر آگئی ہے

۴۔ **اثبات امامت** آئمہ اثنا عشر کی امامت و خلافت کے اثبات پر عقلی و نقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن

۵۔ **اصول الشریعہ** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے

۶۔ **تحقیقات الفرقین** کا نیا ایڈیشن جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے۔

۷۔ **قرآن مجید مترجم** اردو مع خلاصہ التفسیر بہت جلد منصف شہود پر جلوہ گر ہونے والا ہے جس کا ترجمہ اور تفسیر فیضان

الرحمن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لئے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں

سے بے نیاز کر دینے والا ہے۔

۸۔ **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ نویں جلد بہت جلد بڑی آب و تاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے

۹۔ **الاسماء** کا نیا ایڈیشن بڑی شان و شکوہ کے ساتھ آگیا ہے۔

منجانب

منیجر مکتبہ السبطين 296/9 بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا